بہترین تحریروں کا مجموعہ
ماہنامہ
رومان
آن لائن ڈائجسٹ
اکتوبر 2018
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

بہترین تحریروں کا مجموعہ

ماہنامہ رومان ڈائجسٹ آن لائن

اکتوبر 2018

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بانی و مدیر اعلیٰ: محمد وسیم سہیل

مدیرہ مسئول: ایس اے نقوی

مدیرہ: مہک شاہ

معاون: تحریم بخاری

انچارج حصہ شاعری

گل زہرہ شاہ - لالہ رخ

انچارج حصہ نثر

مومنہ جمیل، ثناء حسین

انچارج حصہ انٹرویو

قرۃ العین ذوالفقار - زنیرہ (انا شہریار)

انچارج حصہ کچن کارنر

فہمیدہ ناز غوری - ماہ روش ملک

انچارج حصہ دین و دنیا

ثانیہ ارباب - ہادیہ امجد

E mail: romaan.digest@gmail.com

0334-9366437 - 0344-0913786

محرم الحرام تاریخ کے آئینے میں	ڈاکٹر محمد گوہر	5

سلسلہ وار ناول

تجھے چاند بن کے ملا تھا جو (قسط 3)	عائشہ جبین	9
اب کی ابھر ہو چکے (قسط 2)	کنزہ ظفر	29

افسانے

ٹھنڈی ہانڈی	ایچ کے سواتی	71
ہم سے ہے یہ چمن	ہادی خان	90
ذرا سی شرارت	کومل احمد	100
دوستی	وردہ مکاوی	111
شگفتہ سیرت	نعیم اختر ربانی	118
احساس	خالد جان	122
میں بھی تو پکارا جاؤں گا	ثمر مغل	126
عفت کی پاسباں	رانیہ مریم	164

مختصر تحریریں

سوشل میڈیا اور ڈپریشن	انابیہ رحمٰن	89
پیارے نبی کی پیاری باتیں	ہادیہ امجد	110
تعمیر پاکستان	معصومہ ارشاد سونگی	162
ادھوری محبت	عاتکہ جعفری	201
حصار	ش م دانش	225
دل مردہ دل نہیں ہے	ام حبان	228
دھن کا پکا ہوا باز	ابن ریاض	233
عظیم قوم کی عظیم فوج	سائیں سلمان	236
میرا جنون	وقاص معین	238
جاں نثاران وطن	رخشی قیصرانی	240
امید سحر	امید سحر	243
کب بھولی جاتی ہیں قربانیاں	آمنہ غفور	246
جہاد	محمد شاہد اقبال	248
سازش	مبارک خان	250

شاعری

نظم صبا احمد	آسیہ مجید	204
نظم جیاز بیری	فرح نوشین زاہرہ	205
غزل سلمان بشیر		206
نظم ماریہ	حمدہ طارق	206
غزل سارہ عمر		207
نظم امرینہ سہیل	تحریم امان اللہ بخاری	208
نظم اشارانی	وردہ مکاوی	209
غزل گل زاہرہ شاہ	غزل فرزانہ کنول	210
غزل اقصیٰ محبوب احمد		211
نظم منیبہ تبسم	مریم صدیقی	212
غزل امشا اشرف		213
غزل حرا شاہد اقبال		214
غزل اروشہ خالد روش		215
نظم سیدہ زخرف	حریم فاطمہ	216

سلسلے

کچن کارنر		217
تبصرہ	میمونہ صدف	220
دین دنیا		125
عقیدہ ختم نبوت	رباب ثانی	222

محرم الحرام تاریخ کے آئینے میں

تحریر: ڈاکٹر محمد گوہر

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔اس ماہ کو محرم اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جنگ وقتال حرام ہے۔ یہ مہینہ بڑا بابرکت اور مقدس ہے۔محرم تحریم باب تفعیل سے اسم مفعول ہے،اس کے ایک معنی تعظیم کرنے کے بھی آتے ہیں اس اعتبار سے محرم کے معنی معظم) عظمت والا (ہوئے۔کسی بھی زمانے میں عظمت وحرمت کا اصل سبب تو اللہ تعالی کی تجلیات وانوار کا ظہور ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ بعض عظیم الشان اوراہم واقعات کا کسی زمانے میں انجام اور وقوع بھی اس زمانہ کی عظمت وفضیلت کا سبب بن
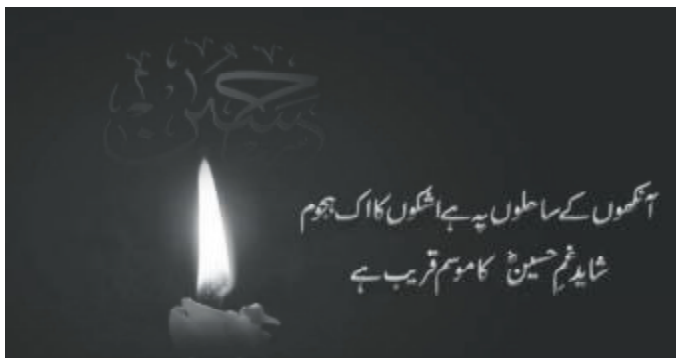
جاتا ہے۔اورانوار وتجلیات کی زیادتی سے اجروثواب میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔محرم الحرام کی اتنی عظمت کیوں ہے؟اس تعلق سے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب روزوں سے افضل رمضان کے بعد اللہ تعالی کا مہینہ محرم) یعنی عاشورہ کا روزہ (ہے۔) مسلم شریف (ویسے تو تمام مہینے اللہ تعالی ہی کے ہیں لیکن اس حدیث شریف میں خاص طور پر محرم کی اللہ تعالی کی طرف نسبت اس کے شرف اور فضیلت کے اظہار کے طور پر ہے۔تاریخی اعتبار سے بھی اس مہینہ کو خاص اہمیت اور فضیلت حاصل ہے۔یکم محرم الحرام کو سیدنا حضرت عمر فاروق کی تدفین عمل میں آئی۔10 محرم کو واقعہ کربلا پیش آیا جس میں نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت امام

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش کیا۔

عاشورہ یعنی دسویں محرم کا دن بہت معظم ہے جس میں درج ذیل اہم واقعات رونما ہوئے۔
☆ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ ☆ حضرت یونس علیہ السلام کے قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ ☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ ☆ اور آپ کو اسی دن آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا۔ ☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ☆ نار نمرود سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نجات ملی ☆ عرش، کرسی، آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے اور جنت پیدا کئے گئے۔ ☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی امت کو نجات ملی اور فرعون اپنی قوم سمیت غرق ہوا۔ ☆ حضرت یوسف علیہ السلام گہرے کوئیں سے نکالے گئے۔ ☆ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔ ☆ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیماری سے نجات پائی۔ ☆ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت عطا ہوئی۔ ☆ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آئی۔ ☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ☆ آسمان سے پہلی بارش ہوئی۔ ☆ قیامت اسی دن آئے گی۔ ☆ عاشورہ کے دن ہی اصحاب کہف نے کروٹیں بدلیں۔ ☆ حضرت داود علیہ السلام کو تاج بخشا گیا۔ ☆ حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف رفع کی گئی۔ ☆ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری۔ ☆ حضرت ادریس علیہ السلام کو مقام بلند کی طرف اٹھایا گیا۔) بارہ مہینوں کی نفلی عبادات، ص(
عاشورہ کے فضائل احادیث کی روشنی میں: عاشورہ کے دن ہر نیک کام بڑا اجر و ثواب کا موجب

ہے۔حضور نبی اکرم،نور مجسم،سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص دسویں محرم کا روزہ رکھے تو اللہ تعالی اسے دس ہزار فرشتوں کی عبادت اور دس ہزار شہدا کا ثواب عطا فرماتا ہے۔سیدنا انس سے مروی ہے کہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محرم کے پہلے جمعہ کو روزہ رکھے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چار چیزیں ہیں جنہیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چھوڑتے تھے۔عاشورہ کا روزہ، ذی الحجہ کے روزے) ایک سے نو تک (، ہر مہینہ کے تین روزے اور دو رکعتیں فجر کی فرض نماز سے پہلے۔) نسائی شریف (

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلو والسلام کو سوائے یوم عاشورہ کے روزہ کے کسی روزہ کا قصد کرتے نہیں دیکھا اور سوائے رمضان کے کسی پورے مہینے کے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔) بخاری شریف (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رحم للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص محرم کے پہلے دس دن روزہ رکھے گا تو وہ فردوس اعلی کا مالک ہوگا۔

محرم الحرام کے نوافل: جس رات محرم کا چاند نظر آئے تو جو شخص دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے اور سلام کے بعد سبوح قدسوس ربنا ورب الملئک پڑھے تو بہت ثواب کا مستحق ہوگا۔

سلطان الہند،عطائے رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحم اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی محرم الحرام کی پہلی شب کو چھ رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں ایک سو مرتبہ سورہ فاتحہ اور دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے ۔ایک روایت صحیحہ میں آیا ہے کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک مرتبہ سورہ یسین پڑھے تو اللہ تعالی اسے جنت میں دو ہزار ایسے محل عطا فرمائے گا جس کے ہر محل میں یاقوت کے ایک ایک ہزار دروازے ہوں گے، ہر دروازے میں ایک تخت سبز زبرجد کا بچھا ہوگا۔ ہر تخت پر ایک حور بیٹھی ہوگی اور اس نماز کے پڑھنے سے چھ ہزار بلائیں دور ہوں گی اور چھ ہزار نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔) بارہ ماہ کی نفلی عبادات،ص (

عاشورہ کے دن غسل کرنا بیماری سے بچاو کا سبب ہے۔آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص عاشورہ کے دن غسل کرے گا تو سوائے موت کے کسی لاعلاج مرض میں مبتلا نہیں ہوگا۔عاشورہ کے دن بیمار پرسی کرنا بھی بہت اجر و ثواب کا کام ہے۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: جوکوئی عاشورہ کے دن بیمار کی تیمارداری کرتا ہے گویا کہ اس نے تمام بنی آدم کی تیمارداری کی۔ ساقی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے دسویں محرم کو پانی کا ایک گھونٹ کسی کو پلایا گویا اس نے تمام پیاسے انسانوں کو پانی پلایا۔ عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال کے لئے وسیع پیمانے پر خرچ کرنے سے پورا سال رزق میں وسعت و برکت رہتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر خرچ میں اضافہ کرے گا تو اللہ تعالی اس پر پورا سال وسعت فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا تو وسعت ہی پائی۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس دن وسیع پیمانے پر خیرات کرنی چاہیئے۔ اس سے رزق میں اضافہ ہوگا اور خوشحالی کے دروازے کھلیں گے۔ مولی تعالی ہم تمام مسلمانوں کو ماہِ محرم الحرام کی برکتوں سے مالا مال فرمائے اور اس ماہِ مقدس میں کثرت کے ساتھ نیک اعمال کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

تجھے چاند بن کے ملا تھا جو

از عاشہ جبیں

قسط نمبر 3

احمرین نے ایک نظر عازہ کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر کچن سے نکل گ۔ عازہ کی پر سوچ نگاہوں نے دور تک اس کا پھیچا کیا۔
اس نے دروازہ زوردار آواز میں بند کیا تو عمرین نے ڈر کر اسکی طرف دیکھا۔
کیا ہوا آپی؟ اسنے ہلکی آواز میں پوچھا۔
کچھ نہیں ہوا اور تم سے بتایا نہیں گیا مجھے کہ یہ لوگ آئے ہوئے ہیں۔ احمرین عمرین پر چڑھ دوڑی۔ تو عمرین نے اس کو یوں دیکھا گویا احمرین کا ذہنی توازن ٹھیک نہ ہو۔
کیا ہو گیا ہے آپی آپ گھر پر نہیں تھی اب اگر یہ لوگ پھیچے سے آ گئے تو میں کیسے آپ کو بتاتی اور اگر بتا دیتی تو آپ

نے کیا کر لینا تھا؟ عمرین سنجیدگی سے اسکو دیکھتی ہو بولی۔تو احمرین نے گہرا سانس لیکر خود کو نارمل کیا۔
اور الماری سے کپڑے نکال کر واشروم میں چلی گ۔عمرین نے کندھے اچکائے۔
یہ آپی کو کیا ہو گیا پہلے تو کبھی یوں غصہ نہیں ہو بھابھی اور ایاز بھا کے آنے پر۔عمرین نے سوچا اور پھر مٹی پا والے انداز میں سر جھٹک کر اٹھ گ کیوں کہ احمرین کیا نداز سے تو لگ رہا تھا کہ وہ اب باہر نہیں نکلے گی تو اسے ہی کچن میں جا کر بھابھی اور ایاز بھا کیلیے کچھ بنانا پڑے گا۔

کب تک نکلنا ہے نبیل میں تو تھک گیا ہوں تمہارے اس آفس میں بیٹھ بیٹھ کر۔طالش اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔
ہاں یار بس میں یہ فال دیکھ لوں اس بندے کی کل ہیرنگ ہیں عدالت میں پھر نکلتے ہیں۔نبیل بلیو کلر کی فال کو دیکھتا ہوا بولا تو طالش نے سر جھٹکا۔
اگر تمہارے اتنے کام رہتے تھے تو مجھے کیوں بلایا تھا۔آرام سے گھر بیٹھا ہوا تھا میں۔طالش اسکو گھورتے ہوئے بولا۔
واہ ایک تو میں نے نیکی کی ہے کہ کیا گھر تم اکیلے بور ہو رہے ہو گے تمہاری بھابھی تو اپنے کاموں میں بزی ہوں گی۔اور میرا بھی اگر ضروری کام نہ ہوتے آفس تو گھر رک جاتا اور تم مجھے باتیں سنا رہے ہو۔نبیل نے فال سے نظریں اٹھا کر جواباً اسے گھورتے ہوئے کہا تو طالش ہنس دیا۔
اچھا اب احسان نہ جتا اور اب بس جلدی اٹھو۔طالش نے کہا تو نبیل نے فال بند کر دی۔
اچھا میرے بھا کر دی بند فال اب تمہاری بھابھی کو تو کال کر کے بتا دوں کہ ہمارا رات کا کھانا کسی فرینڈ کی طرف ہے تو کھانا پرویٹ نہ کرے۔نبیل سیل پر نمبر ملاتا ہوا بولا تو طالش نے سر ہلا دیا۔
کیا ہوا؟ تھوڑی دیر بعد جب نبیل نے تیسری دفعہ کال ملا تو طالش نے پوچھا۔
کچھ نہیں رانیہ کال ریسیو نہیں کر رہی۔اس وقت تو اٹھ جاتی ہے سو کر۔نبیل گھڑی پر وقت دیکھتا ہوا بولا۔
کیا پتہ سو ہوں ابھی وہ احمرین آ تھی ان سے ملنے دوپہر میں۔طالش نے بتایا تو نبیل نے سیل ٹیبل پر رکھا۔
اچھا پھر تو واقعی سو ہو گی اب میری خیر نہیں ویسے احمرین کا نام تمہیں کیسے پتہ لگا؟ نبیل نے اسکو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو طالش اسکے انداز پر ہنس دیا۔
بکواس نہ کرنا اب کو بھابھی نے ہی بتایا تھا ورنہ میں نے نہ پوچھا تھا اور نہ اس نے بتایا تھا وہ تو۔۔۔طالش نے فورا کہا تو نبیل نے قہقہ لگایا۔

یار طالش اپنے ایکسپریشن چیک کرو کسی چھوٹے بچے کی طرح تم چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے ہو اور جسطرح مجھے جسٹفیکیشن دے رہے ہو۔نبیل نے ہنسی روک کر کہا تو طالش نے گاڑی کی چابی اسکی طرف پھینکی۔

جب تم بکواس کر چکو تو گاڑی میں آ جانا میں ویٹ کر رہا ہوں۔طالش نے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

اوئے طالش رک تو۔۔۔گاڑی تو لاک ہے یار۔۔۔اچھا آ رہا ہوں۔نبیل اپنی چیزیں اٹھاتے ہوئے ساتھ ساتھ بول رہا تھا پر طالش نہ رکا تو وہ بھی باہر کی طرف لپکا۔

وہ چیر پر بیٹھی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔سوچوں کا سمندر نجانے کس جانب بہہ رہا تھا۔

ہم لوگ بھی کس قدر بیکار جیتے ہیں نہ کو منزل نہ کوٹھکانہ کبھی اِسکا شکوہ کبھی اسکا دکھ۔اللہ پتہ نہیں لوگ کیسے اتنے خوش اور مطمن نظر آتے ہیں؟ ایسا کیا ہوتا ہے ان کے پاس جو وہ یوں پرسکون نظر آتے ہیں۔میں تو کبھی آپ سے شکوہ نہیں کرتی پھر مجھے سکون کیوں نہیں ملتا عجیب طرح کا دھڑکا کیوں لگا رہتا ہے۔لوگوں کی باتوں کا ڈر ان باتوں کی تکلیف کیوں اتنی چھبتی ہے؟ اسکے ذہن میں کل عازہ کی کہی ہو بات گھوم رہی تھی۔ساتھ والی چھت سے رانیہ نبیل اور طالش کے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھی۔

یہ لیں چائے آپی کیا یاد کرے گی آپ عمرین کے ہاتھ کی چائے پینے کو مل رہی ہے آپکو۔عمرین کی آواز پر وہ چونک کر سیدھی ہو۔

اس نے خاموشی سے چائے پکڑ لی تو عمرین بھی اسکیسامنے چیر پر بیٹھ گ۔

آپی کیا ہو گیا ہے آپکو اتنے دن ہو گئے ہیں نہ آپ پہلے کی طرح مجھ سے باتیں کرتی ہیں نہ مجھے ڈانتی ہیں بس ہر وقت جانے کیا سوچتی رہتی ہیں؟ پتہ امی بھی کہہ رہی تھی کہ احمرین کو کیا ہو گیا ہے اتنی خاموش کیوں رہنے لگ گ ہے؟ عمرین اسکو دیکھتی تشویش سے کہہ رہی تھی۔احمرین جو چائے پی رہی تھی رک کر اسکی بات بغور سننے لگی۔

میں کیا بتاں تمہیں اور امی کو عمرین بتا کر فادہ بھی کیا سوائے پریشانی اور غصہ کے ہونا تو وہی ہیجو ابو چاہے گے اور اللہ نہ کرے ابو پھوپھو کو ہاں کر دیں۔وہ عمرین کو دیکھتی سوچ رہی تھی جب عمرین نے زور سے اسے آواز دی۔

احمرین آپی کیا سوچ رہی ہیں اب آپ؟ میں کب سے کچھ کہہ رہی ہوں آپ سے۔عمرین جھنجلا کر بولی تو احمرین مسکرا۔

ایسی کو بات نہیں ہے عمرین تم چائے پیو۔احمرین بولی سچ بتا نہیں سکتی تھی اور جھوٹ وہ بولنا نہیں چاہتی تھی۔عمرین جو اس سے کسی لمبی چوڑی وضاحت کی توقع کر رہی تھی منہ بنا کر رہ گ۔

تبھی ساتھ والی چھت سے قہقے بلند ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

یہ نبیل بھا کو کیا ہو گیا ہے؟ احمرین حیران ہو کر بولی۔
آپی آپ کو پتہ ہے نبیل بھا کے ایک دوست آئے ہوئے ہیں طالش نام ہے انکا۔آپ کو بتاں وہ اتنے ہینڈسم ہیں آپ بھی دیکھے گی نہ تو دیکھتی رہ جایں گی۔اور مزے کی بات سنے لاہور سے ان کے گھر آیں ہوئے ہیں پرسوں ملی تھی میں ان سے چھت پر ہی رانیہ آپی کے ساتھ تھے۔بہت اچھا بولتے ہیں۔عمرین کو یاد آیا تو بس بولتی چلی گ۔
اچھا اچھا عمرین آہستہ بولو سن لیں گے تو کیا سوچیں گیکیسے تم انکی تعریف کر رہی ہو۔احمرین اسکو بڑی بہن کی طرح ڈانتے ہوئے بولی تو عمرین نے منہ بنا کر اسکی طرف دیکھا۔
ایک تو احمرین آپی جب آپ دوست سے بڑی بہن کے روپ میں آتی ہیں تو نہ مجھے پوری ڈریکولا لگتی ہیں آپ۔عمرین نے کہا تو وہ جو چائے پی رہی تھی اسکی بات پر ہنس دی۔دوسری طرف سے ابھی بھی ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھی جب عمرین دوبارہ بولی۔
اچھا آپی دیکھے نہ وہ کتنے مزے سے اپنے دوست کے گھر رکے ہوئے ہیں اگر ہمارے کسی بھا کے دوست یوں گجر میں آتے اور تو اور وہ یوں گھر میں آزادانہ رکتے تو ابو نے تو بھا کو ان کے دوست سمیت ہی گھر سے نکال دینا تھا۔
اب خیر ابو ایسے بھی نہیں کہ گھر آئے مہمان کو یوں نکال دیں۔احمرین فورا بولی تو عمرین نے سر ہلا دیا۔
جی خیر ویسے بھی نہیں جیسے آپ کہنا چاہ رہی ہیں۔عمرین نے کہا تو احمرین بس کندھے اچکا کر رہ گ۔دوسری طرف اب خاموشی چھا گ تھی شاید وہ لوگ نیچے چلے گئے تھے۔
احمرین سیل پر اپنی فرینڈز کے میسجز پڑھ رہی تھی جبکہ عمرین سامنے والوں کے گھر جھانک رہی تھی جہاں آم کے درخت پر لگے آم اسکے منہ میں پانی لا رہے تھے۔جب پیچھے سے احمرین کی آواز آ۔
عمرین ادھر آ تمہیں زبردست سی غزل سناتی ہوں۔تو وہ آموں پر آخری نگاہ ڈالتی مڑ گ کیونکہ پوٹری میں تو اسکی بھی جان تھی۔

وہ چھت پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا جب دوسری طرف سے آواز آ۔آواز سنتے ہی وہ پہچان گیا تھا کہ یہ کل والی لڑکی کی آواز ہے۔کچھ دیر پہلے جب وہ چھت پر آئے تھے تو ساتھ والی چھت پر کو واک کر رہا تھا لیکن انکو دیکھ کر وہ وجود دیوار کے ساتھ غاب ہو گیا تھا۔اسکے ذہن میں آیا شاید وہی ہو لیکن پھر خیال جھٹک دیا اور وہ لوگ بھی چیر پر بیٹھ کر اپنی خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی رانیہ اور نبیل نیچے گئے تھے انکے کو جاننے والے آئے تھے جبکہ وہ چھت پر بیٹھا اپنے آفس کی میل موبال پر چیک کر رہا تھا جب ساتھ والی چھت سے آواز سن کر متوجہ ہوا۔
عمرین کو بلایا گیا تھا کو غزل سنانے۔

نامحسوس انداز میں اسکا رخ اسکا دیوار کی طرف ہو گیا جہاں دوسری طرف شاید وہ بیٹھی تھی۔ تبھی اسنے عمرین کو آتے ہوئے دیکھا اسکا بس چہرہ نظر آ رہا تھا پھر وہ بھی غاب ہو گیا شاید نیچے بیٹھ گ تھی۔ اسکے کان منتظر تھے جب آواز آ۔

مقروض کے بگڑے ہوئے حالات کی مانند

مجبور کہ ہونٹوں پہ سوالات کی مانند

دل کا تیری چاہت میں عجب حال ہوا ہے

سیلاب سے برباد مکانات کی مانند

میں ان میں بھٹکتے ہوئے جگنوں کی طرح ہوں

اس شخص کی آنکھیں ہیں کسی رات کی مانند

دل روز سجاتا ہوں میں دلہن کی طرح سے

غم روز چلے آتے ہیں بارات کی مانند

اب یہ بھی یاد نہیں کہ کیا نام تھا اس کا

جس شخص کو مانگا تھا مناجات کی مانند

محسن اسے ملنا مرا ممکن ہی نہیں ہے

میں پیاس کا صحرا ہوں وہ برسات کی مانند

واہ آپی بہت خوبصورت۔ طالش عمرین کی آواز سن کر بے اختیار مسکرایا۔ غزل کو واقعی بہت خوبصورت انداز میں پڑھا تھا احمرین نے۔

اسکا دل بے اختیار داد دینے کو کیا تھا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا پتہ نہیں وہ کیا ری ایکٹ کرے۔ اور اسکے متعلق کیا سوچیں کہ وہ انکی باتیں سن رہا تھا۔ جبکہ وہ تو بس انکی ساتھ والی چھت پر بیٹھا اپنے موبال پر مصروف تھا جب اسکی آواز نے متوجہ کیا۔

محترمہ حاضر جواب ہونے کے ساتھ ساتھ اچھا بولتی بھی ہیں۔ طالش نے سوچا تو مسکراہٹ نے بے اختیار اسکے لبوں کو چھوا۔ دوسری طرف اب خاموشی تھی شاید اب وہ لوگ نیچے جا چکی تھیں۔

تو وہ بھی اپنے کام میں بزی ہو گیا لیکن احمرین کی آواز بستور ذہن کے کواڑوں پر دستک دیتی رہی۔ اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس دستک کو سن رہا تھا۔

یار تم لوگ یہاں بیٹھے ہو میں پورے گھر میں ڈھونڈ رہا تھا تم دونوں کو۔ رامش کی آواز پر ان دونوں نے مڑ کر دیکھا

تھا۔حوریہ رمشہ کے ساتھ چھت پر آ ہوتھی۔آج دوپہر سے ہی ہلکے ہلکے بادل ہورہے اب شام کوتو اچھا خاصہ ٹھنڈا موسم ہوگیا تھا۔وہ دونوں اپنی اپی چائے پکڑے چکن پکوڑوں کے سات انجوائے کررہی تھیں جب رامش ان کو ڈھونڈتا ہوا چھت پر چلا آیا۔

ان دونوں نے کو جواب نہ دیا اوردوبارہ سامنے دیکھ کر باتیں کرنے لگی گس۔رامش نے شاکڈ ہوکران کی جانب دیکھا اور پھران کے سامنے سے پکوڑوں کی پلیٹ اٹھالی۔ان دونوں نے ہی کھا جانے والی نظروں سے اسکی جانب دیکھا جو اس نے بڑی مشکلوں سے ہضم کی۔

یارتم لوگ ابھی تک ناراض ہومیں نے تو بس مذاق کیا تھااورتم لوگوں نے بھی تو طالش بھا سے میری اچھی خاصی بیعزتی کرواتھی نہ تواب تک کیوں ناراض ہو۔رامش منہ میں پکوڑا اڈالتے ہوئے بولا تو حوریہ نے اسکوگھور کر دیکھا اور پکوڑوں کی پیلٹ دوبارہ واپس چھین کرآرام سے بولی۔

ہمیں ایسے لوگوں سے بات کرنے کا کوشوق نہیں جو اختلاف اور دشمنی میں فرق بھول جائے۔رامش نے مدد طلب نگاہوں سے رمشہ کی طرف دیکھا تو اسنے بھی منہ موڑلیا۔

یار۔۔۔۔تم لوگ بھی نہ حوریہ تمہیں لگتا ہے کہ میں رمشہ کواس لیےلیکر گیا تھا تاکہ تم لوگوں کی لڑائی کرواسکوں؟اور رمشہ تم بھی یہی سمجھتی ہونہ؟ رامش نے دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جی ہاں۔دونوں بیک وقت بولی تو رامش نے اپنے ماتھےکو ہاتھ کی دوانگلیوں سے چھوا۔

یاراس دن رمشہ اپ سیٹ تھی میں بس اسکوخوش دیکھنا چاہتا تھا اسی لیے لے گیا وہ تو بعد میں مذاق کیا تھا میں نے جب تم ناراض ہوگ تھی اس سے۔رامش آخر سچ بول ہی گیا تو دونوں نے مشکوک نظروں سے اس کو دیکھا پر وہ سچ بول رہا تھا۔

تم سچ کہہ رہے ہو؟ حوریہ نے اسکودیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں یاراورتم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ رمشہ میری کزن کے ساتھ ساتھ فیانسی بھی ہےاور ہونے والی بیوی بھی۔اب کی باررامش ریلکس ہوکر بولا کیوں کہ اب دونوں کی اسی فیصد ناراضگی ختم ہوگ تھی اور باقی بچی بیس فیصد تو وہ جانتا تھا کیسے ختم کرنی ہے۔اسکی بات پر جہاں رمشہ نے منہ پھیرا تھا وہیں حوریہ بھی امریس ہو۔

اچھا چلو مان لیتے ہیں لیکن آیندہ ایسا کبھی سوچنا بھی مت۔حوریہ نے اسکووارن کرنا ضروری سمجھا۔

اچھا چلواب تم لوگوں کو آسکریم کلھاتا ہوں اس موسم میں چائے پکوڑے کون کھاتا ہےانہوں اتنا مزے کا۔موسم ہے چلو باہر چلتے ہیں۔رامش بولا تو ان دونوں نےبے یقینی سے اسکی جانب دیکھا۔

کیا واقعی؟ رمشہ نے پوچھا تو رامش نے سر ہلا دیا۔

یا ہو ہم لوگ ابھی آتے ہیں بس پانچ منٹ میں تم گاڑی نکالوں۔ وہ دونوں جلدی سے باقی چائے پیتے ہوئے بولی تو رامش نے سر ہلا دیا۔

امی آپ نے کب کریں گی ماموں سے بات؟ جب ماموں احمرین کا رشتہ کہیں اور کر دیں گے۔ ایاز تیز لہجے میں بولا تو رفعیہ بیگم نے اپنے دانتوں میں انگلی دابی۔

آئے ہائے دیکھو تو عازہ اس لڑکے کو کتنی بے صبری ہو رہی ہے بیٹا صبر کا دامن تھام رکھو کر لوں گی کہیں نہیں بھاگی جا رہی تمہاری ماموں کی بیٹی احمرین۔ رفعیہ بیگم ہاتھ جھلاتی ہو بولی گویا مکھی اڑا رہی ہوں

ایاز نے مدد طلب نظروں سے عازہ کی طرف دیکھا تو اسنے بیزاری سے اسکا حوصلہ دیا۔

امی نیا بو سے رات بات کی تھی ابو کا تو تمہیں پتہ ہے سنتے ہی غصے میں آ گئے پتہ نہیں کیوں ابو کو ماموں کی فیملی سے اتنی چڑ ہے پر میں ہوں نہ تمہاری بہن کر لی ابو سے بات منوا کیا ابو کو اب بس کل جایں گے اور بات کر لیں گے ماموں سے۔ عازہ فخریہ انداز میں بول رہی تھی جب ایاز نے اٹھ کر اسے گلے لگایا۔

جیو میری بہن میں جانتا تھا تم ابو کو منا لو گی آخر کو ابو کی لاڈلی ہو۔ ایاز نیہنستے ہوئے آنکھ مار کر کہا تو عازہ نیا سکیکندھے پر ہات مارا۔

اچھا اب تم بعد میں بدل نہ جانا کہیں احمرین کے بیوی بنتے ہی تمہیں بہن زہر لگنے لگ جائے۔ عازہ نے چوٹ کی تو ایاز نے قہقہ لگایا۔

ارے ماڈیر عازہ تمہارا بھا احمرین کے پیچھے پاگل ہے تو اسکی بھیا یک وجہ ہیا ب دیکھو نہ باہر جو لڑکی بھی مجھے دیکھتی ہے فورا لٹو ہو جاتی ہے لیکن یہ احمرین اسکی تو اکڑ ہی نہیں جاتی بس۔۔۔۔ یہ اکڑ توڑنی ہے مجھے اسکی۔۔ تو سمجھ آ بھلا کیا؟۔۔ ایاز مزے سے بولا تو عازہ نے نفی میں گردن ہلا

تو سنو اصل بات یہ ہے میری بہن میں اسکے عشق میں نہیں پاگل بلکہ اسکو پاگل کرنے والا ہوں۔ ایاز مسکرا کر بولا تو عازہ نے اسکو داد طلب نظروں سے دیکھا۔

اوئے ایاز جس کی تو بات کر رہا ہے نہ وہ لڑکی میری بھتیجی ہے اور کچھ بھی ہو میں اپنی بھتیجی سے بڑی محبت کرتی ہوں۔ رفعیہ بیگم جو حیرانگی سے ان دونوں بہن بھایوں کی باتیں سن رہی تھیں یک دم بولی تو ایاز اور عازہ کی ہنسی تھمی۔

اوہ ہو امی ہم نے کونسا اس پر ظلم کرنا ہےبس انکو اپنی مٹھی میں کرنا ہے جو کہ آپ بھی چاہتی ہیں بھ ریان بھا تو پہلے ہی آپ لوگوں کی مٹھی میں ہیں۔ ایاز نے فورا کہا تو عازہ نے بھیماں کو تسلی دی۔

اچھا اب آپ لوگ کل ماموں سے بات کر لیجے گا۔ ایاز دوبارہ یاد دہانی کرواتے ہوئے بولا۔

ہاں کر کیں گے جان چھوڑو۔ عازہ بیزاری سے بولی تو ایاز ہنس دیا۔

رانیہ نے احمرین کو کال کر کے گھر بلایا تھا وہ امی سے اجازت لیکر آ گ تھی۔ کیونکہ اکرم صاحب کو ان کے گھر آنے جانے پر کو اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ خود بھی چکر لگا کر حال چال پوچھ لیتے تھے۔ درراصل وہ انکے بہترین دوست کے رشہ دار تھے۔

ابھی وہ لان سے گزر کر گیراج میں داخل ہوتھی جب سامنے سے طالش دروازہ کھول کر نکلا تھا۔

پینٹ شرٹ پہنے ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھامے وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔احمرین یک دم رک گ۔

ویسے عمرین کہتی تو ٹھیک ہے طالش صاحب ہیں تو ہینڈسم اور وہ بھی کافی سے زیادہ۔اس نے سوچا جب طالش اسکو دیکھ کر خوشگواریت سے رکا۔

ارے آپ۔۔۔۔طالش نے کہا جب وہ فوراسے اسکے پاس سے کترا کر جانے لگی تھی۔

بندہ سلام ہی لے لیتا ہے خیر اسلام علیکم! طالش نے فورا فورا مسکرا کر کہا تو احمرین نے اسکی جانب دیکھا جو مسکرا کر اسی کی جانب متوجہ تھا۔

واعلیکم سلام! سوری میں نے دیکھا نہیں تھا آپکو۔اس نے شرمندگی سے فورا جھوٹ بولا۔طالش نے حیرانگی سے دیکھا۔

آپ نے دیکھا نہیں تھا یا دیکھ کر اگنور کر دیا تھا؟ اسنے پوچھا تو وہ جو پہلے ہی شرمندہ ہوری تھی مزید ہوگ۔

کو بات نہیں میں مذاق کرر ہا تھا۔ویسے کیسی ہیں آپ؟ وہ اسکا شرمندہ دیکھ کر بات بدلتا ہوا بولا۔

ٹھیک ہوں۔میں رانیہ سے ملنے آ تھی وہ۔۔۔۔احمرین جواب دیکر دروازہ کی طرف دیکھ کر بولی گویا بتا رہی ہو مسٹر راستہ چھوڑ دیں۔

ظاہر ہے ان سے ہی ملے گی آپ ویسے اس دن کے بعد تو آپ نظر ہی نہیں آ؟ طالش بات بڑھاتا ہوا بولا تو احمرین نے حیرانگی سے اسکو دیکھا۔تو وہ فورا بولا۔

نہیں وہ دراصل رانیہ بھابھی بتارہی تھی کہ آپ انکی بہت اچھی دوست ہیں تو اس لیے بس پوچھ رہا تھا۔

میری ان سے فون پر بات ہوتی رہتی ہے ویسے میں ان سے ہی ملنے آ ہوں اب۔احمرین کہہ کر آگے بڑھ گ جب وہ بے اختیار بولا۔

ویسے آپ پوٹری بولتی بہت اچھی ہیں۔وہ یک دم رکی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ اسکو ہی دیکھ کر مسکرارہا تھا۔

دراصل رات میں نے سن لی تھی لیکن جان بوجھ کر نہیں وہ بس آواز آ رہی تھی۔طالش فورا بولا تو احمرین نہ چاہتے

ہوئے بھی مسکرا دی۔

تھینک یو !وہ بس اتنا بول کر اندر چلی گ جبکہ وہ وہیں کھڑا اسکو سوچتا رہا جب سامنے دروازے سے نبیل نکل کر اسکے سامنے آیا اسکو واپس آنے میں چند پل لگے تو نبیل کیطرف دیکھا جو سکراتی نظروں سے اسکو دیکھ رہا تھا۔

کیا؟ طالش نے اس سے پوچھا تو نبیل نے بھی آگے سے ابرو اچکا کر اس سے پوچھا۔

منہ میں زبان نہیں کیا؟ طالش نے ہنس کر کہا تو نبیل نے اسکو بغور دیکھا اور پھر بولا۔

ابھی ابھی احمرین گ ہے نہ وہ بھی مسکرا رہی تھی جب ادھر آیا تو تم بھی مسکرا رہے تھے خیریت تو ہے نہ؟ نبیل نے پوچھا تو طالش ہنس دیا۔

ایسی کو بات نہیں چلو تم میں لیٹ ہو رہا ہوں گھر جلدی پہنچنا ہے مجھے۔طالش بات ٹالتے ہوئے بولا تو نبیل نے اسکو گھور کر دیکھا اور پھر گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

اسکا ابا بڑا سخت مزاج ہے کہیں تمہاری یہ بتیسی ٹوٹ گ تو ن بھی سلامت نیں ملے گی۔

اچھا ایسی کو بات نہیں تم ہمیشہ الٹا سوچا کرو۔طالش بھی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا

آج طالش واپس جا رہا تھا کافی دن ہو گئے تھے اسے گھر سے یوں باہر رہتے ہوئے۔کافی سالوں بعد وہ یوں گھر سے باہر اتنے دن رہا تھا اور نہ وہ تو ماموں کے ہاں بھی دن کے دن جاتا تھا اور کو ریلیٹو تھا نہیں یہاں بھی پتہ نہیں کونسی چیز روکے ہوئے تھی۔

امی کون آیا ہے؟ احمرین ابھی ابھی رانیہ کے گھر سے آ تھی جب عمرین نے بتایا کہ کو آیا ہے پر یہ نہیں بتایا کہ کون آیا ہے۔وہ الجھی ہوسی کچن میں آ گ۔

وہ تمہاری پھوپھو لوگ آ ہیں جا یہ چائے لے جا اتنی دیر لگا دی تم نے آنے میں تمہاتی پھوپھو اتنی بار پوچھ چکی ہیں تمہارا۔نفیسہ بیگم اسکو کیھ کر جلدی سے بولی۔

اچھا وہ بس رانیہ اٹھنے ہی نہیں دے رہی تھی۔لائے آپ یہ ٹرے سیٹ کریں میں چائے دیکر آتی ہوں کہاں بیٹھے ہیں وہ لوگ؟ چائے کی ٹرے اٹھا کر اسنے بجھے لہجے میں پوچھا۔

تمہارے ابو کے کمرے میں ہی ہیں جا دے آ اور آ کر یہ بھی لے جا بسکٹ وغیرہ۔انہوں نے ٹرے میں بسکٹ اور سموسوں کی پلیٹ رکھتے ہوئے کہا تو وہ اچھا کہہ کر مڑ گ۔

اس نے ایک ہاتھ میں ٹرے پکڑی اور دوسرے ہاتھسے دروازہ کھولا۔

اندر سے آتی آواز نے اسکے قدم جکڑ دیے۔

مجھے تو کو اعتراض نہیں رفعیہ ایاز گھر کا بچہ ہے لیکن وہ کو کام بھی تو کرے ساری عمر باپ کے پیسوں پر زندگی نہیں گزر سکتی اسکی طرف سے بےفکر ہو کر ہی میں احمرین کا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دوں گا نہ۔ چائے پکڑی ٹرے اسکے ہاتھ میں لرز گ۔ اسے اپنا دل بند ہتا محسوس ہوا

امی لایں ڈش دیں مجھے۔ عمرین کچن میں داخل ہوتے ہوئے بولی تو نفیسہ بیگم نے مڑ کر عمرین کو دیکھا۔
احمرین کدھر ہے اسکو بھیجا تھا میں نے؟ ڈش عمرین کو پکڑاتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔
پتہ نہیں امی ابو کے پاس چائے بھی مجھے دیکر اندر؟ بھیج دیا تھا پتہ نہیں انہیں کیا ہوا تھا؟ عمرین کندھے اچکا کر بولی تو نفیسہ بیگم نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔
میں نے کہا بھی تھا کہ اپنی پھوپھو سے مل لینا عازہ بھی اتنی دفعہ پوچھ چکی ہے۔ نفیسہ بیگم نے کہا تو عمرین کچھ کہے بغیر مڑ گئی۔

یہ ابو کیا کہہ رہے تھے ایاز کا پرپوزل میرے لیے۔۔۔۔لیکن ابو ایسے کیسے کر سکتے ہیں۔ کیا ابو نہیں جانتے ایاز کی حرکتوں کو؟ اور ایاز اس شخص کے ساتھ ایک پل گزارنا مشکل لگتا ہے کہاں پوری زندگی۔ اور کیا میرے لیے وہی شخص رہ گیا ہے جس کو نہ کسی کی عزت کا پاس ہے اور نہ اپنے کردار کی حفاظت کا کوخیال۔ وہ چیر پر اپنی تھوڑی کو گھٹنوں پر رکھے سوچ رہی تھی۔ نمی بار بار اسکی آنکھوں کو دھندلا رہی تھی جسکو وہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے صاف کر رہی تھی۔ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ اپنی سوچ میں گم بیٹھی تھی۔
اکرم صاحب کا جواب سن کر وہ ساکت رہ گ تھی۔ اندر جانے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا تبھی عمرین وہاں سے گزری۔ تو اسنے عمرین کے ہاتھ چائے اندر بھجوادی اور بجائے کچن میں جانے کے چھت پر چلی آ تھی۔
پچھلے پندرہ منٹ سے وہ چھت پر بیٹھی بے یقینی سے سوچ رہی تھی۔
احمرین۔۔۔۔احمرین۔۔رانیہ کی آواز پر احمرین نے سر اٹھایا تو سامنے دیوار کے اس جانب رانیہ کپڑے پکڑے کھڑی مسکرا کر اسکو دیکھ رہی تھی۔
چہرہ سیدھا کر کے احمرین نے جلدی سے آنکھیں صاف کی اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لا کر کھڑی ہو کر رانیہ کے سامنے آ گ۔۔۔
کیا کر رہی ہو فری ہو تو یار ادھر آ جا میں اکیلی بور ہو رہی ہوں۔ رانیہ اسکو دیکھتے ہوئے منہ پر بیچارگی لا کر بولی تو

احمرین پھیکا سا مسکرا۔
ابھی تو آ ہوں رانیہ نبیل بھا اور طا۔۔۔۔وہ لوگ آئے نہیں واپس جو آپ بور ہو رہی ہیں۔طالش کا نام لیتے لیتے وہ رک گ۔
کہاں یار طالش تو واپس چلا گیا ہے نبیل بھی ان کے ساتھ ہی گئے ہیں۔تبھی تو میں تمہیں کہہ رہی ہوں۔رانیہ نے جواب دیا۔
ٹھیک ہے۔احمرین کہہ کر دروازہ کی طرف بڑھ گ جو دونوں چھتوں کے درمیان راستے کے طور پر تھا۔
آ تم بیٹھو میں چائیر کھ کر آ تھی وہ لیکر آتی ہوں اپنے لیے اور تمہارے لیے۔رانیہ کپڑے بازو پر رکھتے ہوئے بولی تو احمرین نے سر ہلا دیا اور چیر پر بیٹھ گ۔

مامی یہ احمرین اور عمرین نظر نہیں آ رہی عمرین نے تو پھر بھی شکل دکھا دی تھی احمرین نے تو سلام لینا بھی گوارا نہیں کیا۔عازہ نے نفیسہ بیگم سے کہا تو انہوں نے گھبرا کر اکرم صاحب کی طرف دیکھا جو تیز نظروں سے انکو دیکھ رہے تھے۔
نہیں بیٹا وہ دراصل اسکے سر میں کافی درد تھا تو وہ میڈیسن لیکر سو ہو ہے میں اٹھا دیتی ہوں اسکو پتہ نہیں ہو گا شاید ۔نفیسہ بیگم جلدی سے بولی۔
ارے رہنے دو اگر بچی کے سر میں درد ہے تو سو لینے دو ہم ادھر ہی ہیں رات تک مل لیں گے جب وہ اٹھے گی۔رفعیہ بیگم نے کہا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔
اچھا نفیسہ اب تم سنو میری بات جو میں کرنے آ تھی۔بھ میرا ایاز کو تو تم جانتی ہو بھا صاحب سے میں نے اپنے ایاز کے لیے۔۔۔۔۔احمرین کا ہاتھ مانگا ہے۔رفعیہ بیگم نے مسکرا کر کہا تو نفیسہ بیگم نے سوالیہ نظروں سے اکرم صاحب کو دیکھا۔
اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اکرم بھا نے ہاں کر دی ہے۔رفعیہ نے خوشی سے بھرپور لہجے میں بتایا تو نفیسہ بیگم نے شکایی نظروں سے اکرم صاحب کی طرف دیکھا۔جنہوں نے بغیر کسی مشورے اور صلاح کے اس رشتے پر ہاں کر دی تھی۔اکرم صاحب نے بھی ہاں میں سر ہلاتے ہوئے بہن کو دیکھا تو نفیسہ بیگم کو اپنی اور اپنی بیٹی کی اس ناقدری پر رونا آیا۔
کیا ہوا تمہیں خوشی نہیں ہو نفیسہ؟ رفعیہ نے بھابھی کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
ہاں۔۔۔نہیں ایسی بات نہیں لیکن وہ باجی آپ تو جانتی ہے احمرین ابھی پڑھ رہی ہے تو پھر ابھی کیسے اسکا

رشتہ۔۔۔؟ ہمت کر کے انہوں نے کہا پر اکرم صاحب کی تادیبی نگاہوں نے بات مکمل نہ کرنے دی۔
ارے مامی آپ تو خوش ہوں بیٹی کا رشتہ طے پا گیا ہے اور رہی بات احمرین کی پڑھا تو وہ مکمل کر لے ہم کونسا کل بیاہ کر لے جا رہے ہیں۔ ویسے بھی سیکنڈ لاسٹ سمیسٹر ہے اسکا۔ عازہ نیمسکرا کر کہا تو نفیسہ بیگم بس دیکھ کر رہ گ۔ عازہ اب منہ میٹھا کروا رہی تھی۔ انہوں نے بجھے دل کے ساتھ برفی پکڑ لی۔

گاڑی سڑک پر دوڑی چلی جا رہی تھی۔ نبیل نے طالش کو دیکھا جو ڈرائیو کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا شاید طالش کو بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کچھ سوچتے ہوئے مسکرا بھی رہا ہے۔ نبیل نے مسکرا کر گردن سیدھی کی اور بولا۔
ویسے طالش احمرین اچھی لڑکی ہے رانیہ کافی تعریف کرتی ہے اسکی اور اسکی فیملی بھی اچھی ہے۔ نبیل سامنے دیکھتا ہوا بولا تو طالش جو ڈرائیو کر رہا تھا سامنے سے نظر ہٹا کر نبیل کی طرف دیکھا کو ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے سامنے دیکھ رہا تھا۔
یہ تمہیں اچانک احمرین کیسے یاد آ گ اور تم مجھے کیوں اسکی اور اسکی فیملی کی انفارمیشن دے رہے ہو؟ طالش نے اسی طرح دیکھتے ہوئے کہا تو نبیل نے کندھے اچکائے۔
بس ایسے ہی میں نے سوچا کہ تم احمرین کے بارے میں سوچ رہے ہو تو میں بھی اس سوچ کو وسیع کر دوں۔ نبیل نے گردن ٹیڑھی کر کے طالش سے کہا تو طالش نے ہنسے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔
تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے بس۔ میں کیوں سوچوں گا بھلا؟ طالش نے اس انداز میں کہا گویا سمجھ نہ پا رہا ہو کہ نبیل کی بات کو کس طرح جھٹلائے۔
اچھا ویسے کہتے ہیں کہ ڈرائیونگ کے دوران اگر کوکسی کو سوچے اور سوچ کر اس کے متعلق مسکرائے بھی تو پھر سمجھ جاوہ بندہ بڑا ذہن پر قابض ہے نہ صرف ذہن پر بلکہ دل پر بھی۔ نبیل نے سنجیدگی سے کہا تو طالش نے فورا منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اسکو اس طرح کرتے دیکھ کر نبیل نے قہقہ لگایا۔
طالش نے نبیل کو گھور کر دیکھا۔
ایسی کوبات نہیں ہے میں تمہاری طرح لٹو ہو جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ طالش نے فورا اپنا دفاع کیا جس کو سن کر نبیل نے اثبات میں سر ہلایا۔
بلکل بلکل صیح کہہ رہے ہو تم تو خود کسی پر آہستہ آہستہ اثر انداز ہوتے ہو اسی طرح دوسرے بھی تم پر آہستہ آہستہ اثر انداز ہوتے ہس یں اور مبارک ہو میرے دوست احمرین نے تم پر اثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں تو جاتے ہی آنٹی سے کہوں گا کہ اب اپنے بیٹے کہ سہرے کو سجانے کی تیاری کریں۔ نبیل نے کہا تو گاڑی زوردار بریک سے رکی۔

اترو۔۔اترو جلدی اترو۔طالش نے گاڑی روکتے ہوئے نبیل سے کہا تو نبیل نے ششدر رہ کر اس کی طرف دیکھا۔

میں۔۔۔۔اس نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر پوچھا تو طالش نے ہاں میں سر ہلایا۔

پر کیوں؟نبیل نے معصوم بن کر پوچھا۔

یہ معصومیت نہ تم پولیس والوں پر نہیں جچتی اس سے پہلے کہ تم جا کر گھر کو بکواس کرو تم ادھر ہی اتر جا۔اور ہاں وجہ بتا دی ہے میں نے بعد میں مت پوچھنا کہ مجھے کیوں نکالا۔طالش نے نبیل کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔تو نبیل ہنس دیا۔

اچھا یار بکواس نہ کرو اور گاڑی چلا نہیں کرتا میں جا کر کو بکواس خوش چلو اب یہاں سے۔نبیل نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے منہ بنا کر کہا تو طالش نے مسکراتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔

ویسے یار کیا واقعی تمہیں کوانٹرسٹ نہیں ہے احمرین میں؟تھوڑی دیر بعد نبیل نے پوچھا تو طالش نے اسکی طرف دیکھا تو نبیل فورا دونوں ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

نہیں بس ویسے ہی پوچھ رہا تھا میں۔۔۔۔۔

احمرین اچھی لڑکی ہے اگر شکل وصورت کی بات کی جائے تو وہ بہت پیاری ہے میری اس سے صرف دو تین بار ملاقات ہوہے وہ بھی سرسری سی مجھے پسند ہے لیکن اسکا مطلب یہ تو نہیں کہ میں شادی کرلوں اس سے تم جانتے ہو کہ محبت کو حادثہ نہیں ہوتی کم ازکم میرے لیے تو نہیں۔طالش نبیل کی بات کاٹتا ہوا سنجیدگی سے بولا اور آخر میں نبیل کی طرف دیکھا تو نبیل نے ہاتھ اٹھا کر گہری سانس لی۔

ٹھیک ہے تمہاری مرضی ہے۔ورنہ احمرین اچھی لڑکی ہے۔نبیل نے بھی سنجیدگی سے کہا پر اب کی بار طالش کھ نہ بولا تو نبیل بھی خاموشی سے باہر دیکھنے لگا۔پھر گھر پہنچنے تک دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں ہو۔

احمرین کیا بات ہے تم اتنی اپ سیٹ کیوں لگ رہی ہو؟رانیہ نے احمرین کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا تو احمیرین نے رانیہ کی جانب دیکھا۔

نہیں تو ایسی تو کو بات نہیں ہے۔احمرین مسکرا کر بولی تو رانیہ نے ایک نظر اسکے چہرے پر ڈالی اور پھر بولی۔

تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں ورنہ تمہاری شکل سے صاف پتہ لگ رہا ہے کہ کو بات ہے پریشانی ہے؟میں تمہاری دوست ہوں احمرین مجھ سے شیر کرو شاید میں کو مدد کرسکوں۔رانیہ نے اسکے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو احمرین کی آنکھیں بھر آ۔

اتنی اچھی اداکار تو کبھی بھی نہیں رہی تھی کہ اپنے اندر کی بات کسی سے چھپا سکے۔خوشی غمی محبت نفرت سب اسکے

چہرے پر جھلکتے تھے۔ چھپانا تو آتا ہی نہیں تھا۔ اب بھی وہ کب سے خود کو کمپوز کیے بیٹھی تھی پر بھی رانیہ نے بھانپ لیا تھا۔

احمرین کیا ہوا ہے یار؟ بتا تو صیح رو کیوں رہی ہو؟ رانیہ اسکی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بوکھلا گ۔

پھوپھو میرا پرپوزل لیکر آ ہیں اپنے بیٹے کے لیے۔ احمرین بھرا ہوا آواز میں بولی تو رانیہ حیران ہو۔

کونسی پھوپھو؟ رانیہ نے پوچھا۔

رفعیہ پھوپھو۔۔۔ایاز بھا کے لیے۔ احمرین آنکھوں میں آیا پانی صاف کرتی ہو بولی تو رانیہ نے اسکو دیکھا۔

تو۔۔۔تو کیا تم ایاز سے شادی نہیں کرنا چاہتی؟ رانیہ نے پوچھا اسے تو رونے کی ایک یہی وجہ سمجھ آ تھی۔

نہیں میں ایاز بھا سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ احمرین نے رانیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا تم کسی اور سے کرنا چاہتی ہو شادی احمرین؟ کچھ دیر بعد رانیہ نے پوچھا تو احمرین نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

نہیں ایسی کو بات نہیں میں بس ایاز سے نہیں کرنا چاہتی آپ نہیں جانتی اسے وہ کس طرح کا شخص ہے۔ احمرین جلدی سے بولی تو رانیہ نے سکون کا سانس لیا۔

اچھا تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا اگر تم نہیں کرنا چاہتی تو منع کر دینا سمپل۔ رانیہ نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا گویا کو مسلہ ہی نہیں۔

احمرین نے رانیہ کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ لیکن کچھ کہا نہیں۔ احمرین نے اپنا منہ صاف کیا تو رانیہ نے اسکو پانی دیا۔

خیر میں چلتی ہوں کافی دیر ہو گ ہے امی پریشان ہوں گی۔ نبیل بھا بھی آنے والے ہوں گے۔ احمرین اٹھتے ہوئے بولی تو رانیہ بھی کھڑی ہو گ۔

نہیں وہ تو کل آیں گے انکی میٹنگ تھی لاہور بس اسی لیے طالش کے ساتھ چلے گئے طالش نے آج واپس جانا تھا نہ اس لیے۔ رانیہ نے بتایا۔ طالش کے واپس جانے کا سوچ کر احمرین کا دل یک دم اداس ہوا تھا پتہ نہیں کیوں؟۔

طالش واپس چلے گئے۔ اس نے سوچا اور پھر سر جھٹک کر گویا اس خیال سے جان چھڑا۔

چلے ٹھیک ہے اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔ احمرین نیکہا تو رانیہ نے بھی خدا حافظ کہا احمرین دروازہ کھول کر اپنی چھت پر آ اور دروازہ بند کر کے نیچے جانے لگی اسکا دل تو نہیں کر رہا تھا نیچے جانے کو پر اس سے زیادہ وہ اب چھپ بھی نہیں سکتی تھی۔

اللہ پلیز وہ لوگ جا چکے ہوں اور ابو نے ہاں نہ کی ہو ابھی ویسے ابو کہہ تو رہے تھے کہ۔۔۔وہ دعا مانگتے ہوئے سیڑھیاں اتر ہی رہی تھی جب سامنے سے عازہ آ گ۔

ارے۔۔۔احمرین تم کہاں تھی مامی تو کہہ رہی تھیں تم سر درد کی دوا کھا کر سو چکی ہو پر دو دفعہ تمہارا کمرہ چیک کیا تو کمرہ تو خالی تھا۔عازہ اسکو دیکھتے ہی بولی انداز کھوج لگا تا ہوا تھا۔

چھت پر تھی میں۔احمرین نے سنجیدگی سے کہا اور عازہ کی سائیڈ سے ہوتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گ۔

ارے احمرین سنو تو۔۔۔۔سن۔۔لیکن احمرین کا بلکل موڈ نہیں تھا عازہ سے بات کرنے کا وہ اسکی باتیں اور نظریں اب تک نہیں بھولی تھی۔

عازہ نے ابرو اچکائے اور پھر طنزیہ مکسرا۔

بڑی اکڑ ہے تم میں احمرین اسی اکڑ کے ہاتھوں تمہیں توڑ نہ دیا نہ تو میرا نام بھی عازہ نہیں۔کیا کہا تھا میری شادی پر تم نے جب ریان سے میری بات طے ہوتی۔عازہ وہ دن یاد کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

جب یہ لوگ شادی کی تاریخ لینے انکے گھر گئے تھے۔عازہ ان سے ملنے روم میں داخل ہونے لگی تھی جب احمرین کی آواز سن کر رک گ۔اندر احمرین کہہ رہی تھی۔

امی ابو کو کیوں قصوروار کہہ رہی ہیں آپ یہ سب تو عازہ اور ریان کا اپنا فیصلہ ہے ہم لوگوں کو تو بس اطلاع دی ہے اپنی شادی کی بلکل اسی طرح ابو کو بھی اطلاع ہی دی ہے پھوپھو نے ویسے بھی امی شکر کریں عازہ نے ایاز بھا کو ہمیں اطلاع کرنے کی اجازت دے دی ورنہ پھوپھو لوگوں کی فیملی سے تو کچھ بھی بعید نہیں۔احمرین کی بات سنکر عازہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔وہ تو پہلے ہی بدظن تھی اور اوراسکی بدگمانی کو اور ہوا مل گ تو دل میں ایک عجیب سی جلن نے سر اٹھایا جو اب تک جل رہی تھی۔حالانکہ کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا احمرین نے عازہ نے واقعی ریان کو ایسا قابو کیا تھا کہ وہ عازہ سے شادی کے لیے اپنے باپ کے آگے بھی ڈٹ گیا تھا۔اکرم صاحب نے پہلے پہل تو خوب واویلا کیا پھر یہ سوچ کر کہ بہن کی بیٹی ہے کونسا باہر سے پسند کی ہے شادی کے یے حامی بھر لی تھی۔

عازہ بھابھی آجایں کھانا لگ گیا ہے۔عمرین کی آواز پر عازہ ماضی سے نکلی۔

آتی ہوں۔اسنے آواز لگا اور ایک نظر احمرین کے روم کی طرف ڈالی اور کچھ سوچ کر مسکرا۔

اچھا اب تم میٹنگ کے لیے کب نکلو گے؟ کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے طالش نے نبیل سے پوچھا۔

بس ابھی آدھے گنٹھے تک نکلوں گا پھر وہیں سے آفس کی گاڑی سے واپس جاں گا۔نبیل نے بتایا تو طالش نے فورا سیدھا ہو کر مگ ٹیبل پر رکھا۔

کیوں واپس کیوں جانا ہے ابھی رات تو ہم آئے ہیں۔ایک دو دن تو رکو یار۔طالش نے کہا تو نبیل نے نفی میں سر ہلایا۔

نہیں طالش یار تو جانتا تو ہے کہ گھر رانیہ اکیلی ہے اس لیئے نہیں رک سکتا رانیہ کے ساتھ چکر لگاں گا میں ان شا اللہ۔نبیل نیکہا تو طالش خاموش ہو گیا کہہ تو نبیل ٹھیک رہا تھا۔اس سے پہلے کہ کواور بات ہوتی نبیل کے سیل پر کال آ۔نبیل نے سیل اٹھایا تو رانیہ کالنگ سکرین پر جگمگا رہا تھا۔رانیہ کی کال ہے۔طالش کو بتا کر اس نے فون اٹینڈ کر کے کان سے لگایا۔

السلام علیم رانیہ ! نبیل نے سلام لی۔

کیوں کیا ہوا ہے؟نبیل نے طالش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کہ اسکی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

احمرین کا پرپوزل؟تو اس سے طالش کا کیا کنسرن؟نبیل نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔تو طالش جو کافی کا مگ منہ سے لگائے سپ لی رہا تھا چونک کر نبیل کی جانب دیکھا۔

افففف ۔۔۔۔رانیہ تم نے احمرین سے تو ذکر نہیں کیا؟نبیل نے جلدی سیپوچھا۔

دوسری طرف سے جواب سنکر اسنے بے اختیار شکر کیا۔

اچھا تم کرنا بھی مت میں نے طالش سے بات کی تھی اسکا ایسا کوارادہ نہیں ہے اور یار یہ اسکے گھر والوں کا مسلہ ہے احمرین کرنا چاہتی ہے یا نہیں تم اسکی فکر چھوڑ واو کے اب میں کال بند کر رہا ہوں مجھے میٹنگ کے لیے نکلنا ہے خدا حافظ۔نبیل نہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

کیا ہوا؟ کیا کہہ رہیں تھی بھابھی؟ طالش نے پوچھا تو نبیل نے اسکی طرف دیکھا۔

کچھ نہیں احمرین کے لیے اسکی پھوپھو پرپوزل لا ہے اور اسکیوالداس رشتے پر راضی ہیں۔لیکن احمرین نہیں کرنا چاہتی رانیہ سے ذکر کیا ہوگا تو رانیہ جس نے مجھے پہلے بھی کہا تھا کہ میں تم سے احمرین کے متعلق رائے لوں اسی لیے میں نے تم سے بات کی تھی لیکن تم تو شادی ہی نہیں کرنا چاہتے وہ تو شکر ہے رانیہ نے احمرین سےکچھ کہا نہیں تمہارےمتعلق ۔نبیل نے اطمنیان بھرے لہجے میں کہا تو طالش نے اسکی جانب دیکھا۔

اچھا یار میں میٹنگ کے لیے تیاری کر لوں تھوڑی دیر میں نکلنا ہے مجھے۔نبیل سیل اٹھا کر بولا اور اندر کی جانب مڑ گیا۔

طالش وہیں بیٹھا رہ گیا۔

احمرین کا رشتہ۔۔۔۔تو مجھےکیوں ایسا لگ رہا ہے جیسے کچھ غلط ہو گیا ہے۔تو کیا نبیل صیح کہہ رہا تھا احمرین آہستہ آہستہ میرے دل و دماغ پر اثر کر رہی ہے جو کل سے میں اسکو اپنے دماغ سے نکال نہیں پایا۔اور دل کیوں اتنا بے چین ہو رہا ہے جیسے کچھ غلط ہونے لگا ہو۔احمرین کا پرپوزل کا سن کر مجھے گھبراہٹ کیوں ہونے لگی ہے۔طالش کالڈ کافی کو ہاتھ میں پکڑے پکڑے سوچ رہا تھا۔کولڈ کافی تیزی سے گرم پڑتی جا رہی تھی اسکے ساتھ ساتھ طالش کے سرد

جذبات بھی پگھلتے جا رہے تھے۔

آپ ایسے کیسے احمرین کا رشتہ ایاز کے ساتھ کر سکتے ہیں؟ نفیسہ بیگم اکرم صاحب کی طرف دیکھ کر تیز لہجے میں بولیں تو اکرم صاحب نے ان کی طرف دیکھا۔

نفسیہ بیگم احمرین میری اولاد ہے اسکا فیصلہ میں کر سکتا ہوں تمہیں کیا اعتراض ہے ایاز کے رشتے پر؟ اکرم صاحب نے سرد نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا

اعتراض؟۔۔۔کیا آپ نہیں جانتے کہ ایاز کس طرح کا بچہ ہے ہر دوسرے دن کسی نہ کسی رشتہ دار سے اسکے متعلق خبریں ملتی ہیں کماتا کٹھ ہے نہیں باپ کے پیسوں پر عیش کرتا ہے اور اس گھر کی بیٹی ہمارے گھر آ ہے وٹہ سٹہ ہو جائے گا۔نفیسہ بیگم نے کہا تو اکرم صاحب نے ہونکا بھرا۔

اچھا تو میں تمہیں بیوقوف لگتا ہوں جو یوں ہی اپنی بیٹی کا ہاتھ دے دوں گا۔میں نے کہا ہے رفعیہ سے کہ اپنے بیٹے کو کہے کو کام دھندا کرے اپنا اور رہی بات اسکے متعلق باتوں کی تو رشتہ دار تو کسی کو خوش دیکھ ہی نہیں سکتے اس عمر میں کر لیتیہیں اس طرح کے کام پر شادی وہ خاندان کی لڑکی سیہی کرتے ہیں۔اکرم صاحب آرام سے بولے گویا انکے نزدیک یہ اب بے معنی تھا۔

اور سن لو میں احمرین کی شادی میری مرضی سے ہی ہوگی اور ایاز سے ہی ہوگی تمہارے بیٹوں کی طرح بیٹی کا خود سکی لڑکے کو پسند کرنے کا انتظار نہیں کروں گا سمجھ آ نفیسہ بیگم۔اکرم صاحب تیز لہجے میں بولے اور ٹی وی آن کر لیا یعنی اب اس موضوع پر دوبارہ بات نہیں ہوگی۔نفیسہ بیگم نے زخمی نظروں سے انکو دیکھا اور آنکھوں کو صاف کرتی کچن میں مڑ گں۔

جبکہ عمرین نے لانج کی کھڑکی سے ساری بات سن کر قدم جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا دیے۔

ماما ہم لوگ رمشہ کے ساتھ اسلام آباد جانا چاہتے ہیں ماموں کے ہاں۔حوریہ نے کہا تو عاصمہ بیگم نے انکی طرف دیکھا۔

ہم لوگ سے مراد کون لوگ؟ عاصمہ بیگم نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو رامش جلدی سے بولا

ماما میں حوریہ اور رمشہ۔

لیکن ایک ہفتے بعد تو تمہارے ماموں لوگ عمرہ پر جا رہے ہیں تو تم لوگ کیا کرو گے پھر؟ عاصمہ بیگم نے حیرانگی سے پوچھا۔

ماما ہم لوگ بھی بس ایک ہفتے کے لیے جایں گے رمشہ بھی دل کرر ہا ہے اور ہم لوگ بھی بور ہو رہے ہیں۔حوریہ نے جلدی سے کہا۔

جانے دو بہوانکو بچے ہیں گھر میں رہ رہ کر تنگ آ گئے ہوں گے۔رابعہ بیگم انکی سائیڈ لیتے ہوئے بولیں تو عاصمہ بیگم نے انکی طرف دیکھا۔

امی جانے تو دوں پر آپ جانتی تو ہیں ان کے بغیر گھر میں رونق نہیں ہوتی طالش تو پہلے ہی گھر نہیں ٹکتا تھا آفس میں ہی بزی رہتا تھا اوراب تو فارن کا بھی کام اپنے سر لے لیا ہے اب یہ لوگ چلے جایں گے تو گھر میں کون بچے گا میں ،آپ اور یہ کوثر بیٹا اور پوتا تو کام میں مصروف رہتے ہیں آپکے۔عاصمہ بیگم کوثر کو آتا دیکھ کر بولی تو رابعہ بیگم مسکرا۔

اسی لیے تو کہتی ہوں طالش کی شادی کر دو گھر میں بہو آئے گی تو کچھ رونق ہو جائے گی۔رابعہ بیگم مسکرا کر بولی عاصمہ بیگم بھی مسکرا

جی بی بی طالش صاحب کی شادی کر دیں آپ پھر دیکھیے گا طالش صاحب کا دل بھی گھر میں لگا کرے گا۔کوثر مسکرا کر بولی تو وہ سب ہنس دیے۔

کہہ تو ٹھیک رہی ہو تم کوثر آ جانے دو آج طالش کو بات کرتی ہوں ماشااللہ کل نبیل بھی بتا رہا تھا اسکی ایک بیٹی ہے تین سال کی اوا سکو دیکھو ابھی دلہن بھی نہیں ملی۔عاصمہ بیگم عزم سے بولی تو رابعہ بیگم نے بھی تاید میں سر ہلایا۔

اچھا ماما ہمارا مسلہ تو حل کر دیں طالش بھا کی شادی تو بعد میں بھی ہو جائے گی۔رامش جھنجلا کر بولا۔

اچھا چلے جانا تم لوگ بھی پر جاگے کب۔عاصمہ بیگم اجازت دیتے ہوئے بولیں تو وہ خوشی سے کھل اٹھے۔

بس کل ہی نکلے گے۔اچھا ہم یہ نیوز رمشہ کو سنا کر آتے ہیں۔وہ دونوں اٹھتے ہوئے بولے اور چلے گئے تو وہ تینوں انکی خوشی پر ہنستے ہوئے سر ہلانے لگی۔

پاگل ہیں بلکل۔عاصمہ بیگم نے کہا تو رابعہ بیگم اور کوثر ہنس دی۔

کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ نبیل کی چیخ نے اسکے کان کے پردے ہلا دیے۔

یار آہستہ بولو تمہارے ماتحت ایک پولیس فوج ہے کیا کہے گی کہ ہمارے آفیسر کو بات بھی نہیں کرنا آتی۔طالش مسکرا کر بولا۔

اسکو چھوڑو تم مجھے سچ بتا کیا واقعی احمرین سے شادی کرنا چاہتے ہو؟ نبیل نے بے یقینی سے پوچھا تو طالش نے مسکرا کر چیر سے ٹیک لگا اور ہاتھ میں پین گھماتے ہوئے بولا۔

ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے اگر تم یہ حیران ہونے کی بجائے میری مدد کر دو تو۔طالش نے کہا تو نبیل فورا بولا۔
ہاں کیوں نہیں بلکہ میں تو رانیہ کو ابھی کال کرتا ہوں وہ تو پرسوں سے ناراض ہے مجھ سے۔ویسے ایک بات بتا کیا تو واقعی احمرین سے صرف شادی کرنا چاہتا ہے یا محبت بھی کرتے ہو؟نبیل نے دوسری طرف شرارت انداز میں پوچھا تو طالش نے مسکراہٹ دبا۔
یہ میں تمہیں کیوں بتا جسکو بتانا چاہیے اسکو ہی بتا گا اور اب تم بھابھی کو کال کرو۔طالش نے ساتھ فون کاٹ دیا جبکہ دوسری طرف نبیل ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا۔
اس نے سکون سے آنکھیں بند کیں۔
احمرین۔۔۔تم تو وہ ساحر ہو جو اپنے سحر میں کسی انسان کو اتنی آہستہ سے لیتی ہے کہ وہ اسکو پتہ بھی نہیں چلتا اور جب وہ جان پاتا ہے تب تک تمہارا اسیر ہو چکا ہوتا ہے۔میں بھی تمہارا سحر زدہ ہوں۔نبیل نے صیح کہا تھا کہ مجھے کو محبت کا شکار ہی کر سکتا ہے اور محبت کا حادثہ ہی مجھے شادی پر مجبور کرے گا۔وہ آنکھیں موندیں محبت کی کشتی پر سوار احمرین کے عکس کے پیچھے سمندر میں بڑھتا جا رہا تھا۔کشتی کے کنارے کے پاس موجود سوراخ سے پانی آہستہ آہستہ اندر داخل ہو رہا تھا لیکن وہ بے خبر تھا اور شاید تب تک رہے گا جب تک کشتی ڈوب نہ جائے۔

آپی آپ کے لیے ایاز بھا کا پرپوزل آیا ہے کیا؟عمرین بیڈ پر اسکے پاس بیٹھتے ہوئے بولی تو احمرین نے اپنے سر سے بازو ہٹایا۔اور تھوڑا سا اٹھ کر بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھی۔
ہاں لیکن ابھی ابو نے ہاں نہیں کی لیکن لگتا ہے وہ کر دیں گے۔احمرین ہلکی آواز میں بولی۔
آپی ابو کر نہیں دیں گے بلکہ ابو نے تو اسی دن ہاں کہہ دی تھی مجھے اب سمجھ میں آیا کیوں عازہ آپی مٹھا کھا رہی تھیں۔احمرین سیدھی ہو۔
کیا ابو نے ہاں کر دی کیا بکواس کر رہی ہو عمرین ابو نے تو بس کہا تھا کہ ایاز کام نہیں کرتا پہلے کو کام کرے پھر ہاں کروں گا۔احمرین نے تیز لہجے میں کہا تو عمرین ڈر کر پیچھے ہو۔
آپی ابو نے یہی شرط رکھی ہے لیکن ہاں کرنے کے لیے نہیں رخصتی کے لیے جب ایاز بھا کام سیٹ کر لیں گے آپ کا شادی کر دیں گے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے ابو امی سے یہی کہہ رہے تھے۔عمرین نے سنجیدگی سے کہا تو احمرین نے پھٹی پھٹی نظروں سے عمرین کی طرف دیکھا۔
آپی۔۔۔آپ ٹھیک ہیں؟عمرین نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو احمرین نے اسکی طرف دیکھا۔
عمرین کمرے سے چلی جا۔احمرین نےکہا

لیکن آپی۔۔۔۔

میں نے کہا نہ جا یہاں سے جلدی۔۔۔۔احمرین نے اسکو دھکا دیتے ہوئے کہا اور جیسے ہی عمرین اٹھ کر باہر گ

احمرین نے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور وہیں دروازہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

دو آنسو ٹوٹ کر اسکی آنکھوں سے گرے تھے اور پھر تھمے نہیں۔

اب کئی ہجر ہو چکے

کنزہ ظفر

دوسری قسط

تم بہنیں مار کھا گی کسی دن مجھ سے دیکھ لینا پھر میں کرتی کیا ہوں بیٹا جی "وہ رعب سے بولیں تو ضرور مگر چہرے پر پیاری سی مسکان تھی کہ ان کے بیٹے نہیں تھے مگر بیٹیوں کو ماں باپ کا بہت دھیان تھا اللہ نے بے شک اچھا نہیں، بہترین عطا کیا تھا۔

" کرتی کیا ہو تم آج کل "وہ مزید گویا ہوئیں۔

"ہاہ بس مما آج کل افغانستان کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں چل رہے "وہ گہرا سانس لے کر بولی تو اسکی بہن اور ماں دونوں ہنس پڑیں۔

" کبھی بھی اِتنے اچھے حالات نہیں رہے وہ تو مصالحت سے کام لیا جا تا رہا ہے تبھی اچھی گزر رہی تھی "اسکی

بہن نے ہانک لگائی تھی جس پر وہ ہنس دی تھی۔

"بے شک بہن ! سب مصالحت سے ہی چلتا ہے۔خیر آج وہ تمہاری پسندیدہ آرٹسٹ مجھے ملنے آئی تھی پریا"

عنیزہ نے بہن کو اطلاع دی۔

"سچی؟؟ "وہ خوش ہو کر آگے آئی تھی جبکہ انکی ماں باہر چلی گئی تھیں کہ اب بہنیں اپنی باتیں لے کر بیٹھ چکی تھیں۔

"ہاں۔مجھے کافی دن سے ڈھونڈ رہی تھی۔اور اسنے میرا نام جانتی ہو کیا رکھا ہے؟ "وہ جوش سے بہن کو ساری کتھا سنانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" کبیر صاحب "!سعدیہ نے کھانے کی میز پر شوہر سے بات کا آغاز کیا تھا۔

"جی؟ "انہوں نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر بیوی کو دیکھا تھا۔یہ ایک نظر بھی تنبیہہ کی تھی کہ 'خلافِ طبع بات کرنا منع ہے۔یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا جائے۔'سعدیہ سے بات کرنا دشوار ہوا۔

"آپا کا فون آیا تھا "وہ بالآخر ہمت سے بول ہی پڑیں۔"اچھا "روکھا سا جواب دیا گیا تھا۔مگر وہ اگلی بات بہم پہنچانے لگیں۔

"وہ فہمیدہ بھابی کی طرف جانا تھا تو آپا نے سوچا ہم مل کر ہو آتے ہیں "

"تو اب پھر کس کا انتظار ہے؟ "وہ بولے تو لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ "میں نے کہا آپ سے پوچھ کر بتاں گی " وہ ڈرتے ڈرتے بولیں۔

"تو آپ چلی جایئے "اب کی بار پھر سے لہجہ روکھا ہوا۔

"اور آپ؟ میں اکیلی جاں گی؟ "اس بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا۔ "اکیلی تو میں نہیں جا سکتی ناں اب "وہ پھر بولیں۔

"اور سعدیہ بیگم آپکا اپنی بیٹی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ "وہ تیز لہجے میں بولے تو پاس بیٹھی خاموشی سے کھانا کھاتی نور باپ کے غصے سے خائف ہو کر اٹھی اور کچن میں چلی گئی مبادہ کسی بات میں اسے مخاطب نہ کر لیا جائے۔

"عائشہ آپکی بہن ہیں تبھی منع نہیں کرتا میں۔ورنہ ان کے بیٹے کی حرکتیں نظر انداز کیے جانے والی نہیں ہیں۔میں صرف اور صرف آپا اور بھائی صاحب کی وجہ سے خاموش ہو جاتا ہوں ورنہ دِل کرتا ہے طوفان اٹھا دوں اور کچھ مجھے اپنی بیٹی کی عزت کا بھی پاس ہے سعدیہ "!وہ غصے میں بولنا شروع ہوئے تو بولتے چلے گئے اور بات کے آخر میں ان کے لہجے میں تھکن در آئی تھی۔

" کبیر ! آپا نے بات کی تھی عنید سے ۔۔۔ "

"اور کتنے سال سے یہ دلاسہ دیا جا رہا ہے کچھ یاد ہے آپ کو؟ میری بیٹی بوجھ نہیں ہے مجھ پر ۔ آپ اس دفعہ جائیں تو یہ بات ان کے کان میں ڈال آئیے گا کہ کوئی فیصلہ کر لیں تو بہتر ہے اور فیصلہ جلدی ہو جائے تو مزید بہتر ہوگا"

کبیر صاحب نے غصے سے کہا اور اٹھ کر کمرے میں چلے گئے جبکہ سعدیہ آنسو ضبط کرنے میں لگ گئیں ۔

اندر کھڑی نور فوراباہر آئی تھی کہ ماں کو دلاسہ دے سکے ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ یونیورسٹی سے واپس آ رہی تھی ۔اس نے سوچا آج پہلے اپارٹمنٹ جائے گی تا کہ تھکن اتار سکے پھر جاب پر جائے گی ۔ وہ تیز تیز چلتی جا رہی تھی ۔ اسنے نیوی بلیو کلر کا گاؤن پہن رکھا تھا جبکہ چہرہ گرے کلر کے اسکارف میں لپیٹا گیا تھا ۔ بائیں کندھے پر بیک پیک ڈالے اور بائیں ہاتھ میں کتابیں پکڑے وہ سوچوں میں گم چلتی جا رہی تھی ۔

"ہائے دل بہار کیسی ہو؟ "اچانک اسے اپنے دائیں طرف سے پرِیا کی آواز سنائی دی تھی ۔

"ہیں؟ "عنیزہ نے نا سمجھی میں منہ اٹھایا ۔

" تمہیں ہی کہا ہے یار کیونکہ ایک تو میرے جاننے والے بہت کم ہیں اور اگر ہیں بھی تو ان میں دل بہار کوئی نہیں ہے "وہ ساتھ ساتھ چل رہی تھیں البتہ عنیزہ کی سپیڈ پہلے سے کم ہو چکی تھی ۔ "تم ادھر کیسے؟ "عنیزہ نے اِستفسار کیا ۔

"میں کافی پینے آئی ہوئی تھی ۔ابھی بیٹھی بھی نہیں تھی کہ تم نظر آ گئیں میں نے سوچا اب کافی بعد میں سہی اور بس وہیں سے بھاگ آئی "وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی عنیزہ بھی ہنس دی ۔ "تم کہاں جا رہی تھیں اتنی جلدی میں" اس نے پوچھا ۔سرک پر آتی جاتی گاڑیاں بھی ماحول کے سکوت وسکون کو پاش نہیں کر رہی تھیں ۔یہی تو ایک واضح فرق ہے پاکستان اور ترقی یافتہ ممالک کا ۔تیزی ۔۔ پھرتی ۔۔ مگر سکون ۔۔

"اپارٹمنٹ ۔سوچ رہی تھی آج جاب پر ذرا لیٹ چلی جاں گی "

" گڈ دین ۔لیٹ جانا ہے تو آ آج تمہیں اپنی فیورٹ کافی پلاتی ہوں ۔ بلکہ بھوکی ہوگی ابھی تم ۔کچھ کھاتے ہیں ۔" پرِیا نے کہا ۔ "نہیں پرِیا پھر کسی دن چلونگی ۔ابھی نہیں"

" کیا یار تم بھی ناں ۔اپنا موڈ کیوں غارت کرنا ہے وہ افغانی چڑیل کو دیکھ کر ۔آ بس تم "پرِیا سننے کو تیار ہی نہ تھی تو وہ بھی اپارٹمنٹ جانے کا اِرادہ ترک کر کے اسکے ساتھ ہو لی ۔پرِیا اسکا ہاتھ پکڑے فٹ پاتھ سیا تر کر ایک موڑ مڑی اور کیلی فورنیا سٹریٹ کیفے میں چلی آئی ۔ وہاں ہر طرف لوگوں کا رش تھا ۔یوں تھا جیسے سبھی بھوکے یہیں

اکٹھے ہوئے ہوں۔ایک گلی سی بنی تھی جہاں کچھ میز لگائے گئے تھے۔انہی میں سے ایک میز کے قریب پہنچ کر اس نے کرسی کھینچی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

"ویسے مجھے تم پری کہہ سکتی ہو "بیٹھ جانے کے بعد پرِیا بولی۔جواب میں وہ صرف مسکرائی تھی۔

"تم اس چڑیل کے ساتھ کیوں رہتی ہو؟ اپارٹمنٹ کیوں نہیں چینج کر لیتیں؟ "

"مجبوری کا نام شکریہ "عنیزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے ایسی بھی کیا مجبوری یار۔اور وہ اپارٹمنٹ چار والا ہے ہی نہیں۔ابھی تک کوئی چیکنگ نہیں ہوئی وہاں؟" پرِیا نے پوچھا۔

امریکہ اور اکثر ممالک میں ایک رہائش گاہ یا ادارہ میں مخصوص تعداد میں افراد ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ پاکستان میں جس کمرے میں چالیس کی تعداد میں لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے)اکثر کالجز یا سکولز میں (وہاں مخصوص تعداد سے زیادہ افراد کے ہونے پر باقاعدہ ادارہ، گھر اور سامان کی چیکنگ کی جاتی ہے اور ہر گھر میں رہنے والے افراد کا ایک ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ ریکارڈ میں ایک بھی فرد کے بڑھنے پر پورے گھر کا سروے کیا جاتا ہے اور فورا جگہ کو ریکارڈ کے مطابق کرنے کا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔

پرِیا بھی اسی چیکنگ کے متعلق پوچھ رہی تھی۔

"ابھی تک تو ان تک کوئی اِطلاع نہیں گئی۔ہماری ایک میٹ ہے چائینز،اسکا کوئی دوست ہے اس ڈیپاٹمنٹ میں سو بچت ہو جاتی ہے "

"اوہ۔۔اچھا وہ وہ وہ لڑکی۔ایک دن آئی تھی میں تمہاری طرف۔وہی نمونی ملی تھی مجھے "پرِیا نے منہ بنا کر کہا تو عنیزہ ہنس دی تھی۔

"تمہیں ایک بات بتاں؟ "پرِیا بولی عنیزہ نے سر ہلانے پر اِکتفا کیا۔پریا نے کافی کے ساتھ کپ کیکس آرڈر کیے اور واپس اسی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہاں نینی کے بعد تم واحد بندی ہو جس سے بات کرتے ہوئے مجھے بننا نہیں پڑتا اور واحد لڑکی ہو جس سے میں اپنی زبان میں بات کرتی ہوں خالص اپنا ماحول یو نو۔جب پہلی بار تمہیں دیکھا تھا وہاں اگیزیبشن ہال میں، تب مجھے میرے دل نے کہا تھا کہ یہ بندی اپنی مٹیکی لگتی ہے۔دیکھو تم پاکستان سے ہو۔چاہے ہمارے ملک ایک دوسرے کے دشمن ہوئے پھرتے ہیں پھر بھی نیمو !میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں "پرِیا بہت نرمی سے بات کر رہی تھی جبکہ عنیزہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا بولے۔

"میں نے کبھی کسی کو دوست نہیں بنایا نیمو۔ میری ممی مجھے تب چھوڑ کر گئی تھیں جب مجھے انکی عادت نشے کی طرح ہو

چکی تھی۔ مجھے بچپن سے ہی ایک کھنچا محسوس ہوتا ہے لوگوں سے۔ میں جب ڈیڈی کے ساتھ یہاں آئی تھی تب بہت ڈری ہوئی رہتی تھی۔ پھر نینی آئیں تو انہوں نے مجھے بہت حد تک نارمل کیا۔ میں انکے ساتھ روم گئی "ویٹرس نے جھاگ سی بنہ کافی لا کر ان کے سامنے رکھی۔ کپ کیکس یوں سجا کر رکھے گئے تھے کہ دیکھنے والے کے منہ میں فوراً پانی آتا۔

"میں نے تب پینٹنگ شروع کی اور آہستہ آہستہ مجھ میں کانفیڈینس آنے لگا۔ میں ملنے جلنے لگی سب سے۔ میرا حلقہ کافی وسیع ہوا مگر دوست کسی کو نہیں بنایا۔ میری ممی کے بعد تم میری واحد دوست ہو نیمو اور میں یہ باتیں بھی پہلی دفعہ کسی سے کر رہی ہوں "وہ بہت سنجیدہ تھی، آنکھیں چھلکنے کو تھیں۔

"مجھے اچھا لگا سن کر اور اگر میری بہن ہوتی ناں یہاں تو بھنگڑے ڈال رہی ہوتی۔ اسے تمہارا ورک اتنا پسند ہے کہ ہر وہ کلر سکیم اور شیڈز جو تم یوز کرتی ہو اسکی کوشش ہوتی کہ وہ خود بھی لازمی یوز کرے "عنیزہ نے پرِیا کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو فوراً سے بات بدل دی۔ وہ اپنی کافی تقریباً مکمل کر چکی تھی۔

"میں اس سے ملنا چاہوں گی "وہ مسکرائی تھی۔

"ضرور۔ لیکن ابھی بس کافی ختم کرو مجھے جاب پر جانا ہے اب۔ آخر کو ڈیوٹی اِز ڈیوٹی "

"ہاں اور مجھے ابھی نینی کو بھی پک کرنا ہے وہ اپنی نواسی سے ملنے گئی تھیں "پرِیا نے جلدی سے کپ میں بچا آخری گھونٹ بھی ختم کیا اور اٹھ گئی۔ "چلو تمہیں پہلے ڈراپ کرتی ہوں"

"نہیں یار میں چلی جاں گی"

"اوئے پلیز اب تو تکلف نہیں کرو۔ چلو وہ تھوڑا سا آگے ہی پارکنگ میں گاڑی ہے"

پرِیا نے اسکا ہاتھ پکڑا اور آگے کو چل دی۔ اور عنیزہ کو پہلی بار اسے پرائے ملک میں خلوص کا ہاتھ ملا تھا۔ سو وہ کیوں نہ تھامتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھانے سے فراغت کے بعد جمال صاحب لانج میں بیٹھے ٹی وی پر اونچی آواز میں خبریں لگائے دیکھ رہے تھے جب عائشہ ان کے پاس چلی آئیں۔ جمال صاحب سب سمجھتے تھے کہ وہ اتنی بے چین کیوں ہیں۔ انہوں نے ٹی وی کا والیوم کم کر دیا تا کہ عائشہ کو تمہید نہ باندھنی پڑے۔ عائشہ ان کو اپنی طرف متوجہ پا کر بولیں

"آپکی بیٹے سے بات ہوئی؟ "وہ بہت آس سے پوچھ رہی تھیں حالانکہ جواب تو وہ خود بھی جانتی تھیں۔ "وہ مصروف تھا عائشہ ! میں نے تنگ کرنا مناسب نہیں جانا "جمال صاحب نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔

" کب تک ہمیں ستائے گا وہ "عائشہ سسک دیں۔ "سعدیہ سے بات ہوئی ہے کیا؟"

"جی"

"کیا کہہ رہی تھی؟"

" کہنا کیا ہے اس نے۔ میری بہن ہے میں اس کے سانس لینے کے انداز سے بھی جان لیتی ہوں جمال "

"میرا خیال ہے عائشہ فیصلہ ہمیں کرنا چاہیے اور عنید کو بتا دینا چاہیے بس "انہوں نے 'ہمیں 'پر زور دیتے ہوئے کہا۔

" مگر میں ۔۔سعدیہ تک اِنکار کیسے پہنچاں گی جمال۔ میری ہی تو لاڈلی تھی وہ۔جس کو عنید نے راکھ میں ملانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی صرف اپنی ضد میں "وہ پھر سے سسکی تھیں۔ " مگر اب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔اب اپنا بھرم رکھنا ہی پڑے گا۔اور پھر وہ بچی۔عاشی ذرا سی بھی تاخیر اسکا مستقبل خراب کر دے گی۔لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔کبیر کو بھی میں جانتا ہوں صبر والا نہیں ہے۔وہ لوگ بھی کب تک ہماری آس میں بیٹھے رہیں گے۔ "وہ پیار سے انکو سمجھا رہے تھے۔

"جمال اس بچی نے تو بہت کچھ سوچ رکھا ہوگا۔اسکے خواب جمال۔۔۔ "بات مکمل بھی نہ کر پائیں تھیں اور رونے لگیں۔دل چاہتا تھا عنید کو 'اس ' کے پاس لے جائیں اور کہیں لو جو بھی سزا دو تمہارے حوالے ہے ہم اب اِس کو مڑ کے نہ دیکھیں گے۔

"عائشہ صبر کریں۔ اس بچی کے نصیب میں عنید سے اچھا ہی لکھا گیا ہوگا بس اِمتحان مقصود تھا اس پاک ذات کو" وہ عائشہ بیگم کے ہاتھ پر مطمئن سی تھپکی دے رہے تھے کہ فیصلہ کر تو چکے ہی تھے اب بس عنید کو بتانا باقی تھا۔اب چاہے ان کو اپنے دِل پر بھاری سِل محسوس ہو رہی تھی مگر اب خاندان کی عزت کا معاملہ بن رہا تھا انہیں سعدیہ اور کبیر کو مزید امتحان میں نہیں ڈالنا تھا کہ آخر کو وہ دونوں بھی انکے چھوٹے تھے اور بے حد قریب تھے۔لیکن جب سے عنید باہر گیا تھا وہ دونوں ہی جمال صاحب سے بات کرنے سے احتراز برتتے تھے۔اب ان کو مصلحت سے چلنا تھا۔ عائشہ بھی اپنی جگہ سوچوں میں گم تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ مزے کی نیند سو رہی تھی جب فون کی گڑگڑاہٹ سے اسکی آنکھ کھلی۔پہلے پہل تو اسے سمجھ نہیں آئی کہ آنکھ کھلی کیوں ہے۔جب ذرا دماغ بیدار ہوا تو بیڈ کے بائیں طرف پڑے سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ مارا مگر فون ندارد تھا۔وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آنکھیں ابھی بھی مکمل کھلی نہیں تھیں۔اسنے اپنے بال باندھے جو اِس وقت کسی گھونسلے کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔پھر اپنے دائیں طرف موجود سائیڈ ٹیبل پر دیکھا۔وہ وہاں بھی موجود نہیں تھا۔

اب تو یقیناً بیڈ کے نیچے ہی موجود ہوگا۔وہ ذرا سا جھکی اور ہاتھ لمبا کر کے بیڈ کے نیچے مارا۔وہ یہیں تھا۔گہری

سانس لی اور اوپر کو اٹھی۔ اب تک آنے والی کال خاموش ہو چکی تھی۔ سیل آن کیا اور آنے والی کال جو کہ اب مِسڈ کالز کے خانے میں موجود تھی اس پر بائیں ہاتھ کی انگلی سے ٹیپ کیا تو ایک دم تو اچھل ہی پڑی۔
کال وہاں سے آئی تھی جہاں سے کال آنے کی آخری امید بھی رات کو ختم کر چکی تھی وہ۔
وہ غصے سے اٹھی اور فریش ہونے چل دی۔ "اب کال کر ہی لی ہے تو بچو ناراضگی بھی برداشت کرو۔ میں نہیں کروں گی کال بیک ہنہ "! اسنے واش روم کی طرف جاتے ہوئے یوں منہ بنایا جیسے کال کرنے والی شخصیت سامنے ہی موجود ہو۔
ایک آدھ گھنٹہ واش روم میں لگا کر وہ واپس آئی تو دوبارہ سے سیل چیک کیا۔ کئی کالز آ چکی تھیں۔
اب کی بار وہ حیران ہوئی۔ جانے کیا مسئلہ ہے جو یوں۔۔۔
اِتنا ہی سوچ سکی تھی اور اب کال بیک کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کمرے میں کھڑی سارے کمرے جائزہ لے رہی۔ وہ اِس کمرے میں دو سالوں سے تھی۔
شروع میں جب وہ اس شہر میں اپنے اسکالرشپ کے تحت آئی تھی تو کافی سہولت تھی کیونکہ تب ایک ہاسٹل میں مقیم تھی۔ اسکے ساتھ کچھ پاکستانی لڑکیاں بھی آئی تھیں۔ بعد میں وہ اپنی اسکالرشپ کی مدت ختم ہوتے ہی پاکستان چلی گئی تھیں۔ ہاسٹل کے ڈیوز اس کے لیے بہت زیادہ تھے تبھی اس نے جاب شروع کر دی مگر اب مسئلہ یہ آتا تھا کہ وہ جگہ اسکے ہاسٹل سے بہت دور تھی۔ اس مسئلے کے حل کے لیے وہ اپنی ایک جاننے والی لڑکی کے توسط سے اس اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو گئی تھی جہاں کاتفہ پہلے سے رہائش اختیار کیے ہوئے تھی۔ یہاں آ کر اسکی مشقت میں اضافہ ہو گیا تھا۔
مگر اب اسے اس اپارٹمنٹ سے بھی جانا تھا کیونکہ کاتفہ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اپنا انتظام کہیں اور کر لے کہ اب کاتفہ اپنا خرچ اٹھانے کے قابل ہو چکی تھی اور مزید اسے یہاں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کافی دن سے امتحانات میں مصروف تھی اور ساتھ میں جاب کو بھی پورا وقت دیتی تھی یہی وجہ تھی کہ اسکی کافی دن سے پرِیا سے بھی بات نہیں ہو پائی تھی نہ ہی وہ اسکو اپنے غائب ہونے کی وجہ بتا پائی تھی۔
اب کافی دیر سے وہ اسکے نمبر پر ٹرائی کر رہی تھی مگر وہ کال اٹھا ہی نہیں رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کہاں جانا چاہیے۔ اس نے یہاں موجود اپنے سب روابط استعمال کر دیکھے۔ مگر نتیجہ کچھ نہ تھا۔ وہ مسلسل پریشان تھی۔
ابھی وہ اِنہی سوچوں میں تھی جب اسکے ہاتھ میں پکڑا اسیل فون تھرا اٹھا۔ اسنے پرِیا کا نام پڑھا تو گہری سانس لی۔

اس وقت اسی کی ضرورت تھی۔ کال اوکے کی اور کان سے لگا لی۔

"فرمائیں "پرِیا کی روٹھی ہوئی آواز ابھری تھی۔

" کیسی ہو پری؟ "اس نے بیساختہ آنے والی مسکراہٹ کو ضبط کیا۔

"آپ سے مطلب؟ "وہ ابھی بھی روٹھی ہوئی تھی۔

"پیپرز تھے میرے پری"

"تو؟ "

"پری پلیز "عنیزہ روہانسی ہوئی۔"اچھا اچھا مرہی نہ جانا۔ بتا کیسے یاد آ گئی اس ناچیز کی؟ "وہ فوراً لائن پر آ ئی تھی۔

" کام تھا "وہ بھی فوراً بولی۔

"حاضر جناب۔فرمائیں ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟ "پرِیا نے کھینکار کر آواز بھاری بنائی اور بولی۔

"پری پلیز یار سیریس ہوں میں "

"اوکے۔کیا ہوا ہے اتنی پتلی حالت کیوں ہوئی لگ رہی ہے تمہاری؟ "

"میں اپارٹمنٹ سے شفٹ کرنے والی ہوں۔اور کوئی جگہ نہیں ہے جہاں جاں۔میں نے ایک دو جگہ پتہ کیا ہے مگر جواب نہ میں ملا ہے۔اگر تمہاری نظر میں کوئی جگہ ہو جہاں میں آرام سے ایڈجسٹ ہو سکوں تو پلیز گائیڈ کر دو "وہ ایک سانس میں ساری بات بتا گئی۔

"جگہ تو ہے مگر تمہارا معلوم نہیں رہو بھی کہ نہیں اور تمہیں پسند آئے بھی کہ نہیں "وہ مبہم سا بولی۔

"میں کوشش کروں گی کہ میں کوئی مسئلہ نہیں کروں "وہ جلدی سے بولی تھی۔

"ارے تمہارے مسئلہ کرنے کی بات نہیں ہے۔بات تو جگہ کے مسئلہ کرنے کی ہے"

" کیا مطلب؟ "وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"مطلب تم اگر چاہو تو میرے ساتھ میرے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو سکتی ہو "وہ بولی تو عنیزہ خاموش ہو گئی۔وہ اس معاملے میں اپنے والدین سے بات کیے بنا کچھ نہیں بول سکتی تھی۔

" کیا ہوا نیمو؟ گم گئیں کیا پھر سے؟ "پرِیا بولی۔

"بات یہ ہے پرِیا۔۔۔کہ۔۔۔میں مما بابا سے پوچھ کر ہی بتا سکتی ہوں۔۔ابھی تو نہیں "وہ اٹک اٹک کر بات مکمل کر پائی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں یار۔تم مشورہ کر لو اور بتا۔میں انتظار کر رہی ہوں "پرِیا نے رسان سے کہا تھا۔

"میں بتاں گی "اس نے آہستہ اواز میں کہا۔
"ٹھیک ہے میں اب اپنا ورک کمپلیٹ کروں گی نینی ناشتے پہ انتظار کر رہی ہونگی اور تم ٹائم پہ کال کر لینا اوکے اب بائے "اس نے کہا اور عنیزہ کی اگلی بات سنے بغیر فون رکھ دیا۔
عنیزہ جو پہلے پریشان کھڑی تھی اب ریلیکس سی بیٹھ گئی تھی۔اسے اب اپنے والدین سے اجازت لینی تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"دیکھ لیں بیٹا۔آپ اپنی سہولت دیکھیں جہاں آپ آرام سے رہ سکیں اور میری بات یاد ہے ناں؟ "وہ اس وقت اپنے بابا سے بات کر رہی تھی۔توقع کے عین مطابق اجازت فوراً مل گئی تھی۔
"بابا آپ کی دعا ہے ناں۔تو میرے لئے فکر والی بات وجود ہی نہیں رکھتی۔میں اپنی اقدار کو بھولی نہیں ہوں بابا۔میری طرف سے مکمل مطمئن رہیں "وہ مسکراتے ہوئے انکی بات کا جواب دے رہی تھی جبکہ انکی آنکھیں بھیگنے کو تھیں جب وہ بولے۔
"عنیزہ !بیٹا مجھے کچھ کام نپٹانے ہیں میری گڑیا آپ جب شفٹ ہو جا تو خیریت سے آگاہ لازمی کرنا میں انتظار کرونگا "انہوں نے بات سمیٹی تھی۔
"بابا۔۔۔ "بیٹی تھی آخر۔اور بیٹی ماں باپ کے لہجے اور انداز کو نہ سمجھ پائے تو بیٹی کیوں کہلائے۔بیٹیوں کا خمیر ہی محبت سے اٹھایا جاتا ہے۔یوں لہجوں سے پہچانتی ہیں کہ ان کے غم سمجھ پائے کوئی یہ ہو نہیں سکتا۔اور وہ کسی کا غم سمجھ نہ پائیں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔
"جی بیٹا "وہ بہت دھیمے سے انداز میں بولے۔
"میں اس سال آں گی ناں۔آپ بھی مما کی طرح اب اپنا دل چھوٹا کر رہے ہیں اور میں کونسا بہت دور بیٹھی ہوں" وہ ہلکے پھلکے سے انداز میں ان کو سمجھا رہی تھی۔
"بیٹا دل چھوٹا نہیں کیا۔بس اداس ہو گئے ہیں ہم تو بہت "وہ بھی لہجہ مضبوط رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔آخر کو دل کا ٹکڑا تھی ان کی بیٹی۔
"چلیں اب پھر کام کریں کیونکہ اب آپ اداس نہیں ہیں اور ہونگے بھی نہیں میں اس دفعہ کرسمس کی چھٹیوں پہ آ رہی ہوں لیکن اگر آپ ذرا بھی اداس ہوئے تو ارادہ کینسل "
"ہاں ہاں معلوم ہے بہت پکی ہو تم بھی ضد کی "وہ ہنستے ہوئے بولے۔
"آپ پر ہی گئی ہوں "وہ مسکرائی تو گلا کھنکھارنے کی آواز سے فوراً بوکھلا کر وضاحت کرنے لگی "میں نہیں کہتی مما کہتی ہیں "دوسری طرف سے بابا کا قہقہہ سنائی دیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

"اب میں سامان پیک کرلوں بابا "

"ہاں بیٹا۔اپنی ماں کو بھی بتا دینا جانے کا "وہ بولے اور خدا حافظ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

جہاں باپ سے بات کرنے پر اس کا ایک مسئلہ حل ہوا تھا وہیں دل نے الگ ہی بے چینی پکڑ لی تھی۔جانے کیا بات تھی کہ اب دل مضبوطی کے خول سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ "آج بھی اسے اسکی مخصوص جگہ پر بیٹھے دیکھ کر وہ اسکی طرف چلی آئی تھی۔وہ اچانک سے سوال کر دینے پر چونکا اور دایاں ابرو اچکا کر اسے دیکھنے لگا۔

"تم سے ہی مخاطب ہوں اور کون ہے میرے ارد گرد؟ "وہ بھی گھورتے ہوئے بولی اور اس کے ساتھ جم گئی۔ جبکہ اسکے ماتھے پر شکنیں پڑ چکی تھیں۔

"ایکسکیوزمی؟ "وہ اسکی طرف ماتھے پر تیوری چڑھائے چہرہ موڑ کر بولا۔اسے اپنا مخل کیا جانا برا لگا تھا۔

"ایکسکیوزڈ !مائی سیلف پرِیا رتیش اینڈ یو؟ "وہ کمالِ بے نیازی سے ہاتھ بڑھا کر بولی جبکہ مخاطب کے چہرے کے نقوش مزید بگڑ گئے۔جس پر پرِیا کو بہت ہنسی آئی مگر ضبط کرتی ہوئی بولی

"جتنا تم چڑو گے اتنا ہی میں تمہیں تنگ کروں گی اسلیئے ڈیئر اپا لو !صبر اور تحمل سے مجھے برداشت کرو "

"وِل یو پلیز سٹاپ دِس؟ "وہ غصے میں بولتا ہوا اچانک کھڑا ہوا تو پرِیا بھی ساتھ ہی کھڑی ہو گئی تھی۔'عجیب ہی منہ پھاڑ بندہ ہے'

"اب کیا کر دیا میں نے؟ "وہ معصومیت سے مگر شستہ انگلش میں دوبدو بولی جس پر سامنے والے کو مزید غصہ آیا تھا ۔وہ تیز تیز قدم بڑھاتا آگے کو چل دیا تھا۔پرِیا بھی اسکے پیچھے دوڑی تھی۔

"بھاگ کیوں رہے ہو میں کھاتی نہیں ہوں "وہ پھولے سانس کے ساتھ بولی تو وہ اچانک مڑا جس پر پرِیا نے بھی بریک پر پاں رکھا۔

"مسئلہ کیا ہے؟تم کیوں ہر روز ہی مجھے تنگ کرنیآ پہنچتی ہو؟اور کوئی کام نہیں تمہیں؟تم ۔۔۔ "وہ اتنا ہی بولا تھا جب پرِیا نے اسکا ہاتھ پکڑا اور آگے کو چل دی۔وہ اس سے ہاتھ چھڑوانے لگا تھا۔لیکن مجال ہے جو پریا رتیش نے ہاتھ چھوڑا ہو۔لڑکی تھی مگر اس وقت زور آور ہوئی تھی۔پارک میں موجود لوگوں کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا۔مگر وہ جو ہاتھ چھڑوا رہا تھا اب سرخ منہ لیے اس کے پیچھے چلنے لگا تھا کہ اب اسے سیٹ کر ہی دے گا۔

"میں صرف کافی پلوانے والی ہوں بھگا نہیں رہی کہیں بھی تمہیں۔"پونی کو جھلاتے وہ ہنستے ہوئے بولی۔ہاتھ اب بھی نہ چھوڑا تھا۔جبکہ مخاطب دانتوں پے دانت جمائے ساتھ چلتا جا رہا تھا۔اپنے پسندیدہ 'دیسی ڈھابہ'

جو کہ پارک کے نزدیک ہی تھا، پر پہنچ کر اس نے کافی کا آرڈر دیا تھا اور ایک تقریبا خاموش کونے میں اسے لیے بیٹھ گئی تھی۔

وہ ایک پر رونق جگہ تھی۔ کسی جگہ کچھ لوگ بیٹھے مذاکرات کرتے دکھ رہے تھے اور کہیں کچھ جوڑے بیٹھے آپس کے مسئلے حل کر رہے تھے۔ کسی طرف کوئی ماں اپنی بیٹی کو جوس پلوانے کو بیٹھی تھی تو کوئی میز کسی بے گھر کو کھانا کھلاتے آدمی سے پر تھی۔

وہ جورش سے پہلے ہی اکتایا رہتا تھا اب بھی منہ بنائے ناک چڑھائے یہاں وہاں دیکھ رہا تھا۔ وہ ہنوز خاموش تھا۔ مگر پرِیا کی زبان پر کھجلی ہوئی۔

"ہمارے ایشیا میں، خصوصا پاکستان اور انڈیا میں کافی میں دودھ تو ڈالا جاتا ہیمگر چینی بھی عام ہے۔ تمہیں پچپچاہٹ محسوس ہوگی ذرا سی۔ مگر اگنور کرنا "

مخاطب بے نیاز سا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے پرِیا کی کسی بھی بات سے دلچسپی نہیں تھی۔

"ویسے تم بھی حد ہی کرتے ہو۔ بولتے ہو تو بولتے چلے جاتے ہو۔ اور نہیں بولتے تو بالکل ہی نہیں۔ " وہاں ہنوز خاموشی تھی مگر گھوری کا اضافہ ہو چکا تھا۔

"ارے بھئی اپالو۔۔۔ "ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی جب اسکی بات کاٹ دی گئی۔

"ایک منٹ ! پہلے یہ کلئیر کرلو کہ میں اپالو نہیں ہوں "

پرِیا کھلکھلا کر ہنس دی جس پر اپالو صاحب کے ماتھے کے بلوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"اپالو جانتے ہو کون تھا؟ " وہ جوابا چپ رہا۔ اسکا فوکس اپنے کافی کپ تھا جو کہ کچھ دیر پہلے ویٹرس انہیں سرو کر گئی تھی۔

"اپالو روم کے لوگوں کا دیوتا ہے۔ محبت کا دیوتا۔ حسن کا دیوتا۔ مجھے پہلی نظر میں تم پر اپالو کا گمان ہوا تھا اس لیے یہی نام رکھ دیا۔ " وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"تم چپ نہیں رہ سکتیں کیا؟ " وہ چڑ کے بولا۔

ہاتھوں کو آپس میں رگڑتی سردی کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کرتی پریا نے اپنا کپ دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھا اور یہاں وہاں دیکھنے لگی۔ ٹھنڈی ہوا نے ماحول کو خنک سا بنا رکھا تھا۔ مغرب کا وقت تھا مگر لوگ یوں تھے گویا شہد کی مکھیوں کو چھتے سے آزاد کیا ہو۔

وہ اپنی سوچ پر خود ہی مسکرا دی تھی۔

"یوں غصہ کر لینے سے یا چپ رہ لینے سے کچھ نہیں بنتا۔ میں نے بس اس لیے تمہارے قریب ہونا چاہا کہ تم مجھ سے

اپنی خاموشی بانٹ سکو۔ باقی تمہاری اپنی مرضی ہے "پرِیا نے اپنا خالی مگ میز پہ رکھا۔ اپنے ٹراؤزر سے پیسے نکالے اایک کارڈ اٹھایا اس پر اپنا نمبر لکھا اور میز پر پڑے گلدان کے پاس رکھ کے مزید کچھ بولے بغیر ہڈی سر پر چڑھائی اور آگے بڑھ گئی جبکہ وہ بس سوچتی نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا سے تو اجازت مل گئی۔ آپ بتائیں آپ کو کیا تحفظات ہیں؟ "وہ اس وقت اپنی جاب پر تھی نئے آئے ہوئے مال کو وہ کرٹنز سے شیلفوں اور کانٹرز پر شفٹ کر رہی تھی جب اسکی مما کی کال آئی۔ اسنے موبائل نکالا ہینڈز فری لگائیں، موبائل واپس گان پر پہنی گئی ٹی شرٹ کی جیب میں رکھا اور سامان سیٹ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ بات بھی کرنے لگی۔

"دیکھ لو بیٹا۔ پرایا دیس ہے پرائی جگہ ہے۔ اوپر سے وہ لڑکی بھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور آرام سے رہنے کی دعوت بھی دے دی۔ سچ پوچھو تو مجھے ڈر ہی لگ رہا ہے "انہوں نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"یار مما کوئی ایسی بات نہیں ہے میں وہاں پیئنگ گیسٹ کے طور پر ہی رہوں گی اور جہاں تک ڈر کی بات ہے تو ڈر یں نہیں۔ آپ بس بہت سی دعائیں کیا کریں "وہ تسلی دینے کے انداز میں بولی تھی۔

"میری تو سب دعائیں اپنی بیٹیوں کے لیے ہیں۔ مگر دل پھر بھی کانپتا ہے ہر وقت تم لوگوں کی طرف ہی تو لگا رہتا ہے میرا دل۔ اب تم یہ اپنی شکل دیکھو ناں۔ ذرا بھی جو تم اپنا خیال رکھتی ہو۔ اب بھی تم پتہ نہیں کیا کر رہی ہو کبھی ٹک کے بھی بیٹھتی ہو کہ نہیں؟ کیا کر رہی ہو اتنی آوازیں بھی آ رہی ہیں "وہ بولیں جس پر عنیزہ کام سے ہاتھ روک کر فورا کھڑی ہو گئی تھی۔ اب اسے اپنی ماں کو دلاسے دینے تھے کیوں کہ اسکی بات پر ماں نے اپنا اگلا دکھڑا رونا تھا۔ وہ ہاتھ گان کے اوپر پہنی ہوئی شرٹ سے صاف کرتی ہوئی مسٹر بران کو اِشارہ کرتی ریسٹنگ روم کی طرف چلی گئی تا کہ تسلی سے بات کر سکے۔

"میری پیاری اماں ! میں اس وقت سٹور پر آئی ہوئی تھی۔ آج کال ایگزامز سے فری ہوں نا تو سوچا اوور ٹائم لگا لیا کروں "وہ تو صرف بولی تھی مگر ماں کی ایک چیختی ہوئی آواز آئی تھی جس پر اس نے اپنے ایک کان سے ہینڈ فری نکال کر اسے منہ کھول کر ایسے دیکھا جیسے ماں اس میں بیٹھی تھی۔

"تم واپس آ بس یہ سال مکمل ہو جانا ہے تمہارا۔ تم واپس آ کہاں کہاں خوار ہو رہی ہو تم۔ میں کہتی ہوں تمہارے بابا سے۔ تمہیں یا تو خرچ بھیجیں یا پھر واپس بلائیں۔ اب ایسی بھی کیا مجبوری ہے تمہیں۔۔۔ "وہ بول رہی تھیں جب اسنے بات کاٹی۔

"مما میں ٹھیک ہوں یار۔ کم از کم میں فارغ تو نہیں ہوں ناں۔ اور فارغ رہ کر کروں گی بھی کیا میں۔ مجھے یہاں اور

کام بھی کیا ہوتا ہے۔دن آرام سے گزر جاتا ہے اور مجھے کیا چاہیے۔آپ پلیز بابا کو نہیں کچھ بھی کہیں گی "وہ آہستہ آہستہ انہیں سمجھا رہی تھی اور وہ بھی سمجھ رہی تھیں یا شاید اسے ایسا لگ رہا تھا۔بہر حال اب اسے انہیں واپس شفٹنگ کے موضوع کی طرف موڑنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"نینی بریانی تیار رکھیں میں کچھ دیر میں آئی "پرِیا نے جلدی جلدی میں اپنا کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔وہ جو کچن سے واپس لانج کی جانب ابھی آئی ہی تھیں اس کی نئی فرمائش پر اسے گھورنے لگیں۔

" کیوں؟ابھی کل ہی تو کھائی تم نے "نینی انتہائی خطرناک تیور لیے اس کے سامنے آئیں۔

" کل نہیں نینی پرسوں "یہ کہتے ہوئے اس نے نینی کے گال پر چٹکی بھری۔

"واٹ ایور۔مگر آج نہیں بنیگی "انہوں نے اسی غصے سے کہا اور رخ موڑ کر کھڑی ہو گئیں۔وہ اس کی روز روز کی بریانی کی فرمائش سے تنگ آ چکی تھیں۔چاہے جیسی بھی کک تھیں اور انڈین، چائینیز ،رشین جو بھی نئی ڈش ہوتی لازمی بناتی تھیں مگر پرِیا کی اِس ایک بریانی کی فرمائش سے وہ عاجز آ چکی تھیں۔

"آپ بنا رہی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں نارتھ سے خان صاحب کے دیسی بفے سے لے آ ںگی "اس نے انہیں دھمکی دیتے ہوئیوہاں موجود ایک دیسی کھانوں کے ہوٹل کا نام لیا جس سے نینی کچھ دھیمی پڑ گئیں۔

" کچھ اور بناں گی ناں "انہوں نے آنکھیں مٹکاتے اور پچکارتے ہوئے اسے لالچ دیا جسے وہ ذرا خاطر میں نہ لائی۔ "آپ ہاں یا ناں میں جواب دیں "اسنے انہیں گھورا تو وہ آخر ہار مانتے ہوئے بولیں

"اچھا جا کہاں رہی ہو؟ "

"بہارا اترنے والی ہے آپ کے گھر پر، تیاریاں کریں "اس نے اطلاع دی اور چابیاں پکڑ کر باہر نکل گئی۔نینی بس ارے ارے کرتی رہ گئیں۔

'ایک تو یہ لڑکی بھی ناں۔پتہ نہیں آج کل ہو کیا گیا ہے اسے "وہ واپس کچن کی جانب مڑتی ہوئیں مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھانے کی میز پر موجود ہر فرد آج اچھے موڈ میں تھا۔کیونکہ آج کبیر صاحب کا موڈ خوشگوار تھا۔نور نے اپنے ہاتھ کے بنائے گئے کوفتے لینے کچن کی جانب بڑھی۔

'جمال بھائی کی کال آئی تھی۔آپ کو بھی بلا رہے تھی وہ "سعدیہ نے شوہر کا موڈ اچھا دیکھا تو فوراً بات چھیڑ دی۔

"مجھے بلانے کا مقصد؟ " کبیر صاحب تیوری چڑھا کر بولے۔'ایک تو یہ شخص۔۔ساری زندگی اس کا غصہ

برداشت کرتے گزر جائیگی' وہ ٹھنڈی سانس بھرتی سیدھی ہو بیٹھیں۔
"آپ انکی کال ریسیو نہیں کرتے کبیر صاحب !ورنہ وہ خود آپ کو مقصد بتاتے "سعدیہ بیگم نے ہلکے پھلکے انداز میں طنز کیا مگر وہ بھڑک اٹھے۔
" کیوں ریسیو کروں؟ کیا رہ گیا اب؟ کس بنیاد پر دعا سلام بھی رکھوں میں ان سے؟ "
" کچھ رہنے نہ رہنے سے پہلے وہ آپکے بہترین دوست اور بڑے بھائیوں کی طرح بھی تھے کبیر صاحب "سعدیہ نے ذرا سخت لہجے میں ان کو یاد دہانی کروائی۔
"وہ بات پرانی ہو چکی۔مگر اب میں جو چاہتا ہوں ان سے کہو وہی کریں۔میرے وہاں جانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے میری بیٹی کا سکون اور خوشی چاہیے بس "انہوں نے سختی سے کہا اور جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔
"انہوں نے فیصلہ لے لیا ہےکبیر۔تبھی آپکو بھی بلانا چاہ رہے ہیں۔اب میں نے چلنا ہے تو آپ بھی ساتھ چلیئے گا۔ میں اکیلی نہیں ہوں سب سہنے کے لیے۔اب تو کم از کم میرا سہارا بنیے "سعدیہ کہتے ہوئے سسکی تھیں جس پر وہ ٹھٹکے۔
"چل رہا ہوں تمہارے ساتھ ہی "انہوں نے کہا اور کمرے سے نکل گئے جبکہ سعدیہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔
اور۔۔۔
کچن میں کھڑی نور خالی دل کے ساتھ باؤل میں ڈالے جانے والے کوفتے واپس ہنڈیا میں ڈالنے لگی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
اپنے سیکٹر میں پہنچ کر اس نے گاڑی کی سپیڈ کم کی اور اپارٹمنٹ کے قریب بنے چھوٹے سے گیراج میں پارک کر دی۔
نیچے اترنے سے پہلے اس نے اپنا موبائل دیکھنا ضروری سمجھا۔اور جب دیکھا تو ڈھیروں شرمندگی نے اسکا احاطہ کیا۔ایک بار پھر اس کے بابا کی کال آ کر اسے باور کروا چکی تھی کہ وہی اس کے بابا نہیں تھے بلکہ اس کے بھی کچھ فرائض تھے جن سے اس نے برسوں سے کنارہ کیا ہوا تھا۔اس کا دِل چاہا وہ اڑ کر پاکستان چلا جائے۔ مگر یہیں پہنچ کر اسکا دل سکڑ جاتا۔
وہ گاڑی سے نکلا،اسے لاک کیا اور اندر کی جانب چل دیا۔اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ بابا کو کال بیک کرے یا نہیں۔کوئی زمانہ تھا جب ان باپ بیٹے میں دوستوں جیسے تعلقات تھے۔اور ایک یہ زمانہ تھا کہ وہ بات شروع کرتا تو سمجھ نہ آتا کہ اگلی بات کیا کرے اور پچھلی بات کو مکمل کیسے کرے۔
اندر آ کر اس نے فریج میں دیکھا۔ایک سیب اور کوک کے ایک خالی ٹِن کے علاوہ وہاں کچھ نہیں تھا۔ اس نے

غصے سے فریج بند کیا اور کمرے کی طرف چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"نینی سے ملو گی تو خوش ہو جا گی۔اور جب وہ تمہیں دیکھیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔ان کی نواسیاں تو کچھ بھی نہیں ہوں گی تمہارے سامنے نیمو "وہ عنیزہ کو لینے آئی ہوئی تھی۔عنیزہ ایک بیگ سمیت گاڑی میں آ کر بیٹھی تو پرِیا پر جوش سی بولی۔

"حد کر جاتی ہو کبھی کبھار تم بھی پری "وہ ہنس دی۔

"مزید کوئی سامان نہیں ہے کیا؟ "

"نہیں بس یہی بیگ تھا "وہ بولی۔ "واہ بھئی تم تو اس ملک کے پسماندہ طبقے کو بھی مات دیتی ہو گی"

"ایسی بھی بات نہیں ہے۔اس میں بھی بہت سا سامان ہے "وہ کھسیا کے بولی تھی۔

"بہت حیرانگی کی بات ہے یہ میرے لیے۔کیونکہ میں نے تو جہاں بھی جانا ہو میرے ساتھ بہت سا سامان ہوتا ہیا وراس بہت سے سامان کے لیے مجھے بیگز بھی اتنے ہی چاہیے ہوتے ہیں "وہ باتیں کرتی ہوئی ڈرائیونگ بھی کر رہی تھی۔

اپنی منزل پر پہنچ کر پرِیا نے سیٹ بیلٹ اتاری اور نیچے اتر کر اسکا بیگ اتارنے لگی۔جبکہ اسے ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔کہنا آسان تھا مگر اب بالکل الگ جگہ پر رہنا،آنا اور ایڈجسٹ ہونا بالکل الگ۔وہ تو پہلے ہی بہت کم لوگوں میں گھلتی ملتی تھی۔اب کیا۔۔۔

" کم آن نیمو۔نینی ویٹ کر رہی ہیں "پرِیا کی آواز پر وہ چونکی تھی۔اس نے بیلٹ اتاری اور گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

اس نے دیکھا سامنے چھوٹے سے گھر کے دروازے میں ایک بزرگ خاتون مہربان سی مسکراہٹ لیے کھڑی تھیں۔ کھنڈرات بتاتے تھے کہ بلاشبہ اپنی جوانی میں وہ بہت حسین رہی تھیں اور اب بھی وہ کوئی رومی خاتون کم ،ایشین خاتون زیادہ لگ رہی تھیں کیونکہ انکا لباس مشرقی تھا۔انہوں نے بہت ہی سادہ سا قمیص شلوار پہن رکھا تھا البتہ دوپٹہ ندارد تھا۔یقیناً دوپٹہ وہ سنبھال نہ پاتی ہوں گی۔ وہ اسے دیکھ کر کچھ آگے بڑھیں تو اس نے بھی پیش رفت کی۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کی طرف بڑھی۔وہ باہنیں پھیلائے ہوئے تھیں۔

"بہت دن لگا دیے بہار کو گھر لانے میں پری "وہ کھلے دل سے اسے خوش آمدید کہہ کر اسکے ماتھے پر بوسہ دینے کے بعد پرِیا سے انگلش میں مخاطب ہوئیں۔پرِیا آگے آئی اسکا بیگ ان کے حوالے کیا اور ان کے گال سے گال مس کر کے بولی " فکر نہیں کریں میں اِسے پرمانینٹلی گھر لائی ہوں۔ اور اب آپ اِسے بھی پکڑ لیں۔اِس کا حال

دیکھ کر مجھے پورا یقین ہے یہ بھاگ جائیگی "نینی ہنس دیں جبکہ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"میں گاڑی پارک کر آں نینی۔ابھی ہم نے اِس سے بہت کچھ اگلوانا ہے کمانڈو۔ٹیک ہر ٹو داسیل "وہ آواز بھاری کرتی ہوئی بولی تو عنیزہ کی بھی ہنسی نکل گئی۔پرِ یا آگے بڑھی تھوڑی اونچی ہوئی اور اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر واپس مڑ گئی۔اسے بے اِختیار اپنی بہن یاد آئی تھی۔آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا جسے اس نے چھپانے کی شعوری کوشش کی۔

نینی اسے لیے لانج میں آئیں۔اسے صوفے پر بٹھایا اور خود کچن کی طرف مڑ گئیں۔وہ ساتھ ساتھ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کر رہی تھیں۔وہ ہوں ہاں میں غائب دماغی سے جواب دیتی رہی۔اِتنے میں پرِ یا بھی شور مچاتی ہوئی آ چکی تھی۔وہ بہت خوش لگتی تھی۔نینی جانتی تھیں کہ وہ اتنی خوش صرف مِسٹر تپش کے آنے پر ہوا کرتی تھی۔

"میں واقعی ٹھیک کہہ رہی تھی ناں۔بہار آ گئی ناں؟آپ بھی چپکے مسکرا رہی ہیں نینی "وہ وہیں عنیزہ کے پاس بدھپ سے بیٹھ کر ہانکی تھی۔وہ اس وقت لانج میں بیٹھی تھیں جہاں باہر کی سرد ہوا کا کوئی گزر نہ تھا۔ایک بات تو طے تھی کہ یہاں پچھلے اپارٹمنٹ سے زیادہ سکون میسر آنے والا تھا۔

"میں تو خوش ہوں بہت۔مگر تمہاری خوشی کا اندازہ میں یوں لگا سکتی ہوں کہ اب تمہیں سر کھانے کو دو لوگ مل گئے ہیں "وہ ہنستے بولیں تو پرِ یا نے بھی زور کا قہقہہ لگایا۔جبکہ عنیزہ کو اپنا گھر شدت سے یاد آنے لگا تھا۔وہ خاموشی سے انکی آپس کی نوک جھونک سننے لگی تا کہ دماغ بٹا سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بہت خوشگوار دن تھا۔سب کو چھٹی تھی سب اپنے معمول کے کاموں اور دفاتر سے فارغ تھے۔اور کچھ موسم نے رنگ بھی بدلا تھا۔سورج بادلوں کے پیچھے سے جھانک رہا تھا اور لوگوں کی تفریح کا ذریعہ بن رہا تھا۔

وہ بھی منہ بسورتا اٹھا۔فریج میں چونکہ کچھ نہ تھا سو منہ پہ چند چھینٹے پانی کے مارے اور باہر نکل آیا۔اسکا اِرادہ باہر کہیں سے اچھی سی کافی پینے کا تھا۔مگر یہ سوچتے ہوئے اس کے منہ کے زاویے بگڑ گئے کہ اگر آج اس نے کراکری نہ خریدی تو اگلے کئی دن تک اس کو وقت نہیں ملنا تھا۔

گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور میں داخل ہو گیا۔ایک طرف ٹرالیوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ان میں سے ٹرالی لی اور ایک طرف جہاں کراکری تھی اس طرف چل پڑا۔

وہ چیزیں اٹھا اٹھا کر ٹرالی میں رکھ رہا تھا۔آگے بڑھتے ہوئے اپنی کمر پر کسی کی نظروں کی تپش کا احساس ہوا۔

اسنے مڑ کر دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔اس نے اپنا گمان جانا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ بے دھیانی میں چیزیں رکھتا جا

رہا تھا اسے احساس نہیں تھا کہ وہ غائب دماغی سے کونسی چیز رکھ رہا ہے۔
وہ اسے غائب دماغ دیکھ کر آگے بڑھی اور جو چیزیں وہ رکھ رہا تھا ان میں سے کچھ چیزیں اٹھائیں اور واپس اپنی جگہ پر رکھ دیں۔ اسے اس کی پسند اس حد تک تو پتہ ہی تھی کہ جو چیزیں وہ رکھ رہا تھا وہ اسکی پسند میں شامل نہیں تھیں ،وہ گم تھا۔ ۔اتنا تو وہ اسے جانتی تھی۔ اِتنا تو وہ اسے سمجھتی تھی۔ وہ کیا سوچ رہا ہے وہ کہاں گم ہے وہ جانتی تھی، وہ اسے ہی سوچ رہا ہے اِتنا تو وہ اسکی سوچ پڑھ ہی لیا کرتی تھی۔
وہ پھر سے کسی احساس کے تحت مڑا۔ سب سوچیں تحلیل ہوگئی تھیں۔ وہ اسکی سوچ تھی۔ وہ اسکا خیال تھی۔ وہ مجسم تو اسے بہت دور چھوڑ آیا تھا۔ اسکی آنکھیں بیچینی سے اسے ارد گرد تلاش کرنے لگیں۔ کبھی مڑ کر کبھی وہاں کبھی یہاں۔ وہ وہاں تھی ابھی۔ ابھی ہی تو وہ تھی۔ اسے اسکی نگاہوں کی تپش کا محسوس ہوئی تھی۔ وہ یہاں تھی تو ابھی۔ کہاں گئی وہ۔
وہ اپنی ٹرالی وہیں چھوڑ کر ہر رو میں اسے ڈھونڈنے لگا۔ ہر جگہ تلاش کر لینے کے بعد وہ ایک ریک کے پاس رک گیا۔ سامنے وہ کھڑی تھی۔ نظریں جھکائے وہ سامان اپنی ٹرالی میں رکھ رہی تھی۔ وہ بے اِختیار ہوتا اس کے پاس گیا۔
وجود پھر سے تحلیل ہوا تھا۔
وہ ریک کے پاس کھڑا کھڑا ہی اپنے گھٹنوں کے بل گر گیا۔ وہ رو رہا تھا اور بے تحاشا رو رہا تھا۔ جان باقی تھی۔ مگر سانس رک چکی تھی۔ ایک لمحے میں صدیوں کا سفر سمٹ آیا تھا۔ وہ گہرے سانس اندر کھینچ رہا تھا۔
بہت دیر بعد خود کو نارمل کیا اور بھٹکنے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گاڑی بیچ تک لائی جہاں رونق عروج پر تھی۔ گاڑی ایک مخصوص جگہ پارک کی اور باہر نکل کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ آخر اسے ایک خاصی پرسکون جگہ تو ملی ہی مگر ساتھ میں پینٹنگ کے لیے ایک بہت ہی خوبصورت منظر بھی مل گیا تھا۔ وہ خود میں جوش سا محسوس کرنے لگی۔ اس نے گاڑی کی ڈگی کھولی۔ اپنا ایزل اور برشز کا باکس اٹھا کر اس طرف چل دی۔
وہ پہاڑ کی اوٹ تھی جہاں سے سورج بہت پیاری چھب دِکھا رہا تھا۔ اسکا دِل کیا کہ وہ خوشی سے چیخے کیونکہ ایک تو اج اسکی نیمو گھر آ گئی تھی وہ اسے آرام کا کہہ کر موسم سے فائدہ اٹھانے اور اپنی بہت ہی اچھی سی پینٹنگ بنانے اِس طرف آ گئی تھی تا کہ وہ نیمو کو گفٹ کی جا سکتی۔ دوسرا اسے یہاں آتے ہی ایک بہت دلکش منظر بھی مل گیا تھا۔
وہ اپنا سامان اٹھائے سمندر کنارے آ گئی تھی۔ وہاں ماحول پرسکون تھا۔ وہ ایک پتھر کے قریب گئی۔ اس کے پاس اپنا ایزل سیٹ کیا اور برشز کا باکس کھول کر ایزل سٹینڈ پر رکھا۔ خود پتھر پر بیٹھ کر ٹھنڈی سانس اندر اتاری۔

اب وہ پینٹ اور آئل مکس کرنے کے بعد سامنے موجود منظر کو بہت مہارت اور سکون سے سامنے کینوس پر اتار رہی تھی۔

وہ مکمل مگن تھی جب اسنے اپنے سامنے سے کسی کو گزرتا ہو دیکھا۔ وہ چونکی نہیں مگر اسے غصہ بہت آیا۔ اتنی پرسکون جگہ اتنی محویت اور یہ اچانک سے کون مخل کرنے آ گیا تھا۔ اس نے گردن اونچی کر کے دیکھا اور حیرت سے اسکی انکھیں پھیل گئیں جبکہ منہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اتنے غور سے اسے دیکھ رہی تھی مگر مجال تھی کہ وہ ذرا بھی چونکتا۔ وہ تو نہ چونکا مگر پرِیا چونک چکی تھی۔ کچھ تو تھا اِس شخص کے ساتھ۔

وہ کچھ فٹ دور جا چکا تھا۔ پرِیا نے اپنا پورا زور لگا کر اسے آواز دی۔ کیونکہ ایک تو وہ مگن بہت تھا دوسرا سمندر کی لہروں کا شور بہت تھا۔ وہ چلتا رہا تھا۔ کیسے رکتا کہ پرِیا نے اسے اسکے نام سے بھی تو نہیں پکارا تھا۔ اور ابھی دو دن پہلے ہی تو بس اپا لو بولا تھا۔ وہ چلتا جا رہا تھا۔ پرِیا نے اپنا سامان وہیں چھوڑا اور اسکی طرف دوڑنے لگی۔

اس کے پاس پہنچنے پر اس نے اسکیکند ھے پر ہاتھ مارا تو وہ چونکتے ہوئے مڑا تھا۔

" کہاں گم ہو بھئی۔ کب سے بھاگتی آ رہی ہوں تمہارے پیچھے۔ آواز بھی دی مگر سنا ہی نہیں تم نے "وہ گھرے سانس لے رہی تھی۔

"تم کسی جگہ پر پیچھا چھوڑ بھی سکتی ہو میرا؟ "وہ نارمل سے انداز میں بولا۔

"نہیں "وہ دانت نکالتے ہوئے واپس مڑی اور مزید گویا ہوئی "آو وہاں چلتے ہیں میں اپنا سامان چھوڑ آئی ہوں "وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگا تو وہ بولی

"تمہارا کچھ گم گیا ہے کیا؟ "وہ بے تاثر سامنے دیکھتا رہا۔ ہاں مگر اس کے ماتھے پر ایک ہلکی سی لکیر نمودار ہوئی اور سر جھٹک کر اپنی بائیں طرف دیکھنے لگا۔ ہمیشہ کی طرح وہ بولا اب بھی نہ تھا۔

"تمہاری بیلرینا کھو گئی ہے ناں؟ "وہ بولی تو یوں جیسے اسے پورا یقین ہو اِس بات کا۔

وہ ٹھٹک کر رکا اور رخ موڑے اسے دیکھنے لگا۔ اسکی سنہری آنکھوں میں سرخی اتری تھی۔ پرِیا رخ موڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی پینٹنگ بھول چکی تھی۔۔ وہ اسکی کہانی کی طرف بہہ جانے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جاب سے آتے ہی فریش ہو کر ان کے لیے کافی بنا لائی تو وہ جو ابھی کافی کا سوچ ہی رہی تھیں بے ساختہ اس کا ماتھا چومنے لگیں۔

"ابھی تم آئی ہو۔ اصولا مجھے کچھ لانا چاہیے تھا تمہارے لیے "وہ بولیں تو وہ شرمندہ ہوتی بولی "نہیں نینی۔ اصول یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑوں کے لیے ایسے کام کریں۔ میں نے کچھ بڑا کام کیا بھی نہیں بس کافی ہی تو بنائی

ہے "

"مجھے پری کہتی تھی کہ نینی آپ کی نواسیاں تو نیمو کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔میں سمجھتی تھی کہ نئی نئی دوست ہے اس لیے روم کی لڑکیوں کو اِتنا ہلکا لے رہی ہے۔ مگر واقعی میری نواسیاں تو تمہارے پاسنگ بھی نہیں۔ایشیائی حسن ہے تم میں۔ "وہ بولیں تو ایک بار پھر وہ سرخ ہوئی تھی۔پہلے وجہ شرمندگی تھی اور اب وجہ تعریف تھی۔آف وہائٹ اسکارف میں اسکا چہرا دمک رہا تھا۔وہ ان کے بائیں طرف سنگل صوفہ پر بیٹھی تھی اور وہ اسے گردن موڑ کر دیکھ رہی تھیں۔انہوں نے بے اختیار نظریں چرائی تھیں۔

"نینی پری کب تک آئیگی؟ "وہ بولی تو نینی چونکیں۔

" کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ایک دفعہ اپنا ایزل لے کر بیٹھ جائے تو بس جب تک وہ اسکی پسند کے مطابق ڈھل نہ جائے۔۔اٹھتی نہیں ہے "وہ ناک چڑھائے بتا رہی تھیں۔ وہ ہنس دی۔

"تم اپنی مدر سے بات کرواناں میری "وہ اسکی طرف پوری طرح مڑی تھیں۔

"میں سیل لاتی ہوں اپنا "وہ کہتے ہوئے اٹھی اور اندر جانے لگی جب نینی نے کہا "تم وہ لیپ ٹاپ یوز کرسکتی ہو "انہوں نے سامنے دیوار کے پاس بنے ایک شیلف کی طرف اِشارہ کیا تو وہ جھجکی۔

"ارے بھئی کچھ نہیں ہے اس میں،اٹھا لا۔مل کر بات کرتے ہیں ناں۔ ویڈیو کال کرنا "وہ بولیں تو وہ آگے بڑھ کر لیپ ٹاپ اٹھا لائی۔واپس صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسنے لیپ ٹاپ آن کیا اور عینی)اپنی بہن (کو میسج سینڈ کر کے کال ملائی۔

عینی لاگ اِن ہو چکی تھی۔اس نے کال کنیکٹ کی اور ذرا آگے ہو کر بیٹھ گئی۔

اب وہ اِشتیاق سے اپنی مما کو اردو میں سب بتا کر تسلی کروا رہی تھی۔نینی کو زبان تو سمجھ نہیں آ رہی تھی مگر اسکی آسودہ مسکراہٹ سے وہ سب سمجھ رہی تھیں۔

اس نے انگلش میں نینی اور اپنی مما کا تعارف کروایا۔اسکی مما انگلش سمجھ اور بول سکتی تھیں۔وہ ان سے بات کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

عنیزہ نے دیکھا اس کی مما کافی دن بعد مطمئن اور آسودہ دکھ رہی تھیں۔وہ اطمینان سے مسکرا دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔غصہ اور بے چینی نے اس کا احاطہ کیا ہوا تھا مگر کمال ضبط سے اس نے اپنے تاثرات چھپائے۔

مگر پرِیا بھانپ چکی تھی۔وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا کر چلنے لگا تو پرِیا نے بھی قدم اسکے ساتھ

ملانے کی کوشش کی۔وہ اپنا کام تو فراموش کر چکی تھی۔

"بتاناں۔تمہاری بیلرینا کھو گئی ہے ناں؟ "پرِیا نے اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں وہ کھوئی نہیں ہے "وہ بولا تو آواز میں بھی خاموشی تھی۔پرِیا کو اسکی آواز سے لگا جیسے اسنے پوچھ کر برا کیا۔ مگر اب تو پوچھنا ہی تھا۔

"تو؟ "وہ اسکے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں نے اسے کھو دیا ہے "وہ تھکے ہوئے انداز میں چہرہ بائیں طرف موڑ کر سمندر کی لہروں پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟ "وہ الجھی۔مگر وہ کچھ نہیں بولا۔

"ایک ہی بات ہے ناں یہ۔کہ وہ کھو گئی ہے "وہ آنکھیں سکیڑے سینے پر ایک ہاتھ باندھے دوسرے ہاتھ سے اپنے چہرے پہ آنے والے بال پرے ہٹاتے ہوئے بولی۔

"ایک بات نہیں ہے "وہ ہولے سے بولا اور وہیں گیلی ریت پر بیٹھ گیا۔پرِیا ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی مگر اب کی بار وہ بولی نہیں تھی۔

"وہ میرے پاس تھی۔میں نے خود اسے گنوا دیا "وہ نیچے ریت پر اپنی انگلی سے کبھی کچھ بناتا کبھی ہاتھ سے مِٹا دیتا۔

"ملی نہیں یا پھر تم نے کوشش نہیں کی؟ "وہ بھی اسکے سامنے ریت پر بیٹھ چکی تھی۔

"میں نے اسے گم کیا۔اور پھر میں خود گم گیا "وہ بس اِتنا بولا اور خاموش ہو گیا۔پرِیا الجھتی جا رہی تھی۔وہ باتیں ہی اِتنی مبہم کر رہا تھا۔

"وہ میری دوست تھی۔مگر پھر مجھے وہ بری لگنے لگی۔وہ سمجھ رہی تھی سب۔مگر سمجھ میں ہی نہیں سکا۔میں اس کو اپنے آس پاس کہیں نہیں دیکھنا چاہتا تھا "

"پھر؟ "وہ خاموش ہوا تو پرِیا نے پوچھا۔

"پھر وہ واقعی نظروں سے دور ہو گئی "وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔اسے ریت پر ایک چھوٹا سا سیپ دِکھا جسے پکڑ کر وہ ریت پر لکیریں کھینچنے لگا۔

"وہ میری آنکھیں پڑھ لیتی تھی۔مجھے اس نے بتایا میں اس سے انکھیں چرانے لگا ہوں۔مجھے تب وہ اور بھی بری لگتی کہ اسے کیوں میرے اندر کا پتہ مل جاتا ہے "وہ بے چینی سے کبھی کوئی لکیر بناتا تھا اور کبھی مِٹا دیتا تھا۔ پرِیا اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ کسی کودکھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔کسی کوتکلیف نہ تو دیتی تھی نہ ہی تکلیف میں دیکھ سکتی تھی۔وہ خود میری بے چینی اور تکلیف کی وجہ بن رہی تھی اسے سب سمجھ آ رہا تھا "وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔پرِیا اب بھی اسے سن رہی تھی۔

"پھر اس نے تھک کر مجھے اکیلا کر دیا۔میں تکلیف میں تھا۔اس نے تکلیف رفع کر دی "پرِیا نے دیکھا کہ وہ بے چین ہوا ہے۔

"اب کہاں ہے وہ؟ "اس نے بات بڑھائی۔وہ جو آنکھیں بھینچے بیٹھا تھا۔آنکھیں کھول کر اسے خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔مگر بولا کچھ بھی نہیں۔

"کوشش تو کی ہوگی ناں؟ "وہ مزید بولی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔پرِیا بھی اٹھ گئی۔

"کوشش سے 'گم' کیا تھا۔ پھر اسے اتنا دور چھوڑ آیا کہ اب سامنا نہیں کر سکتا۔کوئی وجہ نہیں تھی۔میں نے بغیر وجہ کے فاصلہ پیدا کرنا چاہا "وہ اٹھا اور واپس مڑا۔پرِیا کچھ نہیں بولی تھی۔بس خاموشی سے وہ دونوں چل رہے تھے۔

اپنے سامان کے پاس پہنچ کر وہ رکی۔اسے اب سب کام یاد آ چکے تھے۔یہ بھی کہ گھر میں وہ نیمو کو اپنے اِنتظار کا کہہ کر آئی تھی۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔سورج سمندر میں غوطے کھانے کو تیار تھا۔ وہ دونوں خاموش تھے۔

"بائے داوے !اپالو روم کا نہیں یونان کا دیوتا ہے۔اور حسن کا نہیں موسیقی کا دیوتا ہے۔محبت کا نہیں سچائی اور روشنی کا دیوتا ہے۔ "وہ سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑا کہہ رہا تھا جبکہ وہ جو جھکی ہوئی اپنا سامان سمیٹ رہی تھی اچانک سے سیدھی ہوئی۔

"تم نے نوٹ کیا تھا؟ "وہ حیران ہوتی ہوئی مسکرائی۔

"گونگا سمجھ سکتی ہو مگر میں بہرہ نہیں ہوں اور بے عقل تو بھول کے بھی مت سمجھنا۔"وہ بولا جس پر پرِیا بے ساختہ ہنسی تھی۔

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر، اپنی خبر کچھ بھی نہیں

"اوکے اوکے۔میں اس دن صرف تمہیں بولتا دیکھنا چاہ رہی تھی کیونکہ مجھے لگا تمہارے منہ میں لازما زبان تالو سے جڑی ہوئی ہوگی "وہ اپنا سامان اٹھائے اسکے ساتھ ساتھ چلتی پارکنگ کی طرف آ گئی تھی۔بیک ڈور کھول کر سامان اسی میں ٹھونسا اور اسکی طرف مڑی۔

"تم رات یہیں گزارتیہو؟ "

"نہیں۔مگر کچھ دیر مزید یہاں 'اکیلے' رہنا مجھے اچھا لگے گا "وہ اکیلے پر زور دیتے ہوئے بولا تو پرِیا ہنس دی۔

"اوکے باس میں ویسے بھی جا ہی رہی ہوں جلتے ہی مت رہا کرو "وہ بائے کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔جبکہ وہ وہاں اکیلا رہ گیا تھا۔

وہ واپس مڑا اور گیلی ریت کی طرف بڑھنے لگا۔سورج تو بہت گہرائی میں اتر چکا تھا۔مگر اسکی سوچوں کی گہرائی کہیں زیادہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سانوں چھڈ کے کیہڑا حج کیتا ای؟

ایویں اپنی قدر گھٹائی اے

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی باہر بدلیوں میں چھپے چاند کو دیکھ رہی تھی۔چاند بھی وہی تھا اور تاریخ بھی وہی۔بس اس کے دیکھنے کا انداز بدل گیا تھا۔چاند کو رات دیر تک تکے جانا تو اس کی پرانی عادت تھی۔وہ آج بھی اسے تکتی تو اردگرد بھول جایا کرتی تھی۔ مگر اب دیکھنے میں صرف بےخودی تھی تڑپ ختم ہو چکی تھی۔پہلے دیکھتی تو باتیں کیا کرتی تھی۔اب بس دیکھے جانا اور خاموش رہنا عادت میں شامل ہوا تھا۔

اس پر سوچوں کی بوچھاڑ ہونے لگی تھی۔وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔ اسے سوچوں میں غرق نہیں ہونا تھا۔ اسے حقیقت میں رہنا تھا۔

واش روم گئی وضو کیا اور اپنا وہ جائے نماز اٹھایا جس کے لیے وہ لوگ لڑا کرتے تھے۔اس نے ہر وہ راہ چھوڑ دی تھی جہاں اس کے قدموں کی ذرا سی چاپ بھی سنائی دیتی تھی۔مگر ایک چیز وہ آج بھی چھوڑ نہ پائی تھی۔نیوی بلیو رنگ کا وہ جائے نماز۔اس پر اس نے کبھی 'اسے' نماز ادا نہیں کرنے دی تھی۔صرف ایک بار وہ نماز ادا کر پایا تھا اِس جائے نماز پر۔مگر اس ایک دن کے بعد وہ جائے نماز کسی اور کے حصے میں آیا تھا نہ اس نے شعوری کوشش سے کسی کو لینے دیا تھا۔

جائینماز بچھا کر وہ اپنے ادا کیے جانے والے الفاظ میں دل لگانے لگی۔ وہ الفاظ اس کے دِل پر پھاہے رکھ رہے تھے۔

بعض دفعہ اللہ آپکو آپکی سب سے پسندیدہ چیزوں اور لوگوں سے دور کر دیا کرتا ہے ۔مقصد آپ کا دل دکھانا نہیں ہوتا۔دراصل آپکا اس رب کے قریب ہونا مقصود ہوتا ہے۔اگر کہیں بھی محسوس ہو کہ آپ اکیلے ہو تو مت بھولنا کہ آپ کم از کم 'اکیلے' نہیں ہو سکتے۔ اللہ کبھی بھی کسی کو اکیلا نہیں کرتا۔اس کا نام ذرا دل سے لو۔دِل کی

گہرائی سے پکاروا سے۔آپ کی ماں آپکی ایک پکار پہ اتنا تڑپتی ہے تو وہ کتنا پاس آتا ہوگا۔کبھی امید نہیں کھونی،کبھی اداس نہیں ہونا کیونکہ وہ کبھی امید توڑتا نہیں ہے وہ دِلوں کو جوڑنے والا ہے۔ وہ نورعلی نور کر دیا کرتا ہے۔

وہ زاروقطار رونے لگی۔آنسو اس کے دوپٹے کو بھگونے لگے مگر اسے دھن سی لگ گئی تھی۔اسکا دِل کیا وہ سبز پرندہ بن کر آسمان کی طرف نکل جائے۔دور بہت دور چلی جائے جہاں وہ اور اس کا اللہ ہو۔سب فنا ہو جائے بس اس کا اللہ کے ساتھ تعلق رہ جائے۔سب ختم ہو جائے بس وہ ہو اور اللہ ہو اور وہ بس اسے دیکھتی رہے وہ بس نظر آ جائے۔

اس کا دِل بے اِختیار ہوئے جا رہا تھا۔آنکھوں سے آنسو جھڑتے جا رہے تھے۔

نماز ختم ہوئی تو وہ سجدے میں گر گئی۔ اسکی تڑپ بڑھنے لگی تھی۔ آنسوں میں شدت آ گئی تھی۔ اسکا وجود ہچکیاں لے رہا تھا۔

"اے میرے اللہ !میں بہت گنہگار ہوں۔میں تو اِس قابل بھی نہیں کہ کچھ مانگ سکوں۔اللہ مجھے تو چاہیے ہے۔ مجھے بس تو چاہیے ہے۔وہ جِسے تو نے میرا محرم بنایا وہ تو مجھے خاک کر گیا اللہ۔یا اللہ میں اس کی چاہ نہیں مانگتی۔میں تیری چاہ مانگتی ہوں۔مجھے تیرا در چاہیے۔مجھے اس شخص سے بے نیاز کر دے اللہ۔یا اللہ میں دلدل میں ہوں مجھے نکال۔میں بھنور میں پھنس چکی ہوں مجھے سہارا دے۔میں لوگوں کی نگاہیں نہیں سہہ سکتی اللہ۔میں اپنی ماں کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔میں اپنے باپ کو سوچوں میں گم نہیں دیکھ سکتی۔مجھے سبب دے ایسا کہ میں تیری چاہ پہ رشک کروں"

سجدہ اسے سکون دینے لگا تھا۔اسے لگا کوئی پاس بیٹھا اسے تھپکیاں دے رہا ہے۔دِل میں سکون اترنے لگا۔ یہ لمحہ بہت پر کیف تھا۔ وہ سجدے سے اٹھی تو وہیں جائے نماز پر سجدے کی جگہ ہاتھ پھیرنے لگی۔اسے جیسے کسی چیز کی تلاش تھی۔آنکھیں ایک بار پھر سے بھیگنے کو تیار تھیں جب اسے دروازے پر کھٹکا سنائی دِیا۔اس کا ہاتھ بے اِختیار آنکھوں تک گیا اور چہرے سے آنسوں کے نشان مٹانے لگی۔

مگر آنکھیں تو چغلی کھا ہی جایا کرتی ہیں ناں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عائشہ بیگم آج کل چپ چپ تھیں۔دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے کتراتے پھرتے۔نظریں ملانا بھی دشوار لگ رہا تھا۔دوسری طرف انہوں نے سعدیہ کو بھی آنے سے منع کر دیا تھا کہ اگر وہ آتیں تو یقینی طور پر جمال صاحب اپنا فیصلہ سنا دیتے جو کہ اب صرف یہی ہو سکتا تھا کہ عنید کی طرف سے طلاق کے کاغذات بنوا لیے جاتے اور بچی کو آزاد کر دیا جاتا تاکہ جلد یا بدیر کبیر صاحب اپنی بیٹی کے لیے کوئی اچھا بر ڈھونڈ سکتے۔ان کا عنید چھبیسویں سال میں لگ چکا تھا بھانجی بھی تو بس دو سال ہی چھوٹی تھی ان کے بیٹے سے۔ ہاہ ! کتنے چاہ سے دونوں بہنوں

نے مِل کر نکاح کیا تھا۔ کتنے ناز اٹھواتے تھے دونوں۔ اور اب۔۔۔

ان کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔ دِل ہولتا تھا۔ اِس لیے نہیں کہ بیٹا دور ہو جائیگا، اِس لیے بھی نہیں کہ بھانجی دور ہو جائیگی۔ بلکہ اِس لیے کہ بہن سے دور رہنا انکو گوارا نہیں تھا۔ ان کے شوہر تو ٹھنڈے مزاج اور دماغ کے اِنسان تھے مگر سعدیہ کو ہمیشہ کبیر سے دھیما رہنا پڑتا تھا کیونکہ وہ بہت غصہ ور تھے۔ اگر یہ رِشتہ ٹوٹتا تو نقصان ان بہنوں کا ،ان کے خاندان کا ہونا تھا۔ دراڑ پڑ جاتی تو شاید ہی کوئی اِس دراڑ کو بھرتا۔

وہ سوچوں میں گم تھیں جب انہیں فون کی گھنٹی نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ فون اٹھایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"مما کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک تو ہے ناں؟ آر یو آل رائٹ؟" وہ ایک دم سے پریشان ہوتا سوال کر رہا تھا۔

"عنید تو آتا کیوں نہیں؟ تیرے بابا فیصلہ کیے بیٹھے ہیں۔ تیرے چھوٹے پاپا تجھ سے الگ ہو جانا چاہتے ہیں۔" وہ بلکنے لگی تھیں۔

"عنید تیری ماں تو یہ برداشت کر لے گی مگر تیری ماں کی ماں جائی مر جائے گی۔ وہ نہیں برداشت کر پائے گی" وہ روتے ہوئے سب بتا رہی تھیں جبکہ دوسری طرف اس کا دِل سکڑا تھا۔

" کونسا فیصلہ مما؟ " آواز ڈوبتی ہوئی تھی۔

"طلاق چاہتا ہے کبیر۔ بیٹی والے ہیں عنید۔ بیٹی چاہے دو سال کی بھی ہو ایک فرض سر پر پڑا رہتا ہے۔ اور کبیر کے غصے کا بھی تمہیں معلوم ہے۔ صرف تم غصے میں اسے ہینڈل کر پاتے تھے۔ اب دیکھو، کیسا ناراض کر گئے ہو اسے" وہ روتی ہوئی شکوہ کناں ہوئیں۔ عنید چپ ہو گیا تھا۔ وہ کیا بولتا۔ کچھ تھا ہی نہیں بولنے کو۔ الفاظ یہیں تو ساتھ چھوڑتے تھے۔ اس کی خاموشی پر انہیں لگا کہ لائن کٹ گئی ہے تو وہ بے چین ہوتی ہیلو ہیلو کرنے لگیں۔

"جی مما"!

" کیا ہوا؟ "وہ پریشان ہوئیں۔ "آنی نے کچھ کہا تھا؟ "وہ آہستہ سے بولا۔

"بیٹی کے ماں باپ اپنے منہ سے نہیں کہا کرتے۔ ہمیں خود احساس ہونا چاہیے" وہ چپ رہا تو عائشہ اسے دھیما دیکھ کر خود بھی سنبھلیں تاکہ سمجھا سکیں۔ "عنید میری تربیت کی کچھ تو لاج رکھو۔ ہم فورس نہیں کر رہے۔ اگر کوئی شکایت ہے تو بتا۔ تب بھی تمہارے اچھے کے لیے فیصلہ لیا تھا۔ تم تب بھی نہیں سمجھے تھے۔ اب تو کچھ کہو" وہ روہانسی ہوئیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مما" آواز بہت تھکی ہوئی تھی۔

"تو کیوں ہمیں اِتنا پریشان کر رکھا ہے؟ اگر نہیں نبھانا چاہتے تو بتا دو بیٹا !اس معصوم کی زندگی خراب نہ کرو" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ مگر وہ اب کی بار بھی خاموش ہی رہا۔

"میں تمہارے بابا کو ٹھنڈا رکھوں گی اور تمہیں بھی لاسٹ وارننگ دے رہی ہوں۔ مجھے ایک دو دن کے اندر بتا تم چاہتے کیا ہو۔ اگر نہیں نبھا سکتے تو ٹھیک ہے طلاق دے دو تا کہ اس کے ماں باپ اس کے لیے بہترین جگہ پر 'بہترین 'جوڑ ڈھونڈ سکیں "وہ ذرا سختی سے بولیں۔ان کے لہجے میں موجود طنز بھی وہ محسوس کر سکتا تھا۔وہ حق بجانب تھیں۔

"بابا کہاں ہیں؟ "اس نے بات بدلی۔

"آفس گئے ہوئے ہیں۔آج کل گھر پر کم ہی ہوتے ہیں۔تمہاری مصروفیت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا عنید "

"مما! آپ کو معلوم ہے میں۔۔۔"

"سب معلوم ہے۔اب جو کہا ہے اس پر سوچ لو، اِس سے پہلے کہ تمہارے بابا اپنا فیصلہ سنائیں "انہوں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"میں کچھ دِن تک بتا۔۔۔ "

"تمہارے یہ کچھ دِن بہت طویل نہ ہوں یہ میں آخری بار کہہ رہی ہوں۔ ہم چاہیں تو زبردستی بھی کر سکتے ہیں" اس کی بات ایک بار پھر کاٹتے ہوئے انہوں نے اسے ڈپٹا تھا۔

"آپ نے چیک اپ کروایا؟ "اس نے اصل بات سے ہٹانا چاہا۔

"بات بہت گول کرنے لگے ہو تم "اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہنس دیا۔اِتنے میں ڈور بیل ہوئی تو وہ بولیں "تمہارے بابا آ گئے ہیں۔میں اب فون رکھتی ہوں بس دو دن کے اندر مجھے جواب چاہیے۔اور جواب مثبت ہو تو تمہاری ماں کا مان رہ جائیگا عنید۔رکھتی ہوں اب۔اللہ حافظ "!

"اللہ حافظ "اس نے بھی کہا اور لائن کٹ گئی۔

عائشہ اب بہت حد تک مطمئن تھیں۔وہ اٹھیں اور دروازہ کھولنے چل دیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے آنکھ کھولی تو پہلے اِردگرد دیکھا۔پھر بیڈ کے بالکل سامنے لگے ہوئے وال کلاک پر ٹائم دیکھا۔وہاں دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"میں اِتنی دیر تک کیسے سو سکتی ہوں "وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتی ہوئی خود سے ہم کلام ہوئی۔

"پاگل رات تم دیر سے سوئی تھیں " کچھ یاد آنے پر وہ بولی اور اپنے سر پر خود ہی چپت لگا کر ہنس دی۔

بستر سے نیچے چھلانگ لگائی اور بال باندھ کر واش روم کی طرف چل دی۔فریش ہو کر وہ سیدھی کمرے سے باہر آئی تھی جہاں نینی یقیناً بیلن لے کر اسکا بے صبری سے اِنتظار کر رہی تھیں۔

مگر وہاں کا منظر کچھ یوں تھا۔

نینی صوفے پر دراز تھیں۔ ہاتھ میں ٹیب پکڑا ہوا تھا اور کسی سے کھلکھلا کر باتیں کر رہی تھیں۔ وہ یقیناً ان کی نواسیاں تھیں۔ جبکہ اسنے کچن میں کچھ کھٹر پٹر محسوس کی تو وہ تھوڑا آگے آئی۔ وہاں عنیزہ بری طرح کچھ بنانے میں مصروف تھی۔ وہ اس کے پاس چلی گئی۔ پرِیا نے ایک پل اوور کے ساتھ ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ جبکہ عنیزہ نے ہلکے گلابی رنگ کا فراک پہن رکھا تھا جس کے بازو اس نے فولڈ کر رکھے تھے اور بھورے بال چٹیا میں قید کر رکھے تھے۔ سر پر میرون اور گلابی رنگ کا مفلر اوڑھا ہوا تھا۔

"زندگی میں سکون کیسا لگ رہا ہے میڈم روز پیٹل؟ " وہ کاؤنٹر پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کے بولنے پر عنیزہ کام سے ہاتھ روک کر نا سمجھی میں اسے دیکھنے لگی۔

"وہ توپ کی گولہ باری نہیں ہے یہاں اداس تو نہیں ہو گئیں تم؟" وہ آنکھوں میں شرارت لیے ہوئے بولی تھی۔

"اس کو تم یاد بھی نہیں ہو گی اور تم ہو کہ ہر دوسرے دِن اسے یاد کرتی ہو " وہ بات سمجھ کر ہنستی ہوئی پھر سے کام میں مصروف ہوئی۔ پرِیا بھی ہنسنے لگی تھی۔ وہ کاؤنٹر پر پڑی ٹوکری میں سے سیب نکال کر کھانے لگی تھی۔ اس نے مڑ کر نینی کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی بات کر رہی تھیں۔

"یہ نینی کو آج کیا ہو گیا ہے؟ آج بیلن نہیں پکڑا ہوا " وہ حیران تھی۔

"وہ میری مما سے بات کر رہی ہیں " اس نے بتایا تو پرِیا منہ کھولے اسے دیکھنے لگی۔

"میری تو بات نہیں کروائی تم نے اور نینی سے ایک دِن کے تعارف میں ہی ماما سے بات کروا دی " وہ اسے گھور رہی تھی۔

"ابھی کروا دیتی ہوں " وہ خوامخواہ شرمندہ ہوئی تھی۔

"تم یہ بھی تو کہہ سکتی تھیں کہ تم لیٹ آئی تھی۔ یا ایسا کچھ بھی۔ خود بھی شرمندہ ہوتی ہو اور مجھے بھی کرتی ہو " پرِیا نے افسوس سے سر ہلایا۔ اِتنے میں نینی بھی چلی آئی تھیں۔

"تمہاری مما کلازیم کے بارے میں بھی جانتی ہیں۔ کیا تم جانتی ہو؟ " وہ پرِیا کو مکمل طور پر نظر انداز کرتی ہوئیں عنیزہ سے مخاطب ہوئیں۔ وہ اٹلی کے دارالحکومت روم کے بالکل مرکز میں موجود ایک قدیم تھیٹر کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ آواز میں محسوس کیےجانے والا خوشی اور جوش تھا۔

"جی " وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ نینی اس کے ساتھ کام کروانے لگی تھیں۔ پرِیا سیب کترتی ہوئی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے۔ اور میں سمجھتی تھی ایسا نہیں ہو گا " اب نینی بول رہی تھیں۔

"نینی آ پکو ایک اور بات بتاں، پرِی آپ کے بیلن کا اِنتظار کررہی تھی "وہ شرارتاً بولی تو وہ اپنی جون میں واپس آئی
۔ "جی نہیں نینی۔ جھوٹی ہے یہ ایک نمبر کی "وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔
"اللہ جانتا ہے اِس وقت تم خود جھوٹ صفائی سے بھی نہیں بول پائی "نینی بولیں۔ پری تو ہنس دی تھی مگر عنیزہ جو بہت پرسکون تھی اچانک چونک کر دونوں کے چہرے کھوجنے لگی۔ اب وہ سوچوں میں گم ہو چکی تھی۔ جب اچانک سے پرِیا نے اس کے بازو پر چٹکی بھری تھی۔ وہ سی کرتی ہوئی متوجہ ہوئی۔
"ہر وقت گم رہتی ہو تم، حاضر بھی رہ لیا کرو "وہ اس کی چٹیا کھینچتے ہوئے وہ بولی تو وہ ہنس دی۔
"خود بھی تو ابھی گم تھیں "اس نے بھی پریا کے گال پر چٹکی بھری۔
" کل تم جیسا ہی ایک نمونہ بھگتا کے آئی ہوں "وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی تو عنیزہ گھورتے ہوئے گویا ہوئی"
کیا مطلب نمونہ؟"پرِیا نے اس کے سامنے سے ٹرے اٹھائی جس میں نینی نے رِفش سجا کر رکھی ہوئی تھی۔ خوشبو اِشتہا انگیز تھی۔ وہ کھانے کو بے تاب ہوئی، ڈائیننگ ٹیبل کی طرف چل دی تھی۔ عنیزہ بھی اس کے پیچھے گئی تھی۔
"مطلب رہنا کسی اور دنیا میں مگر اِس دنیا کی بھی پوری خبر رکھنا "وہ دونوں اب ٹیبل کے اِرد گرد نینی کے دائیں بائیں بیٹھ گئی تھیں۔ عنیزہ تھوڑا سا آگے ہوئی اور کھانا سرو کرنے لگی۔
"جاب سے کس وقت آ گی؟ "پرِیا نے پوچھا۔
"منحصر ہے کام پر۔ کوئی فکسڈ ٹائمنگ نہیں ہوتی "وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ نینی اِس دوران خاموش تھیں۔
"آج پھر کسی بھی طرح جلدی آ جانا۔ رات میں اِکٹھے بیٹھیں گے "پرِیا نے کہا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔
وہ یوں ہی ہلکی پھلکی باتیں کر رہی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر پرِیا اور عنیزہ جانے کے لیئے تیار ہوئیں۔ پرِیا نے پہلے عنیزہ کو ڈراپ کرنا تھا پھر اپنے کل کے ادھورے کام کو مکمل کرنا تھا۔
ان کے جانے کے بعد نینی ایک کھڑکی کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور نِٹنگ کرنے لگیں۔ یہ ان کا پسندیدہ کام تھا۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
جب سے انہوں نے اس سے بات کی تھی، اسے بے چینی نے گھیر رکھا تھا۔ ان کی کہی باتیں سو فیصد ٹھیک تھیں۔ مگر اس کے پاس اِس سب کا حل طلاق تھا اور نہ ہی واپس جانا۔ اسے اپنی بات کا بھرم عزیز تھا۔ آخر مرد تھا اپنی غلطی تسلیم کرنے میں زندگی ختم کر دیتا، بھلے دِل کرلاتا رہتا مگر انا اور ضد ختم نہ ہوتی۔ لیکن ظاہر ہے وہ واپس نہ جاتا تو بابا اس سے پوچھنے کی زحمت کیے بغیر اپنا فیصلہ سناتے اور ہر صورت میں اس سے عمل بھی کرواتے اور وہ بے بس سا

دیکھتا رہ جاتا۔

وہ باہر نکلا اور اپنے اپارٹمنٹ کے چھوٹے سے لان میں چلا آیا۔

اسے ہر حال میں مما کو ہاں یا نہ میں جواب دینا تھا۔اسے کیا کرنا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔ لا متناہی سوچوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔

"میں ہی کیوں اکیلا اِس عذاب میں ہوں۔دور تو وہ بھی ہوئی تھی۔پھر اب فیصلہ اس سے کیوں نہیں مانگا جا رہا۔اب کیوں خاموش ہیوہ "

"یقیناً وہ بھی یہ تعلق توڑنا نہیں چاہتی "دِل خوش فہم ہوا۔

"نہیں۔اس نے کہہ دِیا تھا کہ اب میں نہیں آنگی کبھی۔ "اس نے دِل کو ڈپٹا مگر دِل کیڈوبنے پر تکلیف خود کو ہوئی تھی۔

"تم غلط بیانی کرر ہے ہو۔اس نے کہا تھا جب تک تمہارا ذہن گوارہ نہ کرے تب تک ہم ایک دوسرے کا سامنا نہیں کریں گے "دِل چوٹ سہتا ایک بار پھر سے کھڑا ہوا تھا۔

"تو وہ چپ کیوں ہے؟مجھ پر ہی سب ملبہ کیوں گر رہا ہے؟ "وہ کرلایا۔

" کیوں کہ ابتدا تم نے کی تھی "دِل نے ہولے سے کہا اور گہرائی میں اسے ڈھونڈنے کوڈوبا جِسے شعوری کوشش میں گنوا دِیا گیا تھا۔عنید نے بے اِختیار دِل پر ہاتھ رکھا تھا۔دِل کی بات روح تک میں گھا لگا گئی تھی۔

"ہاں شاید یوں ہی کچھ تھا "وہ ٹھنڈی گھاس پر بیٹھتا چلا گیا۔"اسے کچھ تو میرے درد کا اندازہ ہوگا "وہ رونے لگا۔ بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے وہ درد کی شدت سے دہرا ہو گیا۔

"عنید تم مجھے سوچا کرو کیکیونکہ تب صرف سوچوں کی گنجائش ہوا کرے گی "دور کہیں سے وہ آواز آئی تھی۔وہ بے چین ہو ہو گیا۔اس کے پاس واقعی اب بس سوچیں تھیں۔

"بات کو طول مت دو۔ وہ بہت ہی معمولی بات تھی۔وہ بھول چکی ہوگی اور تمہارا اِنتظار کرتی ہوگی "دِل ایک بار پھر سے دھڑکا تھا۔

"میں کیسے اس کا سامنا کرونگا "وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا جہاں چھوٹی چھوٹی بدلیوں نے چاند کو چھپایا ہوا تھا۔ اسے بے اِختیار وہ یاد آئی تھی۔وہ آنکھیں میچے دکھ کو اندر گہرائی میں اتارنے لگا۔

"یا اللہ !جیسے میرے دِل میں اس کے لیے بھلائی ڈالی ہے اِسی طرح اس کا دِل بھی میرے لیے بھلائی پر آمادہ کر دے۔میں اسے وہاں سوالیہ نشان بنا کر چھوڑ آیا ہوں۔اسکا محرم ہو کر بھی کچھ حیثیت نہیں میری۔تو نے اسے میرا بنایا تھا یہ تیرا فیصلہ تھا اللہ۔میں نے تیرے فیصلے کی نفی کرنی چاہی۔مجھے معاف کردے میرے اللہ میں بیبس ہوں۔

میں تجھ سے دنیا کی عورتوں میں سے وہ مانگتا ہوں جسے تو نے میرے لیے پسند کیا اور میں اسے ٹھکرا آیا۔ اللہ میرا دِل اگر پھیر دِیا ہے تو عقل کو بھی وسوسوں سے نجات عطا کر۔ اللہ ! مجھے اپنے سب فرائض ادا کرنے کی توفیق دے۔ اللہ ! مجھے موقع اور ہمت دے میں اس کے پاس جا کر اپنی کم ظرفی کا کھلے دِل سے اعتراف کر سکوں "

وہ وہیں گھاس پر سجدے میں گرا زاروقطار رو رہا تھا۔

کہاں لے جاں گا تجھ کو، شبِ تاریک میں اس وقت

اے میرے دکھ ! میں بے بس ہوں، میرے پہلو میں ہی سو جا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اے آنکھیں بند رکھو ناں "پرِیا نے اسے آنکھیں کھولتی دیکھا تو اسکے سر پر چپت لگائی۔ وہ فوراً آنکھیں بند کر گئی۔ نینی سونے جا چکی تھیں جبکہ پرِیا اسے لیے اپنے سٹوڈیو میں آ گئی تھی۔ اپنی پینٹنگ تو وہ اس دِن مکمل نہ کر پائی تھی مگر اب اسے یاد آیا کہ ابھی بھی اس کے پاس ایک چیز تھی جو تحفتاً اسے دے سکتی تھی۔

"آنکھیں کھول لیں مادام ! سرپرائز اِز ویٹنگ فار یو "پرِیا کے کہتے ہی اس نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ سامنے کہیں نہیں تھی۔

"پیچھے "پرِیا نے ہدایت کی۔

"وہ پیچھے مڑی تو آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ پرِیا نے سامنے ایک کینوس کو بہت ہی پیارے رِبن سے باندھا ہوا تھا۔

"امیزنگلی ایڈوریبل "وہ بے اِختیار بولی تو پرِیا شرارت سے ابرو اچکائے اسے دیکھنے لگی۔

"تم یا پینٹنگ؟ "وہ صرف مسکرا دی۔ سامنے کینوس پر عنیزہ کی ہی تصویر بنائی گئی تھی۔

"تم جب فرسٹ ٹائم ملی تھیں وہاں ہال میں۔ تب تمہارے یہی ایکسپریشنز تھے "وہ مسکراتی ہوئی ایک طرف پڑا اسٹول کھینچ کر بیٹھ چکی تھی۔

عنیزہ کو سمجھ نہ آیا کہ وہ اب آگے کیا بولے۔

چلو آ کافی بناتے ہیں پھر باہر لان میں بیٹھ کر اِنجوائے کرتے ہیں ٹپیکل ایشین بن کر "پرِیا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسٹوڈیو سے باہر کی طرف چل دی۔

کچن میں آ کر دونوں کافی بناتے ہوئے بھی باتیں کر رہی تھیں۔

"میری بہن مجھ سے زیادہ خوش ہو گی اور دیکھنا تمہاری اب وہ دِن رات جان کھایا کرے گی کہ مجھے بھی بنا کر دو" عنیزہ کافی چھینٹتے ہوئے بولی۔

"اور مجھے اچھا لگے گا جب وہ مجھ سے فرمائش کرے گی "پرِیا نے دودھ گرم کیا اور عنیزہ نے کافی مکس کی۔کریم ڈالنے کے بعد ہلکا سا کافی پاؤڈر چھڑکا مگ اٹھائے اور باہر کی طرف چل دیں۔رات پورے جوبن پر تھی۔لان میں ایک طرف ایک میز اور دو کرسیاں رکھی گئی تھیں۔وہ دونوں چلتی ہوئی اس طرف آ ئیں۔

"عنیزہ "پرِیا نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"جی "عنیزہ اس کے اپنا نام بولنے پر حیران ہوئی تھی۔

"تم ہر وقت حجاب میں کیوں رہتی ہو؟ "پرِیا نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"تا کہ میں راستوں سے گزروں تو میری پہچان ہو جائے کہ میں مسلمان ہوں "

"عنیزہ میں بھی حجاب لینا چاہتی ہوں "پرِیا نے تھوڑا سا آگے ہوتے ہوئے کہا۔

"تو لے لیا کرو اس میں مشکل کیا ہے "وہ مسکرا کر بولی۔

"ہے مشکل۔لوگ آپ کو ایکسیپٹ نہیں کرتے۔ "

"لوگوں کی عادت ہے۔تم کچھ بھی کر و کیڑے نکالیں گے ہی۔اور تم یہاں لیتی بھی ہو حجاب تو کوئی تمہیں پرسنلی نہیں کچھ کہنے والا۔ایسے لوگ ہمارے پاکستان اور انڈیا میں یہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں اور تم تو۔۔۔۔"

"میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں "پرِیا اچانک سے بولی تھی تو عنیزہ رکی تھی۔دِل نے بیٹ مِس کی۔

"تم نے اِسلام کو اسٹڈی کیا ہے؟ "وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں !میں نے اپنی ماں سے اِسلام کی باتیں سنی ہیں۔انکی خواہش تھی کہ وہ اِسلام قبول کر لیں۔انہوں نے قران کا ترجمہ نہیں پڑھا تھا۔انہوں نے اس کے لیے باقاعدہ عربی سیکھی تھی۔ "مگ میز پر رکھا اور اوپر چاند کو دیکھنے لگی جو کبھی بدلیوں میں چھپتا اور کبھی چھب دکھا جاتا۔اتفاقاً آج موسم اچھا تھا کہ برف باری کا کوئی امکان نظر نہ آ تا تھا۔

"ڈیڈی پوری طرح ممی کے ساتھ تھے۔وہ ممی کے ساتھ ہی اِسلام قبول کرتے۔مگر جب سب کچھ سوچا جا چکا تو ممی اچانک سے ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں "وہ بولی تو لہجے میں ڈھیروں اداسی تھی۔عنیزہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"ممی کی ڈیتھ کے بعد،ڈیڈی یہاں شفٹ ہو گئے۔ انہوں نے میری تربیت کے لیے کوئی عیسائی،ہندو یا کسی بھی اور مذہب کی گورنس نہیں چنی۔وہ اب بھی کہتے ہیں کہ میں ایک ایسی عورت کی بیٹی کو کسی غیر مذہبی کے ہاتھ کیوں تھما دیتا جو اِسلام کی عاشق تھی۔ ان کا اِنتخاب نینی تھیں۔کیونکہ وہ مسلمان تھیں۔وہ چاہتے تھے کہ وہ خود اب مسلمان ہو جائیں۔مگر انہوں نے پہلے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ممی کی طرح عربی تو انہوں نے نہیں سیکھی مگر ہر قسم کا ترجمہ پڑھ کر دیکھا۔اور اِتنے سالوں بعد۔۔۔جب آج ان کی کال آئی شام میں۔انہوں نے کہا پری میں

آنے والا ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ اِسلام قبول کروں "وہ بات کرتی ہوئی ننگے پاں ٹھنڈی گھاس پر چلنے لگی تھی۔عنیزہ نے بھی اس کی تقلید میں اپنے پاں سلیپرز سے آزاد کیےاوراس کے ساتھ چلنے لگی۔

"یہ سب اسٹڈی تو تمہارے والدین کی تھی پری۔تمہاری اپنی ریسرچ کہاں ہے؟ "وہ جوتب سے خاموش تھی پرِیا کے رکنے پر بولی۔

"میں نے اسٹڈی نہیں کیا۔میں نے سیکھا ہے۔ نینی نے مجھے نماز تک پڑھنا سِکھایا ہے عنیزہ۔اور جوسکون مجھے نماز میں آتا ہے وہ سکون مجھے ممی ڈیڈی کی یاد میں بھی نہیں آتا۔میں بہت زیادہ نماز نہیں پڑھتی ہوں۔مگر جب پڑھتی ہوں تو مجھے نہیں ہوش ہوتا کہ میں کہاں ہوں "وہ بھیگی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی جبکہ عنیزہ کے دِل میں سکون اتر رہا تھا۔اسے اپنا آپ اس سے بہت چھوٹا لگا،مگر اس کے ساتھ ہونے پر دِل خوش تھا،اللہ نے اب کی بار بھی اسے منفرد لوگ عطا کیے تھے۔

"تمھیں پتہ ہے ہندو مت کی پرانی اور اصل ورژن کی کتابوں میں بھی پرافٹ محمدﷺ کا ذِکر آتا ہے "وہ ایک دم سے پرجوش ہوتی اس کی طرف مڑی تھی۔ وہ مسکرادی۔

"تمھیں عجیب لگا کیا؟ "پرِیا بولی تو وہ جوبس اسے دیکھ رہی تھی اس نے اسکا ہاتھ تھام کرلوسینڈوچ) دونوں ہاتھوں کے درمیان اس کا ہاتھ رکھ کر (بناتے ہوئے تھوڑا اونچا ہوکر اسکا ماتھا چوما تھا۔پرِیا کھل کر مسکرادی۔

"مجھے بہت اچھا لگ رہا سب کچھ۔میں بھی لوگوں سے زیادہ گھلتی ملتی نہیں ہوں تمہاری طرح پری۔اور جب تم مجھے ملی تھیں مجھے برا لگا تھا۔لیکن آج سمجھ آرہا ہے۔اللہ کے فیصلے ہمارے فیصلوں سے ہمیشہ افضل ہوتے ہیں۔اس نے خود مجھے تم سے ملوایا تھا "وہ جھلملاتی آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔

"عنیزہ میرے لیے ایک دعا کروگی؟ "وہ بولی۔

"ہاں ناں شیور "!وہ مسکرائی تھی۔

"دعا کرنا کہ وہ اپالو کو اسکی بیلرینا مل جائے "وہ اداس سی بولی اور واپس ٹیبل کی طرف چل دی۔جبکہ عنیزہ حیران ہوئی۔

"کیا ہوا بھئی؟ "اس نے ویسی ہی حیرانگی سے سوال کیا۔

"کیا ہونا تھا۔کچھ بھی نہیں ہوا "پرِیا نے کہا اور اپنا خالی مگ لیے اندر کی جانب بڑھنے لگی۔

"جی نہیں !میڈم پرِیا دی گریٹ آرٹسٹ کسی کے غم میں مبتلا ہیں "اسنے ساتھ چلتے ہوئے اپنا کندھا اس کے کندھے کو مارتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"جی نہیں ٹویوٹو !میں کسی کے غم میں مبتلا نہیں ہوں"وہ اسے گھورتی ہوئی آگے بڑھی۔

"لگ تو یوں ہی رہا ہے "عنیزہ فوراً سے اس کے سامنے آئی تھی۔

"حدِادب گستاخ !میں نے ایسا غم نہیں پالا ابھی "وہ بولی۔

"آہم آہم ! گستاخی معاف حضور مگر کنیز کو آپ گل وگلزار ہوتی نظر آ رہی ہیں "عنیزہ آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولی تو پرِیا نے اس کے بازو پر چٹکی بھری۔

"رہنے دو ایک تو بہت ہی سڑا ہوا بندہ ہے دوسرا وہ کسی اور کا ہو چکا ہے تیسرا اِتنے حسین لوگوں کو اپنا بہت زعم ہوتا ہے ۔ میں سادگی پسند ہوں مجھے جو پسند آئیگا وہ بہت عام سا ہوگا مگر بہت خاص ہوگا دیکھنا تم بلکہ بیٹ لگا لو "اس نے آخر میں ہاتھ آگے بڑھایا تھا مگر عنیزہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا کر زور سے بھینچا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج اسے اپنی سب پینٹنگز کو فریمز میں سیٹ کروانا تھا اور جو پینٹنگ وہ مکمل نہ کر پائی تھی وہ بھی مکمل کرنی تھی جبکہ عنیزہ کو یونیورسٹی جانا تھا ۔اس کا فائنل سمسٹر چل رہا تھا۔پرِیا نے اسے ساتھ چلنے کی آفر کیکہ اسے ڈراپ کر دے گی۔دونوں نے ناشتہ کیا اور باہر آ گئیں۔پرِیا تو ویسے بھی آج کل بہت خوش تھی۔ایک تو عنیزہ کو گھر لے آئی تھی دوسرا ڈیڈ کی فلائٹ بھی کنفرم ہو چکی تھی۔اور خوش تو عنیزہ بھی بہت تھی۔اسے یہاں ہر طرح کا سکون میسر تھا۔

پرِیا کو اپنے ڈیڈ کے آنے سے پہلے اپنے سب کام ختم کرنے تھے تا کہ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزار سکے۔ اسے بے چینی سے ان کا اِنتظار تھا۔وہ پانچ ماہ بعد آ رہے تھے۔

وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھیں۔اس نے آج عنیزہ کی مما اور بہن سے بھی بات کی تھی اور عنیزہ کی بہن اس سے بات کر کے بہت خوش تھی۔اس نے اسے اپنا بھی اسکیچ بنانے کو کہا تھا۔ اور پرِیا فوراً راضی ہو گئی تھی جس پر وہ مزید خوش ہوئی تھی۔

وہ لوگ عنیزہ کی یونیورسٹی پہنچ چکی تھیں۔اس کے ڈیپارٹمنٹ کے پارکنگ ایریا میں اسے اتار کر اس نے گاڑی ریورس کی اور اسے آواز دی"جب فری ہوئی، بتا دینا میں ہی پک کروں گی۔کلیئر ؟ "

"میں نے یونیورسٹی کے بعد سٹور پر بھی جانا ہے۔خود آ جاؤنگی۔تم گھر پر ٹِک کر میرا ویٹ کرنا "وہ گاڑی کی کھڑکی کی طرف جھکی ہوئی بولی۔

"بہتر سرکار "وہ سینے پہ ہاتھ رکھے تھوڑا جھک کر بولی تو عنیزہ مسکرا دی۔

"فی امان اللہ "عنیزہ نے کہا تو وہ جو گاڑی آگے بڑھا رہی تھی، ٹھٹکی۔اسے بے اِختیار اپنی ممی یاد آئی تھیں۔وہ بھی ہمیشہ یوں ہی اسے یوں ہی رخصت کیا کرتی تھیں۔

وہ مسکرا دی۔بہت عرصے بعد اس نے یہ الفاظ سنے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فریبز کروانے کے بعد شام میں وہ فارغ تھی۔اس نے پارک جانے کا سوچا تا کہ اس دن رہ جانے والی پینٹنگ کو مکمل کر سکے۔

اس نے پینٹنگ کو ایزل میں سیٹ کیا اور اسے تلاش کرنے لگی جو آج وہاں نہیں تھا۔اس نے گہری سانس اندر کھینچی، کندھے اچکائے اور اسی کی مخصوص نشست کی طرف چل دی۔

وہ تقریباً ایک پرسکون جگہ تھی۔بینچ پر بیٹھ کر ٹھنڈی ہوا اس نے اندر کھینچی اور جھیل پر نظریں جما کر منظر ذہن میں لانے لگی جو اس دن اس نے دیکھا تھا۔

واپس نگاہیں کینوس پر ٹکائیں اور برش کو پینٹ میں بھگو کر اسٹروک لگانے لگی۔

" ہیے "!! وہ اتنی مگن تھی کہ اسکی آواز سے اچھل پڑی۔

'یہ ابھی تو یہاں کہیں نہیں تھا اچانک کہاں سے حاضر ہوا' اس نے سوچا اور کینوس پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دی۔

"ہائے ! کیسے ہو؟ "

" کمپلیٹ نہیں ہوئی ؟ "وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتا ہوا بولا اور اس کے دائیں طرف آ کر بیٹھ گیا۔

"نہیں "پریا کو اس کا سوال کو گول کر جانا اچھا نہیں لگا تو وہ رکھائی سے بولی۔

"سوری "وہ شرمندہ ہوا۔پریا حیران ہوئی۔'اسے پتہ لگ گیا کہ مجھے برا لگا ہے'

"فار واٹ؟ "اس نے پوچھنا مناسب سمجھا۔

"اس دن میں نے تمہارا بہت ٹائم لیا تم یہ مکمل نہیں کر پائیں "وہ بولا تو پریا کے ماتھے پر بل پڑے۔پھر ٹھنڈی سانس بھرتی ہوئی بولی"اِٹس اوکے "

اب دونوں خاموش بیٹھے تھے۔نہ تو پریا کے پاس کچھ بولنے کو تھا نہ ہی اس کے پاس۔ وہ اچانک کھڑی ہوئی پینٹنگ کو ایزل سے اتارا اور ایزل کو فولڈ کیا۔وہ سوچتی آنکھیں سے اسے دیکھ رہا تھا،اپنا کام کرنے کے بعد وہ اس کی طرف مڑی۔

"چلو آج نینی کے ہاتھ کی کافی پلاتی ہوں "اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری پینٹنگ ابھی بھی مکمل نہیں ہوئی "اس نے ایک بار پھر بات کو بدل دیا۔

"تم مجھے نہیں گھما سکتے ویسے۔یہ ایزل پکڑو اور آ "اس نے اس کے ہاتھ میں ایزل دیا پینٹنگ اور برش باکس خود پکڑتے ہوئے آگے کو چل دی جبکہ وہ حیرانگی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

تھوڑا آگے جا کر جب پرِیا کو احساس ہوا کہ وہ پیچھے نہیں آ رہا تو وہ پلٹی اور اسے گھور کر پیچھے آنے کا اِشارہ کیا۔

وہ گہرا سانس بھرتا اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" کیا ہوا مما؟ " وہ ان کو پریشان دیکھ کر بولی۔ وہ پریشانی میں کبھی کسی کمرے میں جاتیں اور کبھی کسی چیز سے الجھتیں۔ وہ ان کے پاس آ بیٹھی۔ اوران کا چہرہ تکنے لگی جو اس روز روز کی ٹینشن سے مرجھا تا جا رہا تھا۔ دل کو ٹھیس سی لگتی تھی۔

"مما "!اس نے ان کا ہاتھ تھاما۔

" کچھ نہیں "وہ بولیں تو ایسے لگا جیسے رونے کو تیار ہوں۔

"یعنی نہیں بتائیں گی "وہ ان کے ہاتھ کی پشت پر اپنی شہادت کی انگلی سے 8 کا ہندسہ بنا رہی تھی کہ ٹینشن ریلیز ہو۔

" کیا بتاں؟ "وہ اسکے جھکے ہوئے سر کو دیکھتی ہوئی بولیں۔ وہ خاموش رہی۔

"اپنے بابا کا رویہ دیکھ رہی ہوناں۔ کیا کر رہے ہیں وہ۔ میں ماں ہوں تو کیا مجھے دکھ نہیں ہوتا؟ کیا میں بھی یوں ری ایکٹ کرنے لگوں؟ "ان کی آواز میں نمی شامل ہو چکی تھی۔

"آنی سے بات کی آپ نے مما؟ "وہ ہولے سے بولی۔

"ہاں۔ انہوں نے عنید سے بات کی تھی۔ کچھ امید تو لگی ہے نور "

وہ تو امید لگائے بیٹھی تھیں مگر نور کو جو گِلے تھے وہ کبھی ختم نہ ہونے والے تھے۔ وہ ٹھنڈی سانس لیتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

"ایک طرف امید ٹوٹنے کا بھی سوچ کر رکھیں مما !اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ آپ کے بھانجے کے علاوہ بھی آپشنز مل جائیں گے۔ ڈر کو نکال دیں ذہن سے۔ میں پانی لاتی ہوں آپ کے لیے "اس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

جبکہ سعدیہ بیگم گم سم رہ گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے مڑ کر اس کے ہونے کی یقین دہانی کی تھی۔ اور وہ جو پہلے حیران پریشان سا اس کے ساتھ چلا آ رہا تھا اس کی اِس حرکت پر مسکرا دیا۔

وہ آگے بڑھی اور چابی سے دروازہ کھولنے لگی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ آگے بڑھی اور اسے بھی ساتھ آنے کا اِشارہ

کیا۔

"نینی "!اس نے اونچی آواز میں ان کو آواز دی۔

"آ رہی ہوں۔تمہارے ڈیڈ کا کمرہ سیٹ کر رہی تھی۔توبہ تم کیا کرتی رہی ہو اس کے کمرے کے ساتھ اِن دو تین ماہ میں۔میرا بچہ بیچارہ۔۔۔ "وہ مسلسل بولتی ہوئی باہر آئی تھیں مگر جیسے ہی اس کے ساتھ لڑکے کو دیکھا تو چپ ہو گئیں۔ذہن میں آیا کہ وہی لڑکا ہوگا جس کا اکثر ذکر کرتی رہتی ہے۔پھر تصدیق کرنے کو پرِیا کی طرف دیکھا جو اس سے ایزل لیکر ایک سائیڈ پر رکھ رہی تھی۔وہ مڑی اور نینی کو سکتے کے عالم میں دیکھ کر بولی "ہے ناں اپالو جیسا؟ "

"نہیں !اپالو تو انتہائی جنگجو آدمی تھا بھئی۔حد ہے ایک سادھے سیدھے بندے کو تم اپالو کہتی رہی ہو "نینی اسے ٹھک سے جواب دیتی ہوئیں آگے آئیں اور اس کا کندھا تھپتھپایا۔وہ جو خاموش کھڑا تھا، نینی کی اس بات پر مسکرا دیا۔ جبکہ پرِیا منہ بنا کر کچن کی طرف گئی فریج سے پانی نکالا اور واپس صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

"اسے بھی بیٹھنے کا کہہ دینا تھا اگر گھر لے ہی آئی ہو۔ "نینی نے اسے گھورا اور خود اسے لیے صوفے کی طرف آئیں ۔پرِیا بس منہ بنائے ان کو دیکھ رہی تھی۔نینی اس سے اب اس کا حال دریافت کر رہی تھیں۔

"نینی وہ ہمارا مہمان ہے آپ کو کافی لانی چاہیے "جب بہت دیر اس سے چپ نہ رہا گیا تو وہ بول پڑی۔

"ہاں بناتی ہوں "وہ اٹھ کر کچن کی طرف چل دیں تو اس نے عنیزہ کو بھی کال ملائی۔مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔وہ اداس سی ہو کر بیٹھ گئی۔

"میں نیمو کو تم سے ملوانا چاہتی تھی مگر وہ بزی ہوگی شاید۔ "وہ اسے بتانے لگی تو وہ مسکرا دیا۔

نینی کافی لے آئیں تو وہ لوگ ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگے کیونکہ وہ ان کی کسی بھی بات کا ہاں ہوں سے زیادہ جواب نہیں دے رہا تھا۔

ڈور بیل کی آواز آئی تو نینی مسکرا دیں۔ "لو بھئی میری بچی آ گئی۔کب سے انتظار کر رہی تھی میں تو "

"جی جی اب تو خواب میں بھی آتی ہوگی "وہ انہیں چڑاتے ہوئے دروازے کی جانب چل دی۔دروازہ کھول کر وہ عنیزہ کے قریب ہوئی۔

"اپالو آیا ہے "عنیزہ نے ہونٹ گول کر کے 'اوو ' کیا جس سے وہ شرمندہ ہوئی۔

"بدتمیز وہ صرف میری کافی کی آفر پر آیا ہے "اس نے اس کے بازو پر چٹکی بھری۔وہ ہنس دی۔

دروازہ بند کر کے وہ دونوں ایک دوسرے کو آنکھیں دِکھاتی ہوئی لانج تک آئی تھیں۔عنیزہ فوراً نینی کے پاس گئی۔ اپنی کتابیں اور بیک پیک ایک سائڈ ٹیبل پر رکھا اور ان کی طرف دیکھا۔انہوں نے بانہیں وا کیں تو وہ ان میں سما

گئی۔

"اتنی دیر کیوں لگائی "وہ ناراضگی سے پوچھنے لگیں۔

"شٹل رہ گئی تھی تو مجھے ٹیکسی کروانی پڑی "وہ شرمندہ سی بتا رہی تھی۔

"ہاں اور جو میں نے کہا تھا کہ پک کرلونگی؟ "پرِیا نے اسے گھورا تو وہ ہنس دی۔

"خیر۔دیکھو یہ اپالو ہے۔اور اپالو !یہ میری نیمو۔۔۔آہم آئی مین عنیزہ ہے "وہ اسے لیے اپالو کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی اور تعارف کروانے لگی۔وہ سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔مگر پرِیا کے 'عنیزہ ' کہنے پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔جبکہ عنیزہ جو پرِیا کی طرف مسکرا کر دیکھ رہی تھی اس نے اسے اب ہی دیکھا تھا۔

اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔اسکی انکھوں میں کرچیاں بھر گئیں۔وہ جھٹکے سے اٹھی اور منظر سے غائب ہو گئی۔

نینی فکرمندی سے اسے پکارنے لگی تھیں مگر وہ اپنے کمرے میں گم ہو چکی تھی۔

پرِیا گم سم سی بیٹھی ان دونوں کے تاثرات نوٹ کر چکی تھی۔ابھی وہ اپنی سوچوں میں ہی تھی جب وہ اٹھا اور نینی سے مل کر دروازے کی طرف بڑھا۔وہ اس کی پیچھے گئی۔اسے آواز دی وہ رک تو گیا مگر مڑا نہیں۔وہ اس کے سامنے آئی۔

"اب تو اپنا نام بتا دو۔بیلرینا کو منانا ہے آخر اِتنی فیور تو میں دے ہی سکتی ہوں "وہ سنجیدگی سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"عنید علی "اس نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

'دونوں ہی نمونے ہیں یار 'وہ بس گھورتی رہ گئی۔اسے اب عنیزہ کی طرف کی کہانی سننی تھی سو وہ اس کے کمرے کی جانب چل دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ناراض ہو مجھ سے؟ "وہ اسے تلاش کرتی ہوئی لان میں آئی تو اسے وہاں گم سم بیٹھے پایا۔وہ اسکے پاس چلی آئی ۔وہ لان چئیرز کی بجائے ایک طرف پھولوں کی باڑ کے پاس گھاس پر بیٹھا ہوا تھا۔سر جھکایا ہوا تھا اور اپنے سامنے اگی ہوئی گھاس بے دھیانی میں کھینچ کھینچ کرا تار رہا تھا۔وہ حیران ہوئی۔کہاں تو وہ اسے اِس کام سے روکا کرتا تھا اور کہاں اب خود ایسا کر رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے اس کے آنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ یقیناً بہت پریشان تھا یا بہت الجھا ہوا تھا۔وہ سمجھ گئی۔

اس نے اس کے کان کے پاس چٹکی بجائی تو اسنے چونک کر سر اٹھایا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

" کیا ہوا ہے؟ یہاں کیوں آئے بیٹھے ہو؟ "اس نے متفکر سے انداز میں پوچھا۔

"نورالعین کہاں ہے؟ "اس نے بات بدلنے کو کہا۔

"چائے بنا رہی ہے۔تم بات تو بتا "وہ واپس اسی بات پر آئی۔وہ کم از کم اسے نہیں گھما سکتا تھا۔یہ وہ خود بھی جانتا تھا۔

"تم اسکی ہیلپ کروا دیتیں "اس نے اسے وہاں سے اٹھانا چاہا۔اشارہ تو وہ صاف سمجھ چکی تھی کہ 'اٹھ جا کیونکہ بات تو میں مر کر بھی نہیں بتاں گا'

"عنید "!اس نے پھر سے پکارا۔مگر وہ گھاس اکھاڑتا رہا۔

"جب سے آنی تمہیں نکاح کے سلسلے میں لائی ہیں تم خاموش ہو۔کیا وجہ ہے؟ "اس نے کریدنا چاہا مگر وہ خاموش ہی رہا تو وہ چڑ گئی مگر خود کو نارمل کرتے ہوئے بولی

" تمہیں اگر مسئلہ تھا کوئی بھی تو مجھ سے شئیر کرتے۔ہم مل کر مما اور آنی کو سمجھا لیتے "اس نے اسے بولنے پر اکسایا۔مگر وہ بس اسے دیکھنے لگا۔

"عنید "وہ چیخ ہی پڑی۔

"عنیزہ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے پلیز تنگ نہیں کرو۔مجھے بس تنہائی چاہیے "وہ اٹھنے لگا تھا مگر عنیزہ نے اس کا بازو جکڑ لیا۔گرفت تو ڈھیلی ہی تھی مگر وہ عادتاً بھی اس کی گرفت سے اپنا بازو نہ نکال پایا اور اسے دیکھنے لگا۔

"سب سمجھ رہی ہوں۔سدھر جا۔برا کروں گی ورنہ "اس نے کھڑے ہوتے ہوئے شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے ہوئے کہا۔

"جان چھوڑو "اس نے ناگواری سے اسکا ہاتھ جھٹکا اور اندر چلا گیا۔

یہ ابتدا تھی۔دو دن پہلے ان کا نکاح ہوا تھا۔سعدیہ اور عائشہ کی ان دو اولادوں میں بہت انڈرسٹینڈنگ تھی۔

نورالعین دونوں سے چھوٹی تھی۔اور عنید کی لاڈلی بھی۔سب اسے پیار سے نور کہتے تھے جبکہ عنیزہ 'عینی ' کہتی تھی جبکہ واحد عنید اس کا پورا نام لیا کرتا تھا۔

سعدیہ اور عائشہ نے دونوں کی انڈراسٹینڈنگ دیکھتے ہوئے ان کے نکاح کا فیصلہ کیا تھا۔شوہر تو راضی تھے بس اولاد سے پوچھنا تھا۔عنیزہ نے تو سب ماں پر چھوڑا ہوا تھا مگر عنید نے بہت ہنگامہ کیا تھا۔وہ اسے 'سوکالڈ فرینڈ' سمجھتا تھا۔عائشہ نے اسے مجبور کیا تو اسے آنا پڑا وگرنہ اسکا دِل تھا کہ گھر چھوڑ کر بھاگ جاتا۔

اگلے دن عنیزہ پھر اس کے پاس چلی آئی۔

"عنید تمہیں مسئلہ کیا ہے؟ "وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔بکھرے بال، بڑھی ہوئی داڑھی اور آف وہائٹ

شلوا قمیص میں وہ یوں بیٹھا تھا گویا کسی نے مار کر بٹھایا ہو۔
"یہی کہ تم میرے سامنے مت آ "اس نے رکھائی سے کہا تو وہ منہ کھولے اسے دیکھنے لگی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ نکاح کے بعد اِتنا بدل جائیگا کہ ان کی اِتنی اچھی دوستی بھی جاتی رہے گی۔
"نہیں آتی۔ وجہ بتادو بس "اس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے کہا۔
"برداشت نہیں ہوتی تم مجھ سے "اس نے غصے سے کہا۔ وہ خاموشی سے اسے سننے لگی کہ شائد اصل وجہ کوئی اور ہو وہ بتادے گا مگر وجہ جان کر وہ بول پا رہی تھی اور نہ اپنی تکلیف کم کر پا رہی تھی۔ وہ اس سے بچ رہا تھا کیونکہ پہلی بار، زندگی میں پہلی بار عنید علی کسی لڑکی کی وجہ سے ڈسٹرب ہوا تھا اور لڑکی بھی وہ، جواب اس کی بیوی تھی۔ معاملہ محبت کا نہیں تھا۔ معاملہ ضد کا تھا، انا کا تھا۔ اس کی سنی نہیں گئی تھی بلکہ اس پر تھوپی گئی تھی۔ اس نے سنا وہ کہہ رہا تھا۔
"میرے سامنے تم نہیں آ گی ورنہ میں۔۔۔ "وہ سختی سے اسے وارن کر رہا تھا جب نور اندر چلی آئی۔ وہ خاموش ہو گیا۔
"بھائی ! بڑے پپا بلا رہے ہیں آپ کو "اس نے عنید کو پیغام دیا۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ نور حیرانی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ان میں کبھی یوں تلخ کلامی نہیں ہوا کرتی تھی۔
"کیا ہوا؟ "اس نے پوچھا مگر عنیزہ نے رخ موڑ لیا۔
"کیا کہا ہے بھائی نے؟ "اس نے پھر سے پوچھا۔
"کچھ نہیں عینی۔ دِماغ کے نٹ ڈھیلے ہوئے ہیں اس کے۔ کسنے والے ہیں "اس نے مزاحیہ انداز میں ٹالا۔ مگر وہ سمجھ چکی تھی کہ اس کی بہن اسے اِس معاملے سے دور رکھنا چاہتی ہے۔ جو بھی تھا، نور العین عنید کی لاڈلی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ نور العین اور عنید کے درمیان کے تعلقات خراب ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ تیسرا دن تھا اور عنیزہ اسے ہر معاملے میں تین بار ہی موقعہ دیا کرتی تھی یہ بات سب لوگ جانتے تھے۔
"تم نے وجہ نہیں بتائی "وہ لوگ آج چلے جانے والے تھے اور عنید اپنی پیکنگ کر رہا تھا جب وہ اچانک اس کے سامنے آئی تھی۔ وہ گڑبڑا گیا۔
"وجہ پوچھی ہے "اسنے اسے کڑے تیوروں میں رکھتے ہوئے کہا۔ اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ نہ بولا۔
"تمہارے سامنے ہی رہوں گی جب تک وجہ نہیں بتا دیتے "وہ اسے دیکھنے لگا۔ پھر جا کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔
"مما بابا نے برا کیا میرے ساتھ۔ یہ بول دو "وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور اچانک سے بولی۔ اس کی اِس بات پر وہ حیران ہوا اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں ناں۔یہی بات ہے۔تم بولو گے نہیں مگر میں بھی بچی تو نہیں ہوں عنید "!وہ بولی۔

"نکاح گن پوائنٹ پر نہیں ہوا تھا تم مجھے اس دن بھی بتا سکتے تھے "

"ہاں بالکل ٹھیک۔اب جا کیونکہ اب کچھ نہیں ہوسکتا ۔اب مت آنا سامنے "وہ بولا اور باہر جانے کو مڑا جب اسکی آواز نے اسکے پاں زنجیر کیے تھے۔

"دیکھ لو اور سوچ لو عنید علی۔تم مجھے اب تو دیکھنا نہیں چاہتے۔مگر ایک وقت میں تم مجھے سوچا کرو گے کیونکہ تب صرف سوچوں کی گنجائش ہوگی"

اس نے کہا اور اس سے پہلے کمرے سے نکل گئی۔وہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہ گیا اور باہر کھڑی نور بھی منہ کھولے یہ تماشا دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ واپس جاتے ہوئے اسے ڈھونڈتا رہا مگر وہ اسے کہیں نہیں دِکھی۔

عنید کو اسکالرشپ ملا تو وہ باہر چلا گیا۔اور اس دن کے بعد ان میں کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔عنید نے بھی شعوری کوشش نہیں کی تھی۔ عائشہ اور جمال کو بھی وہ ٹالتا رہا تھا۔عنیزہ بھی اسکالرشپ پر باہر چلی گئی تاکہ شادی کے معاملے میں اس پر زور نہیں ڈالا جائے۔کبیر صاحب چاہتے تھے کہ عنیزہ کے آتے ہی اس کا فرض ادا کر دیں لیکن عنید کی طرف سے مکمل خاموشی تھی جس کی وجہ سے کبیر صاحب اس سے متنفر ہو چکے تھے۔دوسری طرف عنیزہ بھی واپس آنے پر تیار نہیں تھی۔کسی نہ کسی کورس کے بہانے وہ وہیں ٹکی ہوئی تھی۔نہ وہ واپس آتی اور نہ ہی عنید پر زور دیا جاتا۔ اگر عنید انا اور ضد کا پکا تھا تو عنیزہ کو بھی اپنی عزتِ نفس بہت عزیز تھی۔

جبکہ وہ اب پچھتاووں کی زد میں تھا۔اب اسے ہر صورت میں منا لینا چاہتا تھا۔وہ اٹھا اور فون لے کر لان میں چلا آیا۔اس نے جمال صاحب کو کال ملائی۔پاکستان میں یقیناً صبح کا وقت تھا۔وہ انہیں خوشخبری سنانا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لان میں بیٹھے سوچوں میں گم تھے۔انہیں کاروبار میں ایسا نفع ہوا تھا کہ سوچوں میں بھی نہ کبھی ہوا تھا۔عنیزہ ان کے لیے قسمت والی ثابت ہوئی تھی یہ ان کا یقین تھا۔پچھلے دِنوں ان کا کاروبار بہت ڈاؤن جا رہا تھا۔انہوں نے عنیزہ کے کہنے پر ایک جگہ شراکت داری شروع کی تھی اور دِنوں میں انہیں نفع ہوا تھا۔عنید سے نکاح ہوا تو عنید کو بھی اسکالرشپ مل گیا۔ان کی یونیورسٹی پچھلے چار سال سے اپنے اسٹوڈنٹس دے رہی تھی مگر اِس بار عنید رینکنگ لِسٹ میں پہلے نمبر پر تھا۔

جبکہ وہ خود۔۔۔۔

عرصہ ہوگیا اس کے اور عنید کے رِشتے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔وہ انہی سوچوں میں گم تھے جب سعدیہ بیگم اور نور چائے کا سامان لیے چلی آئیں۔ سعدیہ بیگم بہت پرسکون تھیں۔پچھلے دِنوں کا جو ڈر تھا وہ تحلیل ہوگیا

تھا۔انھوں نے نور کو اندر سے موبائل لانے کو کہا تا کہ جو خبر وہ اور نور سن چکی تھیں وہ عنیزہ اور کبیر صاحب کو بھی سنا سکتیں۔

" کبیر "انھوں نے انہیں مخاطب کیا کیونکہ انھوں نے ان کے آنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

"ہوں؟ "وہ چونکے۔

"عنید واپس آ رہا ہے "انھوں نے چائے بناتے ہوئے بتایا تو کبیر صاحب یہ سن کر آگے کو ہوئے۔یعنی وہ مزید سننا چاہتے تھے۔سعدیہ نے سکون کا سانس لیا کہ وہ بگڑے نہیں تھے۔

"اس کا دو تین ہفتوں کا ٹریننگ سیشن ہے پھر وہ آ رہا ہے۔آپا کہہ رہی تھیں کہ آپ بھی عنیزہ سے بات کر لیں تا کہ وہ اِکٹھے آ جائیں۔ہماری بچی کو سہولت رہے گی "انھوں نے کہا تو کبیر صاحب نے سانس ہوا میں خارج کیا۔

"جمال بھائی سے بات ہوئی؟ "انہیں جیسے اب بھی یقین نہیں آیا تھا۔

"جی۔انھوں نے عنید سے کنفرم کر کے ہی مجھ سے ڈسکس کیا ہے "انھوں نے چائے انہیں پکڑاتے ہوئے کہا۔

اتنی دیر میں نور موبائل لے آئی تھی۔وہ خوش تھی کہ اِتنا عرصہ بعد اس کی بہن واپس آ رہی تھی اور سب ٹھیک ہو جانے والا تھا۔۔ اسکا دِل کیا کہ جلدی سے وہ لوگ سامنے آ جائیں اور وہ عنید سی سب شکوے کر سکے۔اسنے ابھی سے پلانز بنانے شروع کر دیئے تھے۔ اس نے دیکھا کبیر صاحب عنیزہ سے بات کر رہے تھے۔وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسنے دیکھا کہ وہ کافی دن سے خاموش تھی۔بولتی تو پہلے بھی وہ اِتنا نہیں تھی مگر آج کل وہ بالکل ہی خاموش تھی۔

پرِیا نے اس کا موڈ دیکھ کر بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔وہ آج فارغ تھی اور گھر پر ہی تھی۔ڈیڈ بھی آ چکے تھے وہ اکثر گھر سے باہر ہی رہتے تھے۔عنیزہ بھی شاید آج جاب پر نہیں گئی تھی کہ جلدی گھر آ گئی تھی۔۔

پرِیا نے نینی تو سب صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا۔وہ بھی عنیزہ کی خاموشی پر زیادہ تبصرہ نہیں کر پائیں۔ عنیزہ کو لانج میں خاموش بیٹھے دیکھ کر وہ اس کے پاس آ گئی تھی۔

"آج تمہیں میرے ساتھ پارک جانا ہے "پرِیا نے کہا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔بس خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے ایک سین کیچ کیا تھا اسی کو پینٹ کرنا ہے۔تم بھی آج میرے ساتھ چلو گی۔میں اکیلی بور ہوتی ہوں "پرِیا نے کہا تو وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

"چلو پھر کھانا کھا لو پھر چلتے ہیں۔میں سامان سیٹ کر لوں "وہ اٹھی اور کمرے کی جانب چلی گئی۔ پرِیا نے نینی

کو اسے سمجھانے کو کہا تھا۔
کھانے کے دوران پرِیا یوں ہی اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ نینی نے عنیزہ کی طرف دیکھا وہ خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی۔
"عنیزہ "وہ بمشکل بولیں۔اس نے جھکا سر اٹھایا۔ "جی "مختصر سا جواب دیکر انہیں دیکھنے لگی۔
"اللہ کے بہت قریب ہوگئی ہوناں "انہوں نے تمہید باندھی تو وہ آنکھوں میں الجھن لیے انہیں دیکھنے لگی۔ یہ کس قسم کا سوال تھا۔
وہ سوالیہ نظروں سے اسکے جواب کی منتظر تھیں۔اس نے ہولے سے سر ہلایا۔
" تمہیں تو عنید کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے۔وہ دور ہوا تو تم اللہ کے پاس ہوگئیں۔آہستہ آہستہ تم اسکی ہوتی گئیں جو اگر تم دونوں کو محرم بنانے کا اختیار رکھتا تھا تو یقیناً تب بھی سب ٹھیک کرسکتا تھا۔مگر وہ تمہیں اپنے قریب کرنا چاہتا تھا تا کہ تم جان سکو کہ سب کچھ فانی ہے کچھ بھی ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔مگر اللہ کبھی فنا نہیں ہوگا۔وہ کبھی اپنی بات سے پھرتا نہیں ہے "وہ ہولے ہولے بات کر رہی تھیں۔
"اور اللہ ایسے امتحان تب لیا کرتا ہے جب ہم دنیا کی محبت میں کھو کر اس سے دور ہونے لگتے ہیں۔وہ بہت پوزیسو ہے اپنے بندوں کے معاملے میں۔اسے اچھا نہیں لگتا کہ اس کا بندہ اس سے دوری اختیار کرے۔وہ پھر سب واقعات کو ایسے پلان کرتا ہے کہ ہمیں لگتا ہے جیسے یہ ہماری تمہاری بھول تھی۔وہ یا تو کسی کو اس معاملے میں ڈھیل دے دیتا ہے۔یا اپنے بہت پاس کرلیتا ہے کہ ہمیں اپنی سانسوں کے زیر و بم میں بھی وہی اللہ نظر آتا ہے۔
"عنیزہ خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھی۔سامنے پڑی پلیٹ جوں کی توں تھی۔
"تم عنید کو تنگ کرلو ناراض رہ لو۔مگر بیٹا !امتحان اس کا بھی لیا گیا ہے۔اسے بھی اللہ نے واپس تمہاری طرف ہی موڑا ہے۔کیونکہ اللہ نے تمہیں ہی اس کے لیے پسند کیا تھا۔وہ تب اکڑ گیا تھا۔اللہ کو پسند نہیں آیا۔جیسے مائیں بھی سزا دیتی ہیں ناں کہ نماز نہیں پڑھی تو بس اب ایک وقت کا کھانا تمہیں نہیں دونگی۔اِسی طرح اسے سزا دینا مقصود تھا اور تمہیں اپنے پاس کرنا۔اب دیکھ لو۔جس دن سے تمہیں یہاں دیکھا ہے وہ کتنے چکر یہاں کے لگا چکا ہے۔ مگر تم مل کے نہیں دے رہیں۔اب آئے تو اس سے بات کر لینا۔مسئلے اور جھگڑے بات کرنے سے حل ہوتے ہیں۔ بھاگ کر یا چھپ جانے سے نہیں۔اب اسے پچھتاووں سے آزاد کردو "انہوں نے بات کے اِختتام پر روتی ہوئی عنیزہ کے ہاتھ پر تھپکی دی اور وہاں سے اٹھ گئیں۔وہ اسے سوچنے کا وقت دینا چاہتی تھیں۔اور وہ جو کچن میں شیلف کے پاس کھڑی ان کی طرف دیکھ رہی تھی اسکے پیٹ کا درد بھی ٹھیک کرنا تھا۔
کچن میں آئیں تو پرِیا ان کے گلے لگ گئی۔

"آپ اتنی اچھی سپیچ کر لیتی ہیں کیوں نہ ایک لیکچر کسی یونیورسٹی میں سیٹ کروادوں "اس نے انہیں آنکھ ماری تو وہ اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے ہنس دیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے پارک میں ان دونوں کو آمنے سامنے کروانا تھا۔وہ اس کے ساتھ خاموشی سےچلتی جا رہی تھی۔وہ دونوں سڑک پر چل رہی تھیں۔عنیزہ اس وقت سوچوں میں گم ماتھے پر تیوری لیے چلتی جا رہی تھی اس نے غور نہیں کیا کہ پرِیا نے کوئی چیز ساتھ نہیں اٹھائی تھی۔

"مجھے لگ رہا ہے میں وہاں جا کر بھی بور ہی ہونگی۔کیا فائدہ تمہیں ساتھ لانے کا "وہ بولی تو عنیزہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"چپ کیوں ہو؟ "پرِیا نے پوچھا سبب تو جانتی تھی بس پوچھنا اس سے چاہتی تھی۔

"فارغ نہ جانیے مجھے،مصروفِ جنگ ہوں

اس چپ سے، جو کلام سے آگے نکل گئی "

عنیزہ نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا اور سر جھکا کر پھر سے چلنے لگی۔

""واہ واہ   واہ !مزہ نہیں آیا۔کیونکہ مجھے نہیں آتے یہ شعر وغیرہ "پرِیا منہ بناتی ہوئی بولی۔

ایچ۔ کے سواتی

چوتھا پیریڈ ختم ہوتے ہی بیل بجی اور بریک ٹائم ہوا، کلاس میں بیٹھی لڑکیوں نے اپنے اپنے لنچ باکس کھولے یوں کھانے کی خوشبو پوری کلاس میں پھیل گئی، شام کے پیٹ میں بھوک سے چوہے جو دوڑ رہے تھے اپنی رفتار مزید بڑھا گئے۔

وہ پیٹ کو مزید اذیت سے بچانے کیلئے باقی لڑکوں کیساتھ باہر نکل گیا، دوسرے سب لڑکوں کو کینٹین کا رخ کرنا تھا جبکہ شام کو باہر کیا کرنا تھا وہ اسے بھی معلوم نہ تھا، شام کے ایک کلاس فیلو نے اسے بھی کینٹین ساتھ جانے کو کہا جسکا شام نے انکار کر دیا،

ارے چل یار میں کھلا ؤنگا،، کلاس فیلو کے اس جملے کو بھی شام نے بھوک نہیں ہے سے ٹال دیا، دل تو شام کا بھی کرتا

تھا کہ وہ بھی پیٹ کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کچھ کھا آئے
مگر یہ سوچ کرٹھہر گیا کہ آج کھا تو لونگا کل کھلا نگا کیسے،
دوستی یاری میں تو ایسا چلتاہیکہ کبھی ایک کھلا تا ہے کبھی
دوسرا،کل جب اس کا نمبر آ تا تو خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانا
پڑتی سو بہتر یہی ہیکہ نہ کھا اور نہ کھلانا پڑے۔۔۔
شام گرانڈ کے کارنر پہ بیٹھ گیا جہاں ایک اور کلاس کا لڑکا
کچے لوکاٹ چورن میں لگا لگا کر مزے سے کھا رہا تھا،
شام کے منہ کو پانی نے سیراب کر دیا مگر بھلا ہو لڑکے کا
جس نے اسے بھی کھٹے لوکاٹ کھانے کو پیش کیئے

۔۔۔

شام ایک ہونہار اور قابل لڑکا ہے جو اپنی ذہانت کے
بل بوتے پر پچھلی سات جماعتوں میں پوزیشنز لیکر اب
آٹھویں جماعت میں قدم رکھ چکا ہے۔۔۔
بیل دوبارہ بجی یوں بریک ٹائم ختم ہو گیا، جنھوں نے
کھانا پینا تھا وہ کھا پی آئے اور شام کے یہ بیس بور یت
کے منٹ بھی اپنے انجام کو پہنچے اس نے لوکاٹ کے بیج
ہاتھ سے پھینکے اور کلاس کا رخ کیا۔ پیچھے مزید تین
پیریڈ رہتے تھے پھر اس کے بعد چھٹی، یوں چھٹی کا
وقت ہو گیا سب نے اپنے اپنے بستے اٹھائے، شام
نے بھی اپنا پھٹا پرانا بستہ تھاما اور گھر کی طرف روانہ

۔۔۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!

گھر کی جانب آتے شام کیساتھ اسکے کچھ دوست بھی
تھے جو آپس میں باتیں کرتے جا رہے تھے، یہ سارے
لڑکے بچگانہ باتوں کے ہمراہ تھے جبکہ شام کو وقت نے
وقت سے پہلے ہی سمجھدار کر دیا تھا۔۔۔
آج میری امی نے میرے لیئے بریانی بنائی ہوگی،
اور میری امی نے چکن ہانڈی بنائی ہوگی،
ارے ہمارے ہاں تو آج مہمان آرہے مزے مزے
کے کھانے بنے ہونگے۔۔۔
شام کو جانے کیوں ان باتوں پر غصہ سا آرہا تھا، اس
نے اپنے دوستوں سے تھوڑے فاصلے پر چلنا شروع کیا
کہ انکی باتیں شام کی سماعتوں سے نہ ٹکرائیں، یوں
اک چوراہے پر سب کے رستے جدا ہوئے جسکا شام
صد شکر بجا لایا اور تن تنہا گھر کی جانب ہولیا۔
گھر میں داخل ہوتے ہی السلام علیکم کہا اور بغیر
یونیفارم بدلے بستہ اتارے کھڑے کھڑے ماں سے
پوچھنے لگا،
امی امی آج کیا بنا ہے؟ بہت بھوک لگ رہی
یہ شام کا گھر ہے جہاں خستہ حالی راج کرتی ہے، روز
افلاس کی بارش اس گھر پہ برستی ہے، خوشحالی جو کبھی ہوتی
تھی اب اس گھر کو ترستی ہے، رونقیں اس گھر سے
ناراض اور خوشیاں بے نیاز ہیں، لے دے کے یہی
اک گھر انکے پاس رہ گیا تھا جس میں شام، اسکی ماں،
بڑا بھائی رئیس اور ننھی ملائکہ رہتے تھے۔۔۔
ماں جو کپڑے وغیرہ سی کر کچھ پیسے جوڑ لیا کرتی تھی،
رئیس جسے بس سنہرے خواب دیکھنا آتے تھے، رئیس
محلے کی اک دکان پہ کچھ دہاڑی لگا لیا کرتا تھا اور کبھی
کبھار وہ بھی میسر نہ ہوتی، جو پیسے ملتے اس سے بمشکل
اسکی ہی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں، شام کی سکول فیس

بھی بڑے جتن کر کے ادا ہوتی تھی، مفلسی کی حالت میں بھی شام کی امی نے اسکی غیر معمولی ذہانت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے پرائیویٹ ہی سکول میں داخل کروایا تھا۔۔۔

امی۔۔۔امی کیا بنا ہے بتائیں ناں۔۔۔؟

شام نے اپنا جملہ دہرایا۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!

ہوتا تو یوں کہ ماں اپنے بھوکے بچے کو دیکھ کر تڑپتی، روتی، سسکتی مگر ماں ایک حوصلے کا نام ہے جو خود بھی مضبوط رہتی اور اپنے بچوں کو بھی مضبوط رکھنے کی کوشش کرتی ہے، آج گھر میں بیس روپے تک نہ تھے کے سبزی ہی بن جاتی کیونکہ جتنے لوگوں نے کپڑے سلوائے تھے سب نے پیسے پھر دینگے کہہ کر ٹال دیا تھا، ماں نے شام کے سوال کے بعد ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا جا بیٹا یونیفارم بدل میں کچھ بناتی ہوں۔۔۔

کیا؟ ابھی تک کچھ بنا ہی نہیں واہ، عجیب کام ہیں دن بھر بندہ پڑھتا رہے دماغ کو اذیت دے اور گھر آ کر پیٹ کو، وقت پر کھانا بھی میسر نہیں۔۔۔

رئیس نے شام کو ڈانٹتے ہوئے کہا چپ کر جا لوگوں کو کیوں سنا رہا جا کپڑے بدل، شام بنا کچھ کہے بیگ غصے سے چارپائی پہ پھینک کر کمرے میں چلا گیا، ماں نے رئیس کو کہا جا بیٹا جہاں تو کام کرتا ہے ادھر سے ہی کچھ لے آ مجھے جونہی پیسے ملے میں تجھے دونگی حوالے کر آنا۔۔۔

ماں آپ بھی ناں،، کیا میں آپ بھوکے نہیں، اور پھر ایک وقت کی تو بات ہے مجھ سے یہ ادھار کی ذلالت نہیں سہی جاتی مگر۔۔۔

یہ اگر مگر چھوڑو بیٹا ملائکہ بھی بھوکی ہے اور شام بیچارہ ۔۔۔

شام بیچاااااارہ،، رئیس نے کھینچتے ہوئے کہا، ماں تھوڑی مسکرائی اور بولی جانا میرا چاند نہیں میں صدقے،،،

ہاں چاند ہوں ماں پر شاید پلاسٹک کا جسکی کوئی اہمیت ہی نہیں یوں وہ ہنس کر دکان پہ نکل گیا، کچھ وقت بعد واپس آیا اور ہاتھ میں ایک انڈہ لیئے ماں کو مایوسی سے دیکھ کر کہنے لگا، میں نے کہا تھا ناماں کہ ذلالت۔۔۔۔ رئیس کو دکاندار نے کھری کھری سنائی کہ کام اتنا کرتے نہیں اور آ جاتے ہو ادھار لینے، یہ لے ایک انڈہ اور نکلتا بن کیونکہ جتنا تو کام کرتا ہے اس حساب سے یہی بنتا ہے، روز کا ادھار ہے کمال ہے۔۔۔۔

ملائکہ اور شام کافی بھوکے تھے، رئیس کا پیٹ تو دکاندار کے طعنوں سے ہی بھر گیا تھا جبکہ ماں تو ایسی چیز ہے جو بھوکی بھی ہو تو اپنی بھوک اولاد پر ظاہر نہیں کرتی،،،

ایک انڈہ ماں نے فرائنگ پین میں پکایا اور صحن کی چارپائی پر رات کی ٹھنڈی روٹی کیساتھ رکھ دیا، ماں یہ کیسے دیکھ پاتی کہ تین بھوکے بچے اور ایک انڈہ وہ بھی ٹھنڈی روٹی کیساتھ جسکو کھاتے تو کم از کم ہر دو نوالے بعد پانی پینا ہوگا،،،

امی بیٹھیں ناں۔۔۔شام نے کہا،،،

نہیں بیٹا تم سب کھا میں ذرا پڑوس سے آتی ہوں،

پڑوسن کہہ رہی تھی بعد میں سلائی کے پیسے دونگی یہ کہتے ماں آنسو چھپاتے نکل گئی۔۔۔۔

اب ایک تھالی کے تین سوالی مگر تیسرے رئیس نے کھانا تھوڑا ہونے کی وجہ سے بہن بھائیو کو ہی چھوڑا کہ انکا پیٹ گزارے لائق ہو جائے اور ویسے بھی دکاندار کی باتیں اسکا پیٹ بھرنے کو کافی تھیں۔۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!

شام، رئیس، ملائکہ اور انکی بے بس ماں کی زندگی میں سر بستہ ایک داستان ہے، ایسی داستان جو طعنوں سے نظر اندازی اور نام نہاد اپنوں کی لاپرواہی سے بھری ہوئی ہے۔۔۔

ایک وقت تھا جب شام کے والد زندہ تھے اور دوسرے محلے میں اپنے وراثتی گھر میں دادا اور چچا لوگوں کیساتھ مشترکہ رہتے تھے، شام کے دادا کی اسکی امی سے بنتی نہ تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک غیر وغریب خاندان سے تھیں، شام کے ابو نے خاندان سے باہر اپنی مرضی سے شادی کی جو دادا جان کو گوارا نہ تھی جسکی بنا آئے روز وہ اپنی بہو سے بلاوجہ لڑتے جھگڑتے اور اور مفلس خاندان سے ہونے کے طعنے دیتے، شام کی والدہ انتہائی مفلس گھرانے سے تھیں اور بے بال وپر تھیں، بس ایک بہن تھی جو بعد میں اللہ کو پیاری ہوگئی، شام کی چچیاں اور چچا بھی دادا کے کان خوب بھرتے اور دادا جان تو انکے سر پر کالی ہانڈی رکھنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے آئے روز شام کی والدہ پہ ذلت کے پہاڑ گرتے تھے، شام کے والد نے متعدد بار اپنے

والد کو سمجھایا کہ آپ غلط کر رہے ہے مگر وہ الٹا ڈانٹ ڈپٹ کرتے کے جا غرق ہوا گر تجھے مسئلہ ہے ادھر تو اپنی لیلی کو کہیں اور لے جا۔۔

ایک روز رئیس جو تب بالکل چھوٹا تھا اپنے چچا کے بیٹے کیساتھ کھیلتے کھیلتے لڑ گیا اتنے میں دادا آئے اور رئیس کو تھپڑ مارتے مارتے اسکی ماں کے پاس لے گئے اور چلاتے کہا اپنے غربت کے دودھ سے پلے ان گندے انڈوں کو سمجھا دے خبردار جو آئندہ میرے پوتوں سے لڑائی کی، تھا تو رئیس بھی پوتا مگر شروع دن سے ہی دادا ان میں اور دوسرے پوتوں میں فرق کرتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ رئیس کے سامنے دوسرے بچوں کو پیسے ملتے کھانے پینے کی چیزیں اور بیچارہ رئیس اپنے سفاک دادا کا منہ دیکھتا رہ جاتا، حتی کہ عید پر بھی باقی بچوں کو عیدی ملتی انکو نہیں، دادا کا سفاک رویہ محض اس وجہ سے تھا کہ ان بچوں کی ماں اپنے خاندان کی نہیں بھلا اس میں ننھے پھولوں کا کیا قصور جو ہر چیز سے بے خبر ہوتے ہیں۔۔۔

رات کو کام سے گھر آتے جب شام کے ابو اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو اپنی بیگم کی آنکھوں سے گرتے آنسو دیکھ کر سراسیمہ ہوئے،،،،

تم رو کیوں رہی؟

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!

بیوی کے جواب نہ دینے پر وہ پاس آ کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھوں سے اسکے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا،،

بتانا میری شہزادی کیوں رو رہی؟

کیسے نہ روں ہاں کیسے؟ طعنے ہیں اور میرا سر ہے، کیا
میں نے کہا تھا آپ مجھ سے شادی کریں آپ کر لیتے
اپنے خاندان میں ہی، آپکا تو پھر لحاظ کیا جاتا ہیکہ آپ
اسی گھر کے فرد ہو مگر میں،،،، وہ روتے ہوئے کہہ رہی
تھی،،، مگر میں، میرا تو کوئی ہے بھی نہیں نہ ماں نہ باپ
نہ کوئی گھر، اور مجھے بھی چھوڑیں میں اپنے دکھ تو سہہ لوں
مگر اپنے بچوں کے کیسے، انکا لحاظ تو کریں آپکے ابو کہ
یہ انہی کا خون ہے، میں یہ کیسے برداشت کروں کہ
میرے بچے ایک ایک چیز کو ترسیں اور دوسرے بچوں کو
خوش جبکہ خود کو بدحالی میں دیکھ کر تڑپیں اور پھر،،،، وہ
مسلسل روئے جارہی تھی،،، اور پھر ایک ماں یہ کیسے
برداشت کرے کہ اسکے دل کے ٹکڑوں کو مارا جائے
بات بات میں ذلیل کیا جائے۔۔۔۔
رابعہ تم حوصلہ رکھو دیکھو میں ہوں ناتمھارا،،، شوہر نے
بیوی سے کہا۔۔۔
جی رضوان آپ ہیں تبھی میں بھی سب کچھ سہتی ہوں
ورنہ اس جہنم نما گھر میں ایک پل نہ ٹھہرتی خود کو ہی مار کر
حقیقی جہنم کا رخ کر دیتی کیونکہ وہاں پھر خدا سے رحم کی
امید ہے ادھر تو۔۔
بس چپ ناتم حوصلہ رکھو ایسا نہیں کہتے، دیکھو تھوڑا
وقت اور برداشت کرو مجھے عنقریب میرے بیوپار کا
منافع مل جائے گا پھر ہم کوئی دوسرا گھر ڈھونڈ لینگے
جہاں زندگی چین سے گزاریں، رضوان نے رابعہ کا سر
اپنے کاندھے پہ رکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔
رضوان خود بھی کافی اداس سا تھا اور یہی چاہتا تھا کہ
اپنے بیوی بچوں کو مزید اذیت سے بچا کے کہیں اور نکل
جائے، رضوان کچھ پل اپنے ماضی کا سفر کرنے لگا وہ
دن ستانے لگے جب رضوان پر بیروزگاری کے ایام
نازل ہوئے تھے اور کس طرح پھر اسکے بھائی اور والد
اسے باتیں سنایا کرتے تھے اور کس طرح بھابھیاں تیور
چڑھایا کرتی تھیں، اسکے بھائیوں بھتیجوں کو صبح ناشتے
میں ہر قسم کی اشیا میسر ہوتیں جبکہ اسے اور اسکے بیوی
بچوں کو ایک کھانا وہ بھی پرانا دیا جاتا۔۔۔
انسان بھی کتنا عجیب ہے ناں، جب تک کماتا ہے
عزت ملتی ہے گھر کا بڑا بھائی اگر بیروزگار رہا اور چھوٹا کما
رہا ہو تو چھوٹا مقام میں بھی بڑا گردانا جاتا ہے، پیسہ چیز
ہی ایسی ہے کاش یہ ہوتی ہی نہ کہ اس سے رشتے بے
وقعت سے ہو گئے، کماتا انسان اپنے لیئے ہے اور
عزت لوگ کرتے ہیں کاش معیار انسان کا ہی ہوتا نہ
کہ انسان کے پاس ہونے یا نہ ہونے والے زر
کا۔۔۔۔
وہ ماضی کے سفر کو خیر باد کہہ کر اب آتے وقت کا سوچ
رہا تھا،،، ہاں اس نے سوچ لیا تھا۔۔۔۔۔۔
ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!
رضوان نے سوچ لیا تھا کہ اپنے بچوں کے مستقبل اور
اپنی بیوی کے مستقل سکون کیلیئے اسے علیحدگی اختیار کرنا
ہوگی اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ لعن طعن کے اس
ماحول کا برا اثر اسکے بچوں پر پڑے۔۔۔
وہ صبح ہوتے ہی دوسرے بیوپاریوں سے اپنا منافع
لینے نکل گیا، آج ایک پر امید دن تھا رضوان، رابعہ اور

اسکے بچوں کی آنے والی سنہری زندگی کی امیدیں زوروں پر تھیں۔۔۔

رابعہ نے رئیس اور شام) جو اس وقت کافی چھوٹا تھا(دونوں کو پاس بلایا اور خوشی سے انکی پیشانیاں چومتے کہا، بیٹا معلوم ہے آج ایک اہم دن ہے کیونکہ ابو کو پیسے ملتے ہی ہم ہمیشہ کیلئے اس گھر سے چلے جائینگے اور اپنا آنے والا کل سنواریںگے۔۔۔

ماں،،، رئیس نے پکارا

ماں ہمیں یہاں سے جانا چاہیئے یہی فیصلہ ہم سب کے حق میں بہتر ہے، دادا جان آئے روز ہمیں ڈانٹتے اور آپکو بلاوجہ سناتے ہیں جو مجھ سے ذرا برداشت نہیں ہوتا، ماں معلوم ہے قرآن پاک میں اللہ جی فرماتے ہیکہ سیجعل اللہ بعد عسرٍ یسرا یعنی ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے اور میرے بہت سے سپنے ہیں ماں جو پڑھ لکھ کر پورے کرنے ہیں، شاید اب موسمِ خزاں خیر باد کہنے کو ہے اور موسمِ بہار کی آمد آمد ہے، بادِ سموم کی تپش بہت سہہ لی ماں اب بادِ نسیم کی ٹھنڈک لطف دینے کو تیار ہے،،،

رابعہ اپنے بیٹے کی سمجھدار باتیں سن کے مسلسل مسکرا رہی تھی، پاس بیٹھا شام بھی کھِل سا گیا اور ماں نے اپنے شہزادوں کو اپنے دل سے لگایا۔۔۔

ادھر رضوان کو اسکی رقم مل گئی تھی جو اچھی خاصی تھی اتنی کہ وہ اس سے اپنا اچھا خاصا سیٹ اپ بنا دے۔ اب وہ گھر واپسی کا سفر کر چکا تھا، چھ کلومیٹر دور ایک مقام سے گھر آ رہا تھا کہ آدھے رستے میں مسافر گاڑی خرابی کا شکار ہوگئی، باقی مسافر تو انتظار کرنے لگے کہ کب گاڑی ٹھیک ہو اور چلیں مگر رضوان کو یہ فکر ستا رہی تھی کہ لیٹ ہونے پر رابعہ پریشان ہو جائے گی لہذا اس نے انتظار کے بجائے پیدل چلنے کو ترجیح دی۔ چلتے چلتے ایک سنسان جگہ سے جب اسکا گزر ہو رہا تھا تو اسے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔۔!!!

رک جا۔۔۔۔رضوان کے کانوں سے اک اک آواز ٹکرائی، وہ سمجھ گیا تھا اسکی کسی نے مخبری کر دی ہے۔

رضوان نے اپنے قدموں کو تیز کیا ہی تھا کہ پیچھے سے اک لٹیرے نے دوڑ لگا کر اسے گردن سے پکڑ لیا اتنے میں دونوں اطراف سے دو مزید لٹیرے نمودار ہوئے۔۔۔

کیا ہے۔۔۔؟ رضوان نے انکو مخاطب کیا۔۔۔

ہمیں چھوڑ یہ بتا تیرے پاس کیا ہے؟

رضوان کیسے بتاتا کہ اسکے پاس رابعہ اور بچوں کے سپنے ہیں۔۔۔۔

رضوان کی خاموشی پر ایک لٹیرے نے اسکی جیب پر ہاتھ رکھا جس میں اچھی خاصی رقم تھی، رضوان نے بھی اسکے ہاتھوں کے اوپر ہاتھ رکھ دیا بھلا کون اپنی محنت اتنی آسانی سے کسی کو دیتا ہے، اسے رہ رہ کر اپنی رابعہ اور بچے یاد آ رہے تھے، وہ اپنے مستقبل کی سوچوں میں ہی تھا کہ پستول کے چیمبر کھینچنے کی آواز آئی اک لٹیرے نے پستول اسکی پیٹھ میں رکھی اور کہا رقم نکال۔ رضوان جیسے سکتے میں آ گیا۔۔۔

پیسے نکال ورنہ گولیوں سے چھلنی چھلنی کر دونگا۔
رضوان نے یہ سنتے ہی طیش میں آ کر ایک لٹیرے کو زور کا دھکا دیا جس سے وہ گر گیا، پچھلے سے بھی مزاحمت کی، یوں وہ تھوڑا آگے کو بھاگا ہی تھا کے پیچھے سے ایک گولی نے اسکی ٹانگ کو نشانہ بنایا، رضوان نیچے گر گیا اور درد اسے چور چور کرنے لگے اسکی آنکھوں کے آگے ایک بار پھر اسکی فیملی گھوم رہی تھی اسے یہ فکر ستا رہی تھی کہ میرے بیوی بچوں کا آنے والا کل اگر میں نہ ہوا تو۔۔۔۔وہ کافی حد تک جان چکا تھا کہ شاید بچنا محال ہے۔۔
زخمی رضوان کو درندوں نے لاتوں سے مارنا شروع کیا، جونہی وہ اٹھتا اسے لاتیں مار کر پھر سے گرا دیا جاتا مگر رضوان مزاحمت سے باز نہ آیا۔۔
ارے یہ تو اکڑ دکھا رہا اسے تو بھون دینا ہی ٹھیک ہے، ایک درندے کی یہ آواز رضوان کے دل و دماغ کو چبھی، اسے چبھن محض جسمانی درد کی ہی نہیں بلکہ فہم کی اس اذیت کی بھی ہو رہی تھی، اسے اپنے پھولوں اور اپنی کلی کا کل ستا رہا تھا، اسے ایک امید تھی وہ سوچ رہا تھا کے ان درندوں کو رقم دے دیتا ہوں اور خود اپنے بچوں کیلیئے جی ہی لیتا ہوں، میں مر گیا تو انکی امیدیں مر جائینگی، میں زندہ رہا تو پھر سے انہیں ان امیدوں کی امید دلا دونگا تھوڑا وقت لگے گا ایک بار پھر مگر میں اپنے بچوں کی زندگی سنوار دونگا۔۔۔۔
ادھر رابعہ کچھ پریشان سی تھی کہ کافی وقت ہو گیا رضوان آئے نہیں اسے مسلسل بے چینی کھا رہی تھی اور سراسیمگی اسکا پیچھا کر رہی تھی کہ آج اتنی دیر کیسے۔۔۔اچانک دروازے پر دستک ہوئی رابعہ نے رئیس کو کہا جا بیٹا ابو آ گئے شاید دروازہ کھول دے۔۔۔شکر ہے مالک رئیس بھی خوشی خوشی گنگناتے دروازے کی طرف دوڑا رئیس کے جاتے ہی اسکے دادا جان بھی دروازے کی طرف ہو لیئے، دروازہ کھلتے ہی سامنے ایک چارپائی چار لوگوں نے اٹھا رکھی تھی، رضوان کو درندوں نے رقم لیکر بھی زندہ نہ چھوڑا تھا حالانکہ بالآخر رضوان اپنے بچوں کا سوچ کر مزاحمت سے باز آ گیا تھا مگر پھر بھی ضد کی آڑ میں درندوں نے اسے روند دیا تھا، گھروں سے جنازے تو بہت نکلتے ہیں لیکن آج جنازہ گھر کا رخ کیئے ہوئے تھا، جنازہ اجتماعی جنازہ تھا، کئی زندگیوں کا، کئی امیدوں، کئی سہاروں، کئی حوصلوں اور کئی آسروں کا جنازہ تھا۔۔
رابعہ پر تو جیسے آسمان گر گیا تھا اور وہ صحن میں ہی بیہوش سے گر گئی، رئیس اور شام تو جیسے آب تعجب میں ڈوب گئے تھے حتی کہ سب ہی تعجب کی موجوں میں غرق ہو گئے تھے، غم اگر سب کو نہ تھا تو تعجب ضرور تھا۔ زندگی بھی کتنی عجیب سی شے ہے کچھ حادثات ایسے رونما ہو جاتے ہیں جنکا تصور انسان کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔
سفاک دادا بھی اپنے آنسو نہ روک سکا آخر تھا تو اسکا بیٹا ہی، بھائی بھابیاں بھی رونے لگ گئے، کچھ کے آنسو سچ کے جبکہ کچھ کے مگر مچھ کے تھے۔ لانے والوں نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ فلاں جگہ سے لاش ملی جو کافی سنسان ہے اور جدھر ڈکیتی کا ہی گمان ہوتا ہے،

چونکہ آج رضوان رقم اٹھانے ہی گیا تھا تو سب کو یقین ہو گیا کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔
اس حیرانی اور پریشانی کے عالم میں رابعہ کو کبھی ہوش آتا تو کبھی جاتا، آنکھوں سے آنسو نہیں جیسے لہو نکل رہا ہو، رئیس اپنے بابا جان کی لاش دیکھ کر دور ایک ستون سے جا کر چپکا اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا، شام زمین پر ہی ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر اپنے ننھے سے دل کا بوجھ اتارنے لگا اور ننھی ملائکہ سو رہی تھی جسے تو ہوش سنبھالنے سے بھی بہت ہی پہلے یتیمی کا تحفہ مل چکا تھا، یہ وقت بھی ناں صرف ناداروں کو ہی کیوں آزماتا ہے۔۔۔
رابعہ کو جب جب ہوش آتا شوہر کی لاش سے چپک جاتی پھر اسے بیہوشی دبوچ لیتی۔ ہر سو تاریکی تھی، رات کی تاریکی، کرب کی تاریکی، اسعجاب کی تاریکی، وقت کے حساب وکتاب اور شدید قسم کے عذاب کی تاریکی۔ آنے والے کل کی تاریکی بار بار آتی اور رابعہ کو بیوہ اور رئیس، شام، ملائکہ کو یتیمی کی خبر دیتی۔
ادھر دادا کی سفاکی آج بھی کم نہ ہوئی تھی وہ بیٹے کی لاش کے پڑے ہوتے بھی بھرے ہجوم میں یہی صدائیں لگا رہا تھا کہ لوگو اولوگو مجھ سے نحوست نے میرا بیٹا چھین لیا، لوگو ایسی نحوست جو میرے بیٹے کی زندگی کیساتھ جڑی تھی جس نے اس گھر کی چوکھٹ پہ قدم رکھتے ہی اس چمن کو جیسے صحرا میں بدل دیا، گلستان اجاڑ دیا، مجھے پہلے ہی معلوم تھا اس نحوست کا اثر میرے گھر پر تو پڑنا ہے اور لوگو دیکھو آج اس نحوست کا اثر میں اپنے بیٹے کی لاش کی صورت میں بھگت رہا۔۔۔
ایک سفاک سسر اس رقت آمیز منظر کے موقع پر بھی اپنی بہو کو سنا رہا تھا۔۔۔
رابعہ کس بات کو لیکر روتی، شوہر کی لاش پہ روتی یا سسر کے ان طنز طعنوں پر جو اس قیامت کی گھڑی میں بھی اسکا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اگلے دن رضوان کا جنازہ ہوا۔ رابعہ اور بچوں کیلئے اس ہستی سے رضوان ہی نہیں سارے آسرے جیسے مٹ گئے تھے۔ رابعہ بیک وقت غم سے دوچار بھی تھی اور اور فکر میں بھی مبتلا تھی کہ جب اس گھر میں اسکی مقام ومنزلت رضوان کے ہوتے ہوئے نہ تھی تو اب کیا ہوگی۔ سراسیمگی اسے نوچ رہی تھی اور اداسی دبوچ رہی تھی۔ سارے دکھ درد اسے پوج رہے تھے جیسے وہ ان سب کی دیوی ہو۔
شاید ہی کوئی ایسا پل آتا جب اسکی آنکھ خشک ہوتی ہو، سسر کی لعن طعن کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لیتا تھا، اب اسے اس گھر میں بیحد بیگانگی محسوس ہونے لگ گئی تھی۔۔
کچھ دن ہی گزرے تھے رضوان کو دنیا سے جاتے کہ رابعہ کے سسر نے رابعہ کو اپنی دوسری بہو کے زریعے بلایا اور سامنے آتے ہی تلخ لہجے میں استفسار کرنے لگا،،،
ہاں کیا سوچا اب تو نے۔۔۔؟
رابعہ کی آنکھوں سے آنسو روانہ ہونے لگے۔۔
بولو کیا سوچا۔۔؟
رابعہ مستقل آنسو بہائے خاموش کھڑی رہی۔۔۔
تمہیں تو بولنا نہیں میں ہی بول لیتا ہوں، بات ایسی

ہے مہارانی تمہاری نحوست اس گھر کے درودیوار پر
بہت پڑ چکی ہے۔میرا بیٹا بھی تمہاری نحوست کی زد میں
آ کر اس دنیا سے چلا گیا اور اب میں نہیں چاہتا مزید
نحوست اس گھر پر برسے،تم سمجھ رہی نا۔۔؟
رابعہ نے محض اثبات میں سر کو جنبش دی۔۔
اب سسر چلانے لگا تھا،اپنا سامان اٹھا اور اس گھر سے
اپنی گندی اولاد کو لیکر چلتی بنو،سامان بھی کیا ہے
تمہارا۔۔۔وہ تھوڑا سا جو ساتھ لائی تھی اور وہ ٹھنڈی
ہانڈی۔۔۔بھکاریوں کے گھر کی ٹھنڈی ہانڈی جسکے
اندر کچھ پکتا ہی نہیں۔جو صدا ٹھنڈی ہی رہتی ہے۔چلو
اور دفع ہو جا اس گھر سے جتنا جلدی ممکن ہوا تنا جلدی
۔۔۔
رئیس اور شام یہ سب سن رہے تھے،انکی آنکھوں سے
معصومیت کے آنسو موتیوں کی مانند ٹپک رہے تھے،
بچوں کے معصوم دلوں میں بھی دادا کیلئے نفرت امڈ آئی
تھی۔۔
ابھی شوہر کا دکھ مٹا بھی نہیں تھا کہ اگلی ہی صبح رابعہ اپنے
لئے کرائے کا گھر ڈھونڈنے نکل گئی۔وہ اگر اس دنیا
میں اکیلی ہوتی تو شاید خود کو ختم کر دیتی مگر اسے جینا تھا،
اپنے لئے نہ سہی مگر اپنے بچوں کیلئے۔۔۔
ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!
یہ جو سر بستہ کہانی تھی یہ ایک کہانی ہی نہیں بلکہ لہو میں
لتھڑی ہوئی ایک زندگی تھی۔وہ زندگی جس نے بیحد
بے حرمتی سہی۔حسرتوں کی خونریزی نے اس خاندان
کی زندگی کو لتاڑا،حلیہ بگاڑا اور انکی راہوں کو چوراہوں
سمیت بڑی شقاوت سے اجاڑا۔
ان چار لوگوں کو جیسے بے تحاشہ کرب جھیلنے کی نوکری مل
گئی تھی گویا کڑے وقت نے انہیں روزگار فراہم کر دیا
ہو مگر اس نوکری کی تنخواہ کوئی نہیں تھی الٹا اس نوکری میں
آنسو بھی لٹانا پڑتے تھے۔
انہیں بڑی اذیت ناکی کیساتھ تڑپایا گیا تھا،انکے پاس
اپنے زخموں کو دھونے کیلئے لہو کے سوا کچھ میسر بھی نہیں
تھا۔وہ نئے گھر میں بھی آ گئے تھے مگر درد وہی پرانے
تھے جہاں یادوں کی اذیت الگ حالاتوں کی اذیت
الگ۔
وقفے وقفے سے کسی سراسیمہ آسیب کی صدا پل پل
انکے کانوں سے ٹکراتی،معصوم چہرے مرجھاتی،رہے
سہے خواب بکھراتی۔
انکا چارہ گر کون تھا۔۔؟انکا چارہ گر کوئی نہ تھا ہاں مگر
باقی دنیا والے ان پر محض ترس ہی کھا سکتے تھے اور اسکے
علاوہ بھلا کرتے بھی کیا کیونکہ کسی کو اپنی ذات سے باہر
جینے کی فرصت ہی نہیں۔وہ اذیت کے جس عذاب
میں مبتلا تھے اسکا اندازہ لگانا اتنا آسان نہ تھا،اندازہ
لگا تا بھی تو کون؟جب خود پہ بیتتی ہے تو سمجھ آتی ہے
مبادہ دوسروں کے دکھ درد تو فقط قہقہوں کا ہی سبب بنتے
ہیں۔۔۔
دن انہیں جان لیوا اذیت سے ہلکان کرتے اور راتیں
بڑی بے رحمی سی جگاتی تھیں۔انکے رستے پریشانیوں
سے بھرے ہوئے تھے جہاں قدم بہ قدم اضطراب کے
کانٹے بچھے تھے جن پر چل کر رابعہ جگہ جگہ دم توڑتی،

آخر وہ اپنی لاشیں کہاں کہاں سے اٹھاتی مگر پھر بھی وہ ایک نئے انداز کی زندگی آراستہ کرنے کی جستجو رکھتی تھی۔۔

انسان بھی کتنا عجیب ہے جب جب مایوس ہوتا ہے تو سوچ کر خوشی ہوتی ہیکہ موت تو آئے گی اور جب جب خوش ہوتا ہے تو پھر سے مایوسی ہوتی ہے کہ موت بھی آئے گی۔وقت بڑے بڑے زخموں کو مندمل کر دیتا ہے مگر اپنے محبوب شوہر کی موت کا غم رابعہ سے بھلائے نہیں بھولتا تھا۔۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!

شام تم باہر کھڑے کیا کر رہے؟

یہ دعا تھی جس نے شام سے استفسار کیا تھا۔

دعا شام کی کلاس فیلو تھی اور شام ہی کی طرح ہونہار اور قابل تھی ،شام کو سکول گراونڈ میں تپتی دھوپ پر کھڑے دیکھ کر وہ کچھ حیران سی تھی۔

کچھ نہیں دعا بس یونہی ،،،شام نے جواب دیا۔۔۔

دعا سمجھ گئی تھی کہ فیس کی عدم ادائیگی پر پرنسپل نے شام کو پھر سے کلاس سے باہر کیا ہوا ہے۔

دعا کا دل ہمیشہ سے ہی شام کیلئے ہمدردی رکھتا تھا اور وہ شام کی قابلیت کو مدنظر رکھ کر اس سے کافی متاثر تھی مگر دوسری طرف اسے شام کی خستہ حالی پر رنج سا بھی رہتا تھا۔یوں تو دعا چلبلی سی تھی مگر اس وقت مزید کھڑے رہنا اسے مناسب نہ لگا کہ شام کو شرمندگی محسوس نہ ہو، دعا جونہی جانے لگی تو شام نے پکارا دعا۔۔۔

دعا نے رک کے مڑ کر دیکھتے جواب دیا جی۔۔۔؟

دعا تم دعا کرو نا کہ شام کی زندگی میں سویرا آجائے۔۔

اچھا وہ ندیم سر کی چھوٹی بہن سویرا؟ دعا نے مذاق بھرا جواب دیا کہ شام کی اداسی میں کچھ کمی واقع ہو جائے یوں شام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا بہت شرارتی ہو۔۔۔ہاں وہ تو جینیٹیکلی ہوں دعا ہنستے ہنستے چل دی ۔۔۔

شام بریک ٹائم میں ہی اپنا بیگ اٹھا کر گھر کی طرف نکل گیا تھا اور گھر پہنچ کر کمرے کے ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں پر سر رکھے رو رہا تھا، وہ گھر میں کہتا بھی تو کیا کہ فیس دو،آخر وہ کتنا اپنی لاچار ماں کو اداسیوں میں دھکیلتا اور پھر فیس آتی بھی تو کہاں سے،اسے افسوس ہو رہا تھا کہ

کیوں اسے پرائیویٹ سکول میں ڈالا گیا اس سے تو بہتر ہوتا کہ کسی سرکاری سکول میں تعلیم حاصل کرتا یوں آئے مہینے فیس کا رونا تو نہ رویا جاتا،اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ مزید گھر میں کوئی ضد نہیں کرے گا،واقعی مفلسی تہذیب سکھا دیتی ہے۔۔۔

اتنے میں رئیس کمرے میں داخل ہوا تو شام کو روتے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

کیا ہوا شہزادے کیوں رو رہے اور سکول سے چھپے ہو کیا جو اس وقت گھر میں ہو ایڈییٹ۔۔۔

شام نے کوئی جواب نہ دیا مگر رئیس کے مسلسل اصرار کرنے پہ شام محض اتنا ہی کہہ سکا کہ فیس۔۔شام پھر سے رونے لگ گیا۔۔۔بھیا مجھے نہیں جانا سکول جہاں آئے روز میں باقی فیلوز کے سامنے کلاس کے باہر سزا

کاٹتا رہوں مجھ سے ذلت مزید برداشت نہیں ہوتی جہاں ایک طرف سب میری ذہانت کے گن گاتے ہیں دوسری طرف مجھے کلاس سے ذلیل کر کے نکالا جاتا ہے۔۔۔

رئیس ایک پل تو اداس سا ہو گیا تھا مگر پھر اداکاری کرتے ہوئے بھائی کا دل بہلانے لگا، اتنے میں رئیس نے تکیئے کے نیچے سے اپنی جمع پونجھی نکال کر شام کے ہاتھ میں یہ کہتے ہوئے دی، ارے اداس کیوں ہوتے ہو پگلے تم بس دل لگا کر پڑھو دل لگا کر سمجھتے ہو نہ کتابوں سے دل لگا کر نہ کہ کسی سے دل لگا کر پڑھو۔۔۔شام اچانک ہنس پڑا۔۔۔

ارے یہ ہوئی نہ بات گڈ بوائے۔۔۔دیکھو شام میں بھی تو پڑھ رہا نا ساتھ کام بھی کرتا ہوں زندگی میں اسٹرگل تو کرنا پڑتا ہے بس تم یہ پیسے لو اور فیس ادا کر دو اپنی۔۔۔

بھائی یہ آپکے کام کے ہونگے۔۔۔شام نے کہا

ارے جگر و میرا کام تو شام ہے تم جیو تو میں جیا میری جان، رئیس نے شام کو اٹھایا اور آنسو پونچھ کر گلے لگاتے ہوئے کہا مایوس کیوں ہوتے ہو شام تمہیں نہیں لگتا کہ دن بدلیں گے اور تمہارا یہ بھائی بھی ایک دن کچھ بن کر اپنے پیارے شام کو سہارا دے گا اور کل کو شام بھی کچھ بن کر سب کو سہارا دے ۔۔۔

نہیں رئیس بھائی مجھے یقین نہیں کہ دن بدلیں گے اور کچھ بھی بہتر ہو گا بس ہم جیسے لوگ تو رونے کیلئے ہی پیدا ہوتے ہیں اور آپ ذرا رئیس صاحب یہ رئیسانہ خواب دیکھنا چھوڑ دیں،، شام نے معصومیت بھرا طنز رئیس پہ مارا تھا۔۔۔

ارے چپ مایوس نہیں ہوتے میں اب رکھ کہ دونگا نا ایک چماٹ تب عقل ٹھکانے آئے گی، معلوم ہے نا مایوسی گناہ ہے اور قرآن میں کیا آتا ہے بتایا تھا ناں کہ ہر مصیبت کے بعد آسانی ہے، آج اگر خزاں ہے تو کل کی بہار بھی ہمارا رستہ دیکھ رہی ہے۔۔

رئیس بیچارے پر بھی بہت ذمہ داریاں تھیں اور ویسے بھی جنکے والد فوت ہو جاتے ہیں ناں پھر بڑے بھائی ہی زندگی کا سفینہ گرداب سے نکالتے ہیں۔۔۔رئیس اب باہر آ گیا تھا اور مارکیٹ جانے کا ارادہ ترک کر کے واپس کام پر چلا گیا تھا کیونکہ اپنی خریداری کے وہ سارے پیسے شام کو دے چکا تھا

۔۔۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مشکل سے ہی سہی مگر شام کی فیس ادا ہو چکی تھی، شام خوش تھا کہ چلو ایک مسئلہ تو حل ہوا، دوسرے دن سکول سے گھر واپسی پر یہ معلوم ہوا کہ آج تو چائے پراٹھے پر ہی گزارہ کرنا ہے۔آج شام کافی خوش تھا کہ فیس ادا ہو گئی اور رئیس کا موڈ بھی آج کچھ شرارتی تھا۔

پراٹھا چائے کیساتھ نوش کرتے ہوئے شام نے ماں کو موجود پا کر رئیس سے شرارتاً پوچھا،،،

بھائی یہ جو ہانڈی پڑی ہے کچن میں اسکا فائدہ و مقصد کیا ہے؟ چولہے پر تو کبھی دیکھا نہیں اسے شاید نمائش کیلئے رکھی ہوئی ہے۔

رئیس نے جواباً کہا ارے وہی تو دادا سچ کہتے تھے یہ

ٹھنڈی ہانڈی ہے۔۔۔
امی۔۔۔۔شام نے ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا
امی میں تو کہتا ہوں کسی دن اس میں آلو ہی ابال لیں
ہم ابلے آلو نمک لگا لگا کر کھائیں گے اور اسطرح اس
ٹھنڈی ہانڈی کی روایتِ ٹھنڈک بھی ٹوٹ جائے
گی۔۔۔
ماں فقط مسکرائی،،، کچھ مسکراہٹیں بھی درد کی علامت
ہوتی ہیں۔۔۔
میرے شرارتی بچو تم لوگ صبر سے کام کیوں نہیں لیتے
اور رئیس تم۔۔۔۔تم تو کافی سمجھدار باتیں کیا کرتے
تھے اگر چہ شام الو کا پٹھہ ہے۔رابعہ نے شام کا کان
کھینچتے ہوئے کہا۔۔۔
ویسے ماں جب صبر ہی کرنا ہے تو آپ نے میرا نام
رئیس کیوں رکھا میں کونسی دنیا کا رئیس ہوں اس سے تو
اچھا ہوتا آپ میرا نام صابر رکھ دیتی۔۔
شام نے بھی ماں کو کہا ہاں ماں میرا نام بھی صابر ہی بہتر
تھا، ہم دونوں کا نام صابر یعنی چھوٹا صابر اور بڑا صابر
،،،اس بات پر تینوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔۔
اچھا شام بیٹا کل تم ملائکہ کو بھی ساتھ لے جانا سکول اب
وہ بھی سکول جانے کے لائق ہوگئی ہے کچھ دن یونہی
تمہارے ساتھ جائے کہ عادت ہو جائے پھر میں اسکا
یونیفارم اور کتابیں لے لونگی۔۔۔
ماں میرا فیس کا مسئلہ تو حل ہوتا نہیں ملائکہ کی فیس کیسے
۔۔۔؟
تم اس بات کی فکر مت کرو میں نے تمہارے پرنسپل
سے بات کر لی ہے انہوں نے ملائکہ کو فی کنسیشن پر
داخلہ دینے کی تصدیق کی ہے۔۔رئیس نے شام کو
جواب دیا۔۔۔
شام کے وقت رابعہ کچھ اداس سی تھی اتنے میں رئیس آیا
اور اداسی کا سبب پوچھا جس پر رابعہ چپ ہی
رہی۔دوبارہ رئیس نے پوچھا کیا ہوا امی آپ ایسی گم
صم بیٹھی ہیں۔۔بتائیں ناں ابو یاد آ رہے کیا؟
مجھے بھی بہت یاد آتے ہیں ابو۔کاش وہ آج ہوتے تو
ہم اتنا بھی زمانے کی چکی میں نہ پستے،،، رئیس کی
آنکھیں نم سی ہوگئیں تھیں رابعہ نے اپنے لختِ جگر کو دل
سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر دونوں رونے لگے۔۔۔
مغرب کا وقت ہوا تو رابعہ نماز کی تیاری میں مشغول
ہوگئی۔دروازے پر دستک ہوئی رئیس باہر گیا تو کوئی آدمی
کھڑا تھا۔۔۔ارے یہ ادھر بھی آ گیا رئیس نے دل ہی
دل کہا۔۔۔یہ رابعہ بی بی کا ہی گھر ہے ناں؟ آدمی نے
دریافت کیا
جی مگر اس وقت وہ گھر پر نہیں ہیں۔۔
رئیس نے اسلئے ماں کی غیر موجودگی کا کہا کیونکہ رابعہ
آج پہلے ہی کافی اداس تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسکی
ماں کوئی بھی ایسی بات سنے جس سے اسکی اداسی میں
مزید اضافہ ہو۔۔۔۔
ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!
رئیس۔۔۔۔رابعہ نے بیٹے کو مخاطب کیا۔۔۔جی ماں
کل دروازے پر کوئی آیا تھا اور تم نے مجھے بتایا تک
نہیں وہ تو آج میں سکینہ سے کپڑوں کے پیسے لا رہی

تھی تو رستے میں آدمی نے مجھے پیغام دیا اور کیا تم بھی
جانتے تھے کہ وہ کیوں آیا تھا۔۔۔؟
جی ماں میں جانتا تھا مگر ماں آپ اس سفاک انسان
کے گھر میں نہیں جائینگی بس۔۔
بیٹا میں بھی نہیں جانا چاہتی مگر تمہارے دادا نے رضوان
کا واسطہ دے کر کہا ہے کہ رابعہ کو کہنا ضرور آئے میں
زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہوں۔ بیٹا تم بھی ساتھ
چلو کھڑے کھڑے ہی سہی ملکر آتے ہیں۔۔۔
نہیں ماں وہ آدمی اگر سانسیں گن رہا تو مر جائے آپ
اگر سب فراموش کر چکی ہیں تو معاف کیجیئے گا میں نہیں
آپ اکیلی ہی ہو آئیں۔ادھر ناں میرے چاند تم
ساتھ چلو میں کہہ رہی ناں اپنی امی کی بات ٹالو گے کیا؟
تم نافرمان کب سے ہو گئے۔ یوں رئیس نہ چاہتے
ہوئے بھی ماں کیساتھ روانہ ہو گیا۔ جب اپنے پرانے
آشیاں پہنچے تو رابعہ پر بیتے دنوں کی تلخ یادوں نے
سایہ کر دیا اور رئیس بھی ماضی کی تلخیوں کو اپنے ذہن میں
برداشت کر رہا تھا پھر دونوں نے سیدھا دادا کے کمرے
کا رخ کیا باقی گھر والے حسب معمول اپنے اپنے
کمروں میں ہی تھے اور کسی نے بھی زحمت نہ کی کہ
بچھڑے اپنوں سے حال ہی پوچھ لیں۔
جونہی دادا کے کمرے میں پہنچے تو رابعہ کے آگے سسر کا
ایک شرمندہ چہرہ تھا اور رئیس کے آگے دادا کی نادم سی
صورت۔
رابعہ بیٹا۔۔۔سسر نے بہو کو شرمندگی سے پکارا تھا اور
یہ لفظ بیٹا رئیس کو ناگوار سا گزرا کہ کل تک جس انسان
نے اذیت دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا
آج وہ بیٹا بیٹا کر رہا ہے۔۔۔۔
سسر نے بہو کیلیئے اٹھنے کی کوشش کی مگر اٹھتے اٹھتے
دوبارہ چارپائی پر لیٹ گیا مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے
اب ہمت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ سسر نے اپنے
ہاتھ جوڑے اور رابعہ سے معافی مانگنے لگا، بیٹا مجھے
معاف کر دو میں نے جیسا سلوک تمہارے ساتھ رکھا
مشکل ہے کہ مجھے خدا بھی بخشے مگر میں تم سے التجا کرتا
ہوں اپنے نہ سہی رضوان اور اپنے بچوں کے صدقے
مجھے معاف کر دو میں نے لاچاری کی حقیقت اپنے بستر
پر ہی دیکھ لی ہے میں نے تم پر اور بچوں پہ بہت ظلم
ڈھائے تبھی اوپر والا شاید مجھے دنیا میں ہی دکھا رہا ہے، کئی
مہینوں سے بیمار پڑا ہوں گھر میں کوئی بہو پوچھتی تک نہیں
انہیں بھی چھوڑ و اپنے سگے بیٹے بھی پاس تک آنا گوارا نہیں
کرتے کاش کہ میں تم جیسی بہو کی قدر کر سکتا کم از کم مرتا تو
سکون سے۔ مجھے اب کچھ بھی نہیں چاہیئے سوائے تمہاری
دی ہوئی معافی کے خدارا مجھے معاف کر دو۔۔۔
ایسا کہہ کر شرمندہ نہ کریں۔۔۔رابعہ نے جواب دیا
آپ بڑے ہیں اور ہاتھ جوڑتے اچھے نہیں لگتے ہم نے
غربت میں پل کے تکریم اور تہذیب ہی تو سیکھی ہے آپ
اگر نادم ہی ہو گئے تو میں آپکو خدا کی رضا کیلیئے معاف
کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ آپکے گھر والے آپکے
فرمانبردار رہیں اور آسانیاں پیدا ہوں۔
کچھ پل سکوت کے حصے میں آئے پھر رئیس نے ماں سے
کہا چلیں امی۔۔۔ہاں بیٹا چلتے ہیں رابعہ نے سسر سے بھی

اجازت چاہی۔۔۔نکلتے وقت سسر نے رابعہ کو آواز دی بیٹا میں اپنے بیٹے کے ہوتے تو کوئی سکھ تم سب کو دے نہ سکا مگر میں نے کچھ رقم رکھی ہے جو تمہارا حق ہے وہ بھیج دونگا رکھ دینا جس گھر میں کرائے پر رہتے ہو وہی خرید لو کہ کچھ آسانی ہو۔۔
نہیں اور ہرگز نہیں پیارے دادا جان۔۔۔رئیس نے اونچی آواز میں دادا کو مخاطب کیا،،،آپ یہ اپنی دولت اپنے پاس ہی رکھیں ہمیں بھیک کی ضرورت نہیں غریب ضرور ہیں مگر بے غیرت نہیں اور ویسے بھی جناب آپ نے زندگی بھر جتنا پیار ہمیں دیا ہے وہی کافی ہے۔۔۔
دیکھو رابعہ یہ بچہ ہے اسے سمجھا اور خدارا انکار مت کرو کہ شاید اس سے میرے گناہوں کا کچھ کفارہ ادا ہو جائے مجھے معلوم ہے تم سب ہی خفا ہو مگر میں اپنی سفید داڑھی کا واسطہ دے دیتا ہوں جس سے خدا بھی حیا کرتا ہے اسی خدا کیلئے مجھے دنیا سے اتنے گناہوں کیساتھ رخصت ہونے مت دینا کہ اگلا جہان مجھ پر بہت بھاری اور گراں گزرے۔۔۔
سسر نے بہو کے آگے التجا کی اور دوبارہ پھر کچھ خاموشی کے بعد رابعہ اور رئیس واپسی کرنے لگے۔۔۔۔
ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!
کچھ ہی عرصے میں رابعہ نے سسر کی دی ہوئی رقم سے وہی مکان خرید لیا جس میں کرائے پر رہا کرتے تھے، رقم کافی تھی سو اوپر کے پیسے باقی ضروریات زندگی خریدنے کے کام آئے۔اب پریشانیاں کچھ کم ہوگئیں تھیں مگر کچھ کچھ۔۔۔
تعلیمی لحاظ سے دیکھا جائے تو شام کچھ عرصے میں میٹرک کر چکا تھا۔رئیس کو بھی بہتر نوکری مل گئی تھی جسکے ساتھ ساتھ وہ پرائیویٹ داخلہ بھیج کر پڑھائی جاری رکھے ہوئے تھا اور ملائکہ بھی سکول میں داخل ہوچکی تھی۔
زندگی میں نشیب وفراز آتے رہے مگر ہر حال میں انہوں نے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔انہیں اپنی قسمت بنانی تھی اور قسمت بہادر لوگوں کا ساتھ دیتی ہے سو انہوں نے وقت کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے بہادری سے مقابلہ کیا۔
وقت گزرتا گیا وہ سنورتے گئے،وہ سنورتے گئے وقت گزرتا گیا۔جانے گھڑی کے کانٹوں نے کتنے چکر کاٹے،لمحوں نے تیز رفتاری سے کتنی ہی کروٹیں بدلی،
دنوں سے مل کر ہفتے بنے،
ہفتوں سے مل کر مہینے،
مہینوں سے مل کر کئی مہینے اور کئی مہینوں سے مل کر زندگی کچھ سال آگے چلی گئی تھی۔
رئیس گریجویشن کر رہا تھا اور اپنا ٹھکانہ اس نے شہر میں رکھا تھا تاکہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ نوکری کر کے اپنے گھر والوں کی کفالت کر سکے۔
شام بھی انٹرمیڈیٹ لیول پر تھا اور کالج سے واپسی پر بچوں کو ہوم ٹیوشن پڑھایا کرتا تھا جس سے اسکے کالج کی فیس کی کمی کچھ حد تک پوری ہو جایا کرتی تھی۔ملائکہ بھی چوتھی جماعت سے پانچویں جماعت میں چھلانگ لگا چکی تھی۔

ادھر رابعہ انتہائی مسرور تھی کہ اس کے تینوں بچے تعلیم جیسی دولت کو سمیٹ رہے جو کہ کل کو انکی طاقت بنے گی۔ باشعور ماں بھی کتنی کمال ہوتی ہے ناں جو پہلی درسگاہ سے ہی بچے میں نئی روح پھونک دیتی ہے۔

رابعہ کی زندگی کی سب سے بڑی جیت یہی تھی کہ اسکے بچے علم سے محبت رکھتے ہیں اور جنہوں نے اپنی منزلیں بنا کسی احساس کمتری اور بے یقینی کے طے کر رکھی ہیں جہاں آنے والا معاشرہ انکے حصہ ڈالنے کے بعد ایک باشعور اور منفرد معاشرہ ہوگا۔ اسکے تینوں ہی بچوں نے اپنی زندگی کے گولز سیٹ کر رکھے تھے۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!

آج رئیس شہر سے چھٹیوں پر گھر آیا تھا اور گھر میں خوشی کا سما تھا۔ رات کے کھانے کے بعد ماں اور تینوں بچے خوشگوار موڈ میں بیٹھے تھے۔

اگر اس محفل میں چائے ہو جائے تو مزہ دوبالا ہو جائے گا،،، رئیس نے ماں سے مسکراتے کہا اور پھر ملائکہ سے مخاطب ہو کر پوچھا،،، ہاں ملائکہ پڑھائی کیسی جا رہی ہے اور کیا ارادہ ہے بڑے ہو کر کیا بننا ہے۔۔؟؟

اچھی جا رہی بھیا جانی پڑھائی اور بڑے ہو کر انشااللہ وکیل بننا ہے۔۔۔

زبردست۔۔۔ شام اور رئیس اکٹھے بولے

اچھا ویسے وکیل کیوں۔۔۔؟ رئیس نے پھر سے سوال کیا۔۔۔

ملائکہ نے کم عمری کے باوجود انتہائی سمجھداری سے جواب دیا، تاکہ معاشرے میں کسی کا استحصال نہ ہو، عورتوں پر جتنے ظلم کیئے جاتے ہیں ان کا خاتمہ ہو، ہر زی روح اپنے حقوق پورے پورے حاصل کر سکے اور ایک ایسا معاشرہ ہو جہاں کیسے اور کیوں کہنے پر پابندی نہ ہو۔۔۔

Yes' You Can

شام نے ملائکہ کیلیئے تالی بجاتے ہوئے کہا۔۔۔

رابعہ کو اللہ تعالی نے خاص تحائف دے رکھے تھے اور یہ تحائف اسکے تینوں بچوں کی غیر معمولی قابلیت کی صورت میں اسکے پاس تھے۔۔۔

اچھا تو مسٹر شام آپکے آگے کے کیا ارادے ہیں۔۔۔؟؟؟

رئیس بھائی آپ بھی ناں۔۔۔ جب میں نے ملائکہ کو کہا کہ Yes you Can تو پھر بھی آپ پرکھ نہیں سکے کہ مجھے کیا بننے کا شوق ہے۔۔۔

شام نے رئیس کو جواب دیا مگر رئیس نے وضاحت چاہی۔۔

شام نے کہا بھائی میں نے موٹیویشنل اسپیکر بننا ہے جو ٹوٹے دلوں کو جوڑے، جو Motivate کرے، لوگوں میں حوصلہ افزائی کو پروان چڑھائے، کچھ کرنے کی طاقت لوگوں کے دلوں کو مہیا کرے، لوگوں کے اندر کے Fears کو ختم کرے، اونچی اڑان لینے میں مدد دے، جو کامیابی کا پیغام دے، جو زندگی کی صحیح سمت فراہم کرے، جو کامیابی کا پیغام دے اور خود ایک مثال بن کر سب کی ہمت اس جملے سے بڑھائے کہ

Yes YOu Can ..

ارے واہ !زبردست مسٹر شام بہت اچھے رئیس نے

اسے بیحد سراہا اتنے میں ملائکہ نے رئیس سے پوچھا بھیا

جانی آپکے ارادے مبارک کیا ہیں۔۔۔؟؟؟

رئیس نے جواب دیا، میرا تو یہی پیشن ہے کہ عمر اپنی

خدمت خلق میں صرف کردوں ویلفیئرز وغیرہ چلاں کہ

غریب لوگوں کی محتاجی میں کچھ حد تک کمی آئے، ایسے

ادارے چلاں جہاں سے تعلیم جیسی قیمتی شے سستے

داموں ملے، جو کچھ ہم نے سہا وہ کوئی اور نہ سہے، جس

طرح میں نے مجبورا پرائیویٹ پڑھا کوئی اور ایسا نہیں

بلکہ ریگولر پڑھے اور اسکے ساتھ ساتھ کرائم رپورٹنگ

کروں تاکہ معاشرے سے جرائم نیست و نابود

ہوں۔۔۔۔

شام اور ملائکہ نے بڑے بھائی رئیس کو دعائیں اور نیک

تمنائیں پیش کیں اور اسکے بعد تینوں نے ایک دوجے

کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ پہاڑوں جیسا کٹھن

رستہ عبور کرکے اپنی منزل کیسے بھی کرکے پانی ہے

۔۔۔۔

یہ لو چائے پیو اور اسکے بعد بن جانا وکیل بھی، موٹیویشنل

اسپیکر بھی اور کرائم رپورٹر بھی۔۔۔

رابعہ کے چائے لاتے ہی تینوں بچوں نے ماں کے اس

جملے پر ایک دوجے کو دیکھ کر زوردار قہقہہ مارا۔۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!

زندگی کی ریل گاڑی چلتی رہی اور انہیں منزل کی جانب

پہنچاتی گئی، اس ریل گاڑی کے ڈبے کچھ خوشیوں کے

تھے تو کچھ پریشانیوں کے اسکے علاوہ اس گاڑی کا قیام

خوشیوں کے سٹیشنز پر کافی قلیل جبکہ دکھوں کے سٹیشنز

پر کافی طویل ہوتا۔کئی جگہ پیدل بھی چلنا پڑتا مگر وہ

رستے کے جھاڑ جھنکار سے رستے بنا بنا کر اپنی منزل کی

طرف گامزن تھے۔سورج اپنی شدتِ تپش کا عذاب

ان پر مسلط کرتا انکو پسینو میں ڈبوتا، بھاگ دوڑ انہیں

ہلکان بھی کرتی، مشکلات پریشان بھی کرتی مگر وہ بڑی

ہمت سے ان حالات کا مقابلہ کرتے جا رہے تھے۔

انسان جتنی زیادہ مشکلات کا سامنا کرتا ہے کامیابی بھی

اتنی ہی بڑی ملتی ہے کیونکہ اللہ کی رحمت اسی پر برستی ہے

جسکے پاس درد ہو اور آنکھیں نم ہوں۔رکاوٹ تو اس

دانے کی راہ میں زمین بھی ہوتی ہے جسے اگ کر پودا بننا

ہوتا ہے ایک دانا بھی جدوجہد کرکے زمین کا سینہ چاک

کرتا ہے اور نعمت بن کر ابھرتا ہے۔۔۔۔

وقت آ ہی گیا جب مصیبت کے ماروں کو راحت کے

لمحات میسر آنے لگے، انکا جتنا سفر تھا کافی طویل تھا مگر

وہ تھک ہار کر بیٹھے نہیں، انہیں تب تک چین نہ آیا تھا

جب تک انہوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل نہ کی

تھی۔۔۔

زندگی مزید کچھ سال آگے کو نکل گئی تھی، رئیس جاب

کے ساتھ ساتھ پڑھائی بھی پوری کرکے اپنے علاقے

کو واپسی کر چکا تھا اور یہاں ایک فلاحی تنظیم چلانے

کے ساتھ ساتھ ٹی وی نیوز اور اخبار کیلئے رپورٹنگ کیا

کرتا تھا۔

شام نے ماسٹرز کے بعد مختلف ٹیچنگ کورسز کیئے اور

مختلف ٹریننگ سیمینارز اٹینڈ کرکے موٹیویشن میں

مہارت اپنائی اور اب اپنی خدمات بطور استاد اور ٹرینر دے رہا تھا جبکہ ادھر ملائکہ بھی کافی بڑی ہو گئی تھی اور اب نہم جماعت میں علم کی شمع روشن کیئے ہوئے تھی۔

رابعہ اب زندگی میں کافی مطمئن اور خوش تھی مگر کہیں نہ کہیں اسے اپنے شوہر کی یاد ضرور آتی کہ رضوان ہوتا تو اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتا۔۔۔

اب گھر اپنا بھی تھا اور بڑا بھی تھا، مسائل بھی کافی حد تک مٹ چکے تھے مگر رابعہ پھر بھی دل لگا رہنے کیلیئے کپڑے سیتی تھی۔ ان سب کا آپس کا پیار اور دنیا والوں کیلیئے اخلاق قابلِ رشک تھا۔ ہر ایک بندہ رئیس اور شام کا معترف تھا اور اسکول میں ملائکہ کے اساتذہ بھی ملائکہ پر رشک کرتے تھے اور شام کی مثالیں بھی آج تک سکول میں زندہ تھیں کہ کس طرح شام نے پڑھا تھا، ملائکہ اسی سکول سے پڑھ رہی تھی جس سے شام نے پڑھا تھا۔ ملائکہ اپنے بھائی کی تعریفیں سن کر فخر سا محسوس کرتی اور اس بار کے سالانہ فنکشن میں پرنسپل نے شام کو ہی بطور مہمان خصوصی بلایا تھا۔ یوں پھر فنکشن کے دن رئیس اور اور رابعہ بھی فنکشن اٹینڈ کرنے سکول گئے۔۔۔۔

ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔!!!

سالانہ پروگرام شروع ہوا۔ باری باری کمپیئر فنکشن کے پرفارمرز کو بلاتا اور وہ آ کر پرفارم کرتے۔ یوں وقت ہوا مہمان خصوصی کی سپیچ کا تو کمپیئر کچھ اس طرح بولا

So Now i would like to invite the extra ordinary former student of our institute. Trainer and the famous motivational speaker Sir Shaam...

So plz put your hands together for Sir Shaam....!!!

تالیوں سے پورا ہال گونج اٹھا اور شام نے سٹیج سنبھالا۔ اس کے سامنے وہ ماں بھی بیٹھی تھی جس نے ہزاروں جتن کر کے اسے پالا تھا اور وہ بھائی بھی تھا جس نے اپنی ذاتی رقم سے اس کی اکثر فیس بھری تھی اور کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ پورے سکول کے طلبا اور نئے پرانے اساتذہ بھی تھے، یوں تو اس نے ہر جگہ سٹیج سنبھالا تھا مگر یہ کافی پر مسرت لمحہ تھا جب وہ اپنے لوگوں میں موجود تھا۔۔۔

شام نے سپیچ کچھ ان لفظوں سے شروع کی جس میں سامعین محفل کھو سے گئے تھے،،،،

زندگی کے کئی روپ ہیں، کبھی یہ معصومیت بن کر بچوں کے چہروں پر مسکراتی ہے، کبھی اکھڑ جوانی کے روپ میں حسین دوشیزاں کے رخساروں پر منڈلاتی ہے، کبھی غرور بن کر چوڑے چکلے سینوں میں جا سماتی ہے، کبھی تکبر بن کر کسی کی پیشانی میں جا الجھتی ہے، کبھی بے کسی و بے بسی کی صورت غریب کی کٹیا میں کسمساتی ہے اور کبھی کشادگی، خوشحالی اور فراخی بن کر عالیشان گھروں کے سبزہ زاروں اور دالانوں میں ٹہلتی ہے، کبھی یہ عزم

بن جاتی ہے کبھی درماندگی و خستگی۔ بنانے والے نے
اسے اس طرح بنایا ہیکہ ناامیدی کے مرجھائے ہوئے
پودوں سے امید کی کونپل پھوٹے، افسردگی وویرانی کی
بوجھل بوجھل فضاں میں شگفتگی کے کنول کھلیں، کسی
سمت سے روشنی کا ہالہ ابھرے، تاریکیوں کی کوکھ سے
کرنیں جنم لیں۔ بیشک ہر مصیبت کے بعد راحت اور
مشکل کے بعد آسانی ہے، حکم تو یہ ہیکہ جب
کامرانیوں سے ہمکنار ہو تو شکر گزار بنو، پریشانیوں
میں گھر جاتو زمانے کو برا مت کہو، خدا خالق زمان ہے
یہ تو دن ہیں جنہیں وہ لوگوں کے درمیان گردش دیتا
ہے۔۔۔
عزیز طلبا یہ بات ذہن نشین کر لیجیئے کہ ہم دنیا کے
کیلینڈر پر لاکھ جادو کر لیں مگر موجودہ وقت جب ماضی
بنا تو کبھی لوٹ کر آپکی زندگی میں نہیں آئے گا اس لیئے
اپنے وقت کو قیمتی بنائیں۔ اکثر لوگ شکایت کرتے
ہیکہ ہمیں آگے بڑھنے کیلیئے سازگار حالات نہیں ملے،
حالات تو سازگار کبھی ہوتے ہی نہیں بس لہروں کو چیر کر
کنارے پر جانا پڑتا ہے اس لیئے خود ہی ہر مشکل کا
سامنا کر کے راستہ تلاشنا ہوگا۔ حقیقی دولت پیسہ نہیں
بلکہ خود شناسی ہے، خود کو دریافت کر کے ایک سمت
بنائیں اور اپنے مقصد کے ہمراہ چل پڑیں۔ جب
آپ اپنی توانائیوں کا صحیح استمال کرنا شروع کرینگے تو
کامیابی آپکے قدم چومے گی لہذا مشکلات سے
گھبرائیں نہیں جتنی خود شناسی انسان کو تکلیف میں ہوتی
ہے اتنی راحت میں نہیں ہوتی۔ میری والدین سے بھی
درخواست ہیکہ اپنے بچوں کو اتنی آسائشوں سے بھی
واقف نہ کریں کہ وہ زندگی میں اپنا مقصد کھو بیٹھیں اور
اپنے پیروں پر چلنا ہی بھول جائیں۔ بس اپنے اہداف
مقرر کیجیئے اور نکل پڑیئے بنا خوف و خطر کیونکہ منزل آپکا
راستہ دیکھ رہی ہے اور کامیابی اپنے لبوں کی تشنگی آپکے
قدموں کو چوم کر بجھانے کی منتظر ہے،،،،

وقت کی گردشوں کا غم نہ کرو

حوصلے مشکلوں میں پلتے ہیں

شام نے اس شعر سے اپنی تقریر کا اختتام کیا اور تمام
حاضرین نے کھڑے ہو کر شام کیلیئے تالیاں بجائی جن
میں شام کی والدہ، رئیس اور ملائکہ بھی تھے۔ یہ لمحہ شام
کیلیئے اتنا یادگار تھا کہ جسکی کوئی حد نہ تھی۔ شام سٹیج سے
کب کا نیچے اتر چکا تھا مگر تالیاں ابھی بھی بج رہی
تھیں۔۔۔۔
یوں سب سے مل ملا کے آخر میں رابعہ اور اسکے تینوں
بچے شام، رئیس اور ملائکہ جب اکٹھے ہوئے تو ملائکہ
نے شرارتاً شام سے پوچھا،،،

Sir What does cool pot mean?

شام، رئیس اور رابعہ تینوں اس سوال پر مسکرائے پھر
شام نے جواب دیا ٹھنڈی ہانڈی۔۔۔
دیکھونا اگر ہانڈی گرم ہوتی تو آج یہ محفل ٹھنڈی رہتی،
اس محفل کی گرمجوشی میں سارا کردار اس ٹھنڈی ہانڈی کا
تھا جس نے اتنا کچھ سکھایا اور جس نے زمین سے اٹھا
کے آسمان سے لگایا۔۔۔
نکلتے ہوئے رابعہ دل ہی دل میں آسمان کی جانب دیکھ

کر ہونٹ ہلائے کچھ پڑھ رہی تھی، شام اور رئیس نے

پوچھاماں کیا پڑھ رہی ہیں آپ۔۔۔؟

ملائکہ بھی انکا چہرہ دیکھ رہی تھی،

ماں نے جواب دیا کہ قرآن پاک کی وہی آیت

سیجعل اللہ بعد عسر یسرا

سب مسکرائے اور بیشک کہا، پھر چاروں نے ہاتھوں

میں ہاتھ لیئے پیار بھری باتوں کے ساتھ اپنے آشیاں

کارخ کیا۔۔۔۔

سوشل میڈیا اور ڈپریشن

انابیہ رحمٰن (ڈیرہ غازی خان)

میں نے ہمشیہ ایک بات نوٹ کی کہ آجکل ہر بندہ

یہاں سوشل میڈیا پر اپنا ڈپریشن اپنی پرابلمز کو لے کر

سیڈ پوسٹ کرر ہا ہوتا شائد وہ ایسا کر کے خود کو ریلیکس

کرنا چاہتا لیکن افسوس ایسا کر کے وہ اور زیادہ ڈپریشن

میں چلا جاتا کہ جب ڈیفرنٹ کامنٹ کی صورت میں

اسے جو سیجشن دیئے جاتے کاش اگر ہم اس وقت اللہ

پاک سے رجوع کریں اور اس سے مدد مانگیں کہ وہ

جس کو اپنی جستجو میں دیکھے اسکے لئے اپنی راہ آسان کر

دیتا ہے

"لیس للانسان الا ما سعی"

پھر وہ جستجو کے اخلاص کو آزماتا ہے .. دوری کو نہیں

حقیقت منکشف کرنے .. خالص پاک کرنے کو ..

قرب دینے کو .. آر یا پار کرنے کو..

اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسنی عبادتک اللھم آمین

ہر آزمائش کلمہ حق واخلاص لا الہ الا اللہ ہی تو منکشف

کرنے آتی ہے جو کلمہ محبتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے عمل پر عمل پیرا ہونے سے جلا پاتا ہے.

تو آزمائش ایک نقارہ بجاتی آتی ہے .. جا اپنے اپنے

خدا چن لو ... ایاک نعبد وایاک نستعین کے دعوے کی

صحیح آزمائش ہوتی ہے . تو اخلاص والے یعنی رب

والے رب سے مدد مانگتے ہیں .. انا والے جھوٹی خداء

شرکرو جبر سے ..

استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب

الیہ۔۔۔

اس دنیا اور زیادہ تر اس سوشل میڈیا پر ہمیں طرح طرح

کہ لوگ ملتے ہیں ... کچھ ہمیشہ یاد رہنے کیلیئے اور

کچھ سبق سکھانے کیلیئے، ایسی صورت حال میں لڑکا ہو یا

لڑکی

دونوں کو احتیاط کی ضرورت ہے اور ایک عورت ایک

لڑکی کو خاص کر اپنے گھر والوں کی عزت وآبرو کو مدنظر

رکھنا چاہیئے

یہ جو دوسرے لڑکوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنا

گھر خراب کرتی ہیں اللہ ہی بچائے ایسے لوگوں

سے۔۔اللہ پاک ہم سب کو عزت ومحبت سے اپنی

محبت بھری امان میں رکھے۔۔۔اللھم آمین یا ارحم

الراحمین۔!

ہم سے ہے یہ چمن

ہادی خان

سوہنی دھرتی سوہنی دھرتی

اللہ رکھے

قدم قدم آباد

قدم قدم آباد تجھے

سوہنی دھرتی سوہنی دھرتی

اللہ رکھے

تیرا ہر اک ذرہ ہم کو اپنی جان سے پیارا

تیرے دم سے شان ہماری تجھ سے نام ہمارا

جب تک ہے یہ دنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے

سوہنی دھرتی سوہنی دھرتی

اللہ رکھے

قدم قدم آباد

قدم قدم آباد تجھے

قدم قدم آباد تجھے

دھڑکن دھڑکن پیار ہے تیرا

قدم قدم پر گیت رے

دھڑکن دھڑکن پیار ہے تیرا

قدم قدم پر گیت رے

بستی بستی تیرا چرچا نگر نگر اے میت رے

جب تک ہے یہ دنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے

سوہنی دھرتی سوہنی دھرتی

اللہ رکھے

قدم قدم آباد

قدم قدم آباد تجھے

قدم قدم آباد تجھے

سوہنی دھرتی اللہ رکھے

تیری پیاری سج دھج کی ہم اتنی شان بڑھائیں

آنے والی نسلیں تیری عظمت کے گن گائیں

جب تک ہے یہ دنیا باقی ہم دیکھیں آزاا د تجھے

سوہنی دھرتی سوہنی دھرتی

اللہ رکھے

قدم قدم آباد

قدم قدم آباد تجھے

قدم قدم آباد تجھے

****

"ہائے اللہ اتنی گرمی... کیا بنے گا اس ملک کا، اس پنکھے کے نیچے بھی سکون نہیں جاں تو کہاں جاں مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا"...انعم نے اپنے حالات پر رونا روتے ہوئے کہا . جو دراصل سامنے سبزی بناتی اپنی ماں سے مخاطب تھی

" کاش میں کسی ٹھنڈے ملک میں پیدا ہوئی ہوتی .. سوئیٹزرلینڈ جیسے کسی حسین ملک میں"....بظاہر وہ خود سے باتیں کر رہی تھی مگر درحقیقت سنا اپنی اماں کو رہی تھی_

"آئے ہائے لڑکی کیا ہو گیا ہے، کیوں چلا چلا کر محلے میں اپنی غریبی کے جھنڈے لہرا رہی ہو"... فردوس بیگم نے ہاتھ میں پکڑی بھنڈی بیٹی کو دے ماری

"افففف کیا ہیا ماں پہلے ہی گرمی سے برا حال ہوا پڑا ہے اوپر سے گند بھی مجھ پر پھینکو آپ، مجھ سے نہیں بار بار ٹنکی سے پانی بھر کر نہایا جاتا"...انعم نیا پنی سستی کا عالم بتایا

"یا تو تو چپ کر جا یا پھر سو جا، جتنی دیر تو جاگتی ہے میرا دماغ ہی کھاتی ہے، پتا نہیں کب جان چھوٹے گی میری تجھ سے"... فردوس بیگم انعم کے روز روز کے شور سے تنگ آ چکی تھیں_

"چلی جاؤں گی اماں کوئی شہزادہ ہی آئیگا مجھے لینے پھر لے جائیگا کہیں دور"... انعم نے پورے اعتماد سے

کہا

"ایا ے.. بے حیا شرم کر تجھ سیا ک بڑا بھائی بھی ہے گھر میں، کبھی کبھی تو مجھے تیرے ایسی باتوں سے تجھ پر شک ہونے لگتا ہے"... انہوں نے بلند آواز میں کہا

"بھائی کا سوچ رہی ہو میں تو جیسے کچھ لگتی ہی نہیں، مجھ پر کیوں نظر پڑتی اماں تمہاری، جب دیکھو اپنے لاڈلے کے گن گاتی رہتی ہو"... انعم کو اماں کا اپنے اوپر فوقیت دینا اک آنکھ نہ بھایا

جبکہ اصل میں خود بھی اپنے بھائی بڑی عقیدت رکھتی تھی اپنے کالج میں وہ اپنے ٹیچرز اور سہیلیوں کیسامنے بڑی شوخی ہو کر اپنے بھائی کی تعریفیں کرتی اور بات بات پر بھائی کی مثال دیتی اور اوپر سے بھائی آرمی میں بھی تھا تو مزید فخر سے کہتی، اسے اپنی سہیلیوں میں بھائی کے نام پر رشک آتا تھا

"تو تو کیا چاہتی ہے نا نہجار اک ہی تو لعل ہے میرا اور اسی کے دم سیا اس گھر کا چولہا جلتا ہے، تیرا تو مجھے اک بھی فائدہ نہیں بیٹھی رہتی ہے سارا دن فارغ میٹرک فی "..اماں نے میٹرک میں دو سپلیاں آنیپر اس کا تو نام ہی میٹرک فیل رکھ چھوڑا تھا

"اماں تو مجھے یہ طعنہ مت دیا کر اور کاش تیری شادی ابا سے نہیں بلکہ کسی امیر گھرانے میں ہوئی ہوتی تو کم از کم سکون کا سانس تو لیتے "... انعم منہ پھاڑ کر بولی

"ابیبشرم بیجیا رک تیرا بیڑا غرق میں کرتی ہوں فردوس بیگم نے ہاتھ میں چھری پکڑ یا اور انعم کی طرف بڑھیں ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا انعم سہم گئی مگر ماں تھیں وہ بھی کیا کہتیں دو تھپڑ رسید کر دیے

"ارے ارے اماں کیوں مار رہی ہیں کیا ہو گیا ہے"... ارسلان نے بڑھ کر ماں کو پکڑ کر اک طرف کیا اور بہن کیلیے اک مضبوط ڈھال ثابت ہوا_

"بیٹا یہ بہت بکواس کرنے لگی ہے بنا سوچے بول دیتی ہے جو من میں آئے"... اماں نے اک گھوری سے نوازتے ہوئے شکایت کی

"تو اماں وہ بچی ہے آپ پیار سے سمجھائیں مارنے سے کیا ہوتا ہے"... اس نے پھر بہن کا دفاع کیا

"آج کل بہت زبان چلنے لگی ہے اس کی کسی دن میں نے اسکی زبان ہی کاٹ دینی ہے، اسے سمجھانا میرے بس کا کام نہیں ہے، جب جب یہ زبان چلائیگی ایسے ہی مار کھائے گی"... فردوس بیگم نے چھری والا ہاتھ آگے کر کیا انعم کو دھمکایا

"اماں بچی ہی تو ہے ابھی، اور انعم تم کیوں تنگ کرتی اماں کو کیا بات کیا ہے"... ارسلان بہن کی طرف مڑا

" کچھ نہیں بھائی اک تو گرمی سے صبح سے برا حال ہے اوپر سے اماں کی یہ بھیانک بدعائیں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی بدعا مجھے لگ ہی نہ جائے"... انعم نے معصومیت سے کہا

"اماں اک ہی تو بہن ہے میری اور تو اسے بھی کوسنے دیتی ہے، یہ میری لاڈلی ہے کیوں تنگ کرتی ہو"... ارسلان نیاماں کو آنکھ مار کر مصنوعی غصہ دکھایا تا کہ انعم ادس نہ ہو

"بیٹا تو ہی کر یہ لاڈ ہم سے نہ ہونگے اور تم دونوں بہن

بھائی میرے سامنے یہ ڈرامامت کیا کرو آپس میں
جومرضی کرومیری بھلا سے"... فردوس بیگم نے ان
کے پیار کے ہتھیار پھینک دیے اور مزید کچھ کہے
بناوہاں سے چلی گئیں
"اب آیانا میرا شیر بھائی اماں اب کچھ بولونا، بھائی کی
لاڈلی ہوں بھائی کے ہوتے کوئی مجھے کچھ نہیں کہہ
سکتا"... انعم نے بھائی کی پیر کھلم کھلا اماں کو میدان جنگ
کیلئے للکارا
"چپ کر اماں سے ایسے بدتمیزی سے نہیں بولتے
پگلی"... ارسلان نے پیار سے سمجھایا
"آپ کو نہیں پتا بھائی یہ اماں مجھے ہر وقت کچھ نہ کچھ کہتی
رہتی ہیں.. تجھ سے جان چھوٹے تو جائے یہاں سے
ایسے بولتی ہیں، کیا میں سچ میں یہاں سے چلی جاؤں
بھائی...؟ "انعم نے خالی نظروں سے بھائی کی جانب
دیکھ کر پوچھا
"ارے نہیں تو میں جب تک ہوں میری لاڈلی کو کوئی
کچھ نہیں کہہ سکتا اور جب تک تیرا بھائی ہے کوئی تجھے
نکال نہیں سکتا یہاں سے"... ارسلان نے بناباپ کے
پلی بہن کے سر پر دست شفقت رکھا
شفقت اور محبت سے کوئی بڑا سر پر ہاتھ رکھے تو ہمت آ ہی
جاتی ہے، یہی وجہ تھی جو انعم اماں کے سامنے اکڑتی تھی،
وہ ویسے تو اماں سے بہت پیار کرتی تھی مگر یہ سب اس
لئے کرتی کہ اماں کو تنہائی کا احساس نہ ہو کیوں کہ تنہائی
انسان کو کھا جاتی ہے کبھی دھیرے دھیرے تو کبھی اک
پل میں...

"اور یہ بھی بتانا کہ تیری اس لاڈلی کو ایسی والے ٹھنڈے
کمرے کا شوق ہو گیا ہے، پتا نہیں کون بھرتا ہے اس کے
دماغ میں یہ گند"... اماں نے کمرے سے باہر نکل
کر انعم کی چغلی کی
ارسلان حالات سے پریشان تھا وہ بیحد تنگ ہو کر گھر
چلارہا تھا ساری تنخواہ وہ اماں کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا
جو کہ محض پچیس ہزار تھی اور ات نیمیں کون سا محل کھڑا
کرمارنا تھا انہوں نے بس مشکل سے گھر چل رہا تھا...
اور جو قرض اماں نے ارسلان کے ابا کے وفات
پاجانے پر اپنے بچوں کو پالنے کیلئے لیا تھا وہ بھی تو
لوٹانا تھا
پریشانی میں ارسلان نے انعم کو دلاسہ دیا
"ہاں ہاں کیوں نہیں میری لاڈلی نے کوئی فرمائش کی
ہے تو میں ضرور پورا کروں گا، ان شاءاللہ میں جلد ہی
روم کولر خریدلوں گا"... ارسلان کی بات سن کر انعم کی
جان میں جان آئی
"سچ میں بھائی آپ دنیا کے سب سے اچھے بھائی
ہو"... فردوس بیگم جو دروازے میں کھڑی تھیں،
ارسلان کو بہن کو خواب دکھاتا دیکھ کر اندر چلی گئیں اور
چوری چھپے رونے لگیں کہ کہیں ارسلان نہ دیکھ لے
"چلو آب میری کوئی کپڑے پریس کر دو تا کہ میں
نہالوں"... ارسلان نے اس کے سر میں ہاتھ پھیرا
"جی ابھی کرتی ہوں"... وہ اٹھ کھڑی ہوئی
****
"ابھی ابھی تو نیا سوٹ لیا تھا اب پھر سے تجھے کون سی

" اماں 14 اگست آ رہی ہے اور مجھے نیا سوٹ
چاہیے"... انعم نے کھل کر اپنی فرمائش سے آگاہ کیا
" کوئی ضرورت نہیں، تیرا بھائی کسی لینڈ لارڈ کا بیٹا نہیں
ہے اک سپاہی ہے اور تجھے اس کی محنت کی کمائی سے
ایسی عیاشی کرنا زیب نہیں دیتا اور تجھے میری قسم ہے جو
تو اس سے فرمائش نہیں کریگی، وہ تیری سن لیتا ہے
اور تو اس چیز کا ناجائز فائدہ مت
اٹھا"... فردوس بیگم نے سختی سے انکار کر کے تاکید بھی
کردی
" کمال کی ترکیب دی اماں وہ میرا بھائی ہے میں
سیدھا اسی سے مانگ لوں یہ میں نے کیوں نہ
سوچا"... انعم نے کھوئے کھوئے انداز میں آہستہ سے
چلتے ہوئے کہا
" ایسے! اگر تو نے ارسلان سے اک بھی فرمائش کی نہ
تو میں تیرا وہ حال کروں گی جو آج تک کسی ماں نے
نہیں کیا ہوگا" فردوس بیگم نے بگڑی بیٹی کی حرکتوں
پر غصہ کرتے ہوئے دانت پیس کر کہا
" اماں تجھے کیا ہے وہ میرا بھائی ہے میں جو مرضی فرمائش
کروں تجھے کیا ہے، اور اب تو میں ضرور کروں
گی"... انعم جتا کر کہا اس سے پہلے اماں اپنے
خطرناک ارادوں سے آگے بڑھتیں وہ اک جست میں
وہاں سے بھاگی
" ارے آرام سے گڑیا کیا ہو گیا ہے"... ارسلان
جو کاپی پنسل پکڑے کچھ حساب کتاب میں مگن تھا بہن
کی اچھل کود پر ٹوکنے لگا

" بھائی اماں کے ہاتھ لگ گئی تو چوٹ تو تب بھی لگ ہی
جانی ہے"... انعم ہانپتے ہوئے بولے
" اففف تم نے ہر وقت اماں سے لڑائی مل) نقد (لی
ہوتی ہے، بتا اب کیا کارنامہ سرانجام دیکر آئی ہو
"... ارسلان نے کاپی اک طرف رکھی اور اس کی
جانب متوجہ ہوا
" بھائی میرا دل کرتا ہے میں 14 اگست پر نیا سوٹ
لوں پر یہ جو اماں ہیں نا یہ مجھے ہر چیز سے روک دیتی
ہیں، کنجوس اول کنجوس ہیں ہماری اماں تو، اب کیا میں
کوئی لاڈ بھی نہیں کر سکتی اپنے بھائی سے"... اس نے
منہ بسور کر ساری بات بتائی
" تو چلو پھر اٹھو ہم سب کچھ لیکر آتے ہیں"... ارسلان
کو جذباتی کرنیکی انعم کی کوشش ناکام نہیں گئی تھی
دراصل بھائی جتنا بھی سخت دل ہو وہ اپنی بہن کی بات
کو بہت غور سے سنتا ہے اور سمجھتا بھی ہے ..
یہ تو اک راویت ہے کہ بہن بھائی آپس میں جتنا بھی
لڑ لیں جب ان کو جدا کیا جائے تو آخر رلا ہی دیتی ہے
جدائی_
" چاہے وہ بہن کی ڈولی اٹھنے کا وقت ہو یا بھائی
کا پردیس جانا ہو دونوں پر قیامت خیز لمحات
کا گزر ہوتا ہے کچھ کھو دینے کا احساس پنپنے لگتا ہے ...
****
" بھائی مجھے جھنڈا اور جھنڈیاں بھی لینی ہیں اس دکان
سے"...
انعم بازار جا کر پھیل گئی پہلے اک سوٹ لیا اور اب اس کی

"مسکرا کر حامی بہری

شاپنگ کا سارا سامان ارسلان کے ہاتہ میں تہا

"بہائی یہ جہنڈا اور جہنڈیاں دینا"... انعم اپنی شاپنگ میں مصروف ہوچکی تہی

ارسلان نے دکان کیا ندر نظر گہمائی تو اس کی آنکہوں نیاک خوشگوار سا منظر دیکہا وہاں اک بچہ پاکستانی آرمی کی وردی پہنے بڑا ہی خوبصورت لگ رہا تہا

بڑ یبوڑ ہوں کا تو پاکستان آرمی سیمحبت کا سنا تہا مگر بچے بہی اپنے ملک کیمحافظوں سے بیحد عقیدت رکہتیتہے

بچےپنیا پنیا باکو مارچ کر کید کہایا

"بیٹا آپ نیبڑ یہوکر کیا بننا ہے"... ارسلان سیر ہانہ گیا تو وہ پوچہ بیٹھا

"میں بڑا ہوکر پاکستان آرمی کا حصہ بنوں گا"... بچےنیمعصومیت سے جواب دیا جو خود محض 6 یا 7 سال کا تہا

"اور آپ نے ابہی سیآرمی کی وردی پہن لی"... ارسلان مزید دلچسپی لینے لگا

بچے کا باپ پاس کہڑا یہ منظر دیکہ کر مسکرا رہا تہا

"انکل ہمار یسکول میں فنکشن ہیاور میں اس میں فوجی کا رول کر رہا ہوں اور مارچ کروں گا سٹیج پر"... بچے کی معصوم سی باتیں سن کر ارسلان کو بہت خوشی ہوئی

"آپ کو پتا ہے میں بہی پاک آرمی کا حصہ ہوں"... ارسلان نیاپنا تعارف کروایا

"انکل آپکے پاس بہی پہر اس طرح کا یونیفارم ہوگا"... بچے نیاانے کپڑوں کی جانب اشارہ کیا

"ہاں اس طرح کا ہے لیکن وہ تہوڑی بڑا ہے"... ارسلان ہنس کر بولا

"بہائی چلیں"?... انعم نے مڑ کر کہا

"ہاں چلتے ہیں"... ارسلان نیبچے کے گال پر بوسہ دیا اور پیسے ادا کر کے گہر کی جانب چل دیا

مٹی کے تعویز بنا کے.....____

نام وطن کا گلے لگا کے....______

ہر . مشکل سے ہاتھ چھڑا کے....____

تیرے سارے خواب بچا کے.....________

بس اتنا کہنا آئے ہیں...________________

شکریہ پاکستان........ شکریہ پاکستان

****

"ارے کلموہی یہ کیا اٹھا لائی تو"... ان کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر فردوس بیگم برس پڑیں

ارسلان کیہاتھ میں ڈھیر سارے شاپر تھے

"اریا تنے پیسے ضائع کر دیے کچھ تو لحاظ کیا ہوتا بھائی کی محنت کی کمائی کا"... ان کا پارہ چڑھا ہوا تھا

" کیا ہوگیا ہیاماں، بچی ہی تو ہے"... ارسلان نیان کو ٹھنڈا کرنیکی کوشش کی

"اریارسلان میں کہتی ہوں نہ سر چڑھا اس لڑکی ذات کو، کل کوا گلے گھر جائیگی"... انہوں نے حقیقت کا پہلو سامنیر کھا

"تم یہ سب پکڑ واور اندر جا"... ارسلان نیسب چیزیں انعم کو تھما کر اپنے کمریے میں جانیکی ہدایت کی

انعم شاپر پکڑ کر بڑے رعب سے گردن اکڑا کر جانیلگی اس
کے ہونٹوں پر بڑی خوبصورت سی مسکراہٹ تھی
"دیکھ دیکھ ماں کو آنکھیں دکھاتی ہے، ارسلان تو نے
ہت بگاڑ کر رکھا ہے اسکو کوئی بھی الٹی سیدھی فرمائش
کرے تو تیرے لی یتو جیسے حکم کا درجہ
ہو جاتا ہے"... اب وہ بیٹے کے سر ہو گئیں
"اچھا یہ اتنے پیسے آئے کہاں سے جو یہ سب اٹھالائے
ہو"... انہوں نے تفتیش شروع کر دی
" کچھ بھی نہیں اماں، جب میں پچھلی بار گھر آیا تھا تب
بتایا تو کہ مجھے کچھ پیسے انعام میں ملے ہیں وہ
جو ہمارے مقابلے ہوئے تھے اس میں"... ارسلان
نے بوکھلا کر صفائی پیش کی
"مجھے مت سنا کچھ بھی، کر اپنی مرضی اور بگاڑ اس
کو اور بھی کل کو مجھے مت کہنا کچھ"... اماں نے
سارا ملبہ اس پر ڈالا اور مزید کچھ کہے جانے لگیں
ارسلان نیآ گیبڑھ کر ماں کو گلے لگایا
"دیکھو میری پیاری اماں ابا کے جانے کے بعد میں نے
انعم کو باپ کی طرح شفقت محبت سے پالا ہے تا کہ اس
کو ابا کی کمی محسوس نہ ہو، اور تو کیا چاہتی ہے میں یہ سب
نہ کروں...؟" ارسلان نے جذباتی ہو کر ماں سیکہا
"دیکھ میرے لعل تیرے ابا کے بعد تو نے ہم ماں بیٹی کو
اس طرح سہارا دیا کہ تیرے بابا بھی نہ کر سکتے
اتنا"... اماں سمجھانے لگیں
ارسلان ان کی باتوں پر عقیدت سے مسکرانے لگا
"ذمہ داری پڑنے پر تو نے بھرپور طریقے اپنے سارے
فرائض پورے کیے، عید ہو یا کوئی اور دوسرا تہوار تو کبھی
کوئی کمی نہیں رکھتا، ہر پہلی کے پہلی اپنی ساری تنخواہ
میرے ہاتھ پر رکھ دیتا پھر بھی تو اضافی پیسوں کیلیئے
محنت کرتا ہے تو خود دیکھ
اگر یہ خون پسینیکی کمائی ایسے غیر ضروی اخراجات میں
جاتی رہی تو مجھے غصہ تو آ ئیگا نا، میں تو بس یہ دعا کرتی
ہوں خدا تعالی تیری مدد فرمائے"...
ان کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں
وہ بیٹے کے کندھیپر سر رکھ کر سکون محسوس کر رہی تھیں
مگر آنسو اب بھی جاری تھے
"اماں ہمارا کوئی نہیں ہے بس ہمارا اللہ ہیوہ ہی ہمت
دیتا ہے اور آپ دونوں کی دعاں کی بدولت میں اتنا
بھی کر لیتا ہوں آپ بس پریشان مت ہوا کریں مالک
نئنے جو رزق لکھا ہیوہ مل کر ہی رہتا ہے"... ارسلان
نے ماں کیکی آنکھیں صاف کیں جبکہ اس کی اپنی
بھی آنسوں سے بھری تھیں
"چل ہٹ اب رلائیگا کیا، میں کھانا تیار کرتی ہوں
اب"... اماں نے ہنس کر کہا تو ارسلان مسکرا دیا
اماں کو اس کی باتوں سے بڑی ڈھارس ملی تھی
****
"بھائی یہاں آئیں، ہیلپ کریں میری یہ جھنڈیاں
کہاں کہاں لگانی چاہئیں"... انعم نیارسلان کو آواز دی
جو جھنڈیاں چارپائی پر پھیلا کر کھڑی تھی
"ہاں ہاں تم جہاں کہتی ہو ادھر ہی لگاتے ہیں، بتا کہاں
کہاں لگائیں"... ارسلان اس کے پاس آ کر بولا

"بھائی ابھی نہیں لگانی ابھی تو چار دن باقی ہیں"...

"تو کیا ہوا چار دن ہیں تو"...

"دیکھیں نا بھائی ساون کا مہینہ ہے بارش کا کوئی پتا نہیں چلتا کب دھاوا بول دے، اس طرح ساری جھنڈیاں خراب ہو جائیں گی"...اس نے نقطہ کی بات کی

"اور اوپر سے یہ گرمی دیکھیں، میں تو کہتی ہوں اس گرمی میں گی لے کپڑے پہنے جائیں"...اس نے ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا

"ارے تم کب سے اماں کی طرح کنجوسیاں کرنے لگی ہو"...وہ مذاحیہ انداز میں بولا

" کیا کہا؟ میں اماں جیسی ہوں...؟"انعم کا حیرت سے منہ کھل گیا

"ہاں نا ہوتی جا رہی ہو "...وہ مسکراہٹ دبا کر بولا

"اچھا تو آپ رکیں میں ابھی بتاتی ہوں اماں کو"...وہ اندر کو بھاگی

ارسلان اب گھر کا جائزہ لینے لگا کہ اب گھر بھی قابل مرمت ہو گیا تھا_

"اس ٹوٹے پھوٹے گھر کو انعم کیوں سجانے لگی"...وہ خود سے باتیں کرنے لگا

بیشک گھر ٹوٹا پھوٹا تھا مگر اسے فخر تھا کہ اس کی بہن اک محبّ الوطن ثابت ہوئی تھی وہ خوش تھا کہ حالات خراب ہونے کے باوجود، پیوند لگے کپڑے پہننے کے باوجود اس خستہ حال گھر میں وطن سے محبت کرنیوالے مکین آباد تھے، انعم پر اس لمحے اس کو بہت پیار آیا وہ یہ سب سوچتے ہوئے مسکرا رہا تھا

وہ بیحد خوش تھا کہ چاہے گھر کی حالت خراب ہی سہی پر وہ اپنے گھر میں سکون کا سانس تو لے رہا تھا ورنہ کرائیداروں کی طرح دھکے کھانے پڑتے_

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے مولا کہ تو نے ہمیں اک آزاد ملک جیسی نعمت سے نوازہ، جہاں ہم سکون کا سانس تو لے سکتے ہیں نا"...

اس نے بے ساختہ آنکھیں موند کر رب تعالی کا شکر ادا کیا

****

"رک جا ذرا آج تو میں تجھے نہیں چھوڑوں گی کمبخت تو دیکھ تیرا کیا حال کرتی ہوں"...فردوس بیگم ہاتھ میں بیلن پکڑے بڑے خونخوار انداز میں انعم کے پیچھے ہوئیں جیسے کسی کو خطرہ کسی چیز سے تو وہ سب سے پہلے کوئی محفوظ پناہ گاہ ڈھونڈتا ہے بالکل انعم بھاگ کر ارسلان کے پیچھے جا چھپی

اب منظر کچھ یوں تھا کہ فردوس بیگم جو بیٹی کو سبق سکھانے در پے تھیں ان کے درمیان اب ارسلان ڈھال بن کر کھڑا تھا

" کیا ہو گیا اب اماں ہر دس منٹ بعد تم لوگوں کی جنگ چھڑ جاتی ہے"...ارسلان جھنجھلا کر بولا

"بھائی یہ اماں پتا نہیں کیوں ہر وقت میر پیچھے رہتی ہے"...انعم بھائی کے دم پر بہادر بنی

"دیکھ ارسلان میں کہتی ہوں سمجھا لے اس کو اپنی زبان میں خبردار اب یہ تیری کوئی شکایت لیکر میرے پاس آئی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گی"...اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بیلن سیا سے ہی بیل دیتیں

"بس کریں اب آپ دونوں، میں یہاں ہوں تو یہ
سب ہوتا ہے جب میں نہیں ہوتا تو تب آپ لوگ
کیا کرتے ہو گے"... ارسلان برہم ہوا
"ہاں بھائی جب آپ نہیں ہوتےتب ہم بالکل ایسے نہیں
ہوتے"... انعم سر جھکا کر بولی
"ہاں بیٹا ٹھیک کہہ رہی ہے یہ، جب تو ادھر نہیں ہوتا ہم
دونوں ماں بیٹی سہم کر اک دوسرےکےساتھ رہتیہیں، یہ
تو پھر بھی کچھ ہنس کھیل لیتی ورنہ ہم سارا دن خاموش
خاموش رہ کر زمانےکی میلی نظروں سے بچنےکی کوشش میں
اک دوسرےکا سہارا بن جاتی ہیں"... اماں نیاک
گہرا سانس لے کہا
" کیا واقعی میں؟"ارسلان سنجیدگی سےبولا
"ہاں بیٹا جی اب تمہیں کیا بتائیں کہ تیرے بغیر ہم
دونوں کو ہی کتنی اک دوسرےکی فکر ہوتی ہےیہ تو انعم کی ہنسی
ہوتی ہےیا ورنہ میری غصہ سے بھری ڈانٹ اس گھر کی
دیواریں سن سکتی ہیں، یہ ہنسی یہ کھلکھلاہٹ بس تیرا دم
سے ہے"... اماں نے نم لہجے میں کہا اور وہاں سےاٹھ کر
چلی گئیں
" کیا واقعی انعم جب میں نہیں ہوتا تو اماں تمہیں ڈانٹتی
مارتی نہیں...؟"ارسلان نے تصدیق چاہی
"بھائی میں اب کیا بتاں آپ کو اماں میرے ساتھ ذرا
بھی ایسی سختی نہیں کرتی وہ تو آپ جیسی بن جاتی ہیں نرم
مزاج اور نرم دل والی اور آپ سےذیادہ میرا خیال رکھتی
ہیں، یہ تو
آپ ہوتےہو تو اماں ذرا ہنس لیتی ہیں"... انعم کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے
"اچھا چلو اب بس چپ کرو اور مجھےیہ بتا جھنڈیاں کب
لگا رہی ہو"... ارسلان نے پہلے پیار سے اس کےسر
پر ہاتھ پھیرا پھر بات بدل کر اس کا دھیان بٹانےکی
کوشش کی جو واقعی کامیاب رہی اور انعم اک دم سےخوش
ہو گئی
"جب میری مرضی ہو گی، جب میرا دل چاہے گا تب
آپ لگا گے"... اس نےبھائی کے فرمانبردار ہونےپر گردن
اکڑا اکر فخر سے حکم دیا تو ارسلان ہنس پڑا
"ہاہاہاہاہاں ہاں جو آپکا حکم حضور بندہ حاضر ہے
"... ارسلان نےمذاق میں غلاموں کی طرح سر تسلیم خم کیا
اتنےمیں دروازےپر دستک ہوئی
"تم اندر جامیں دیکھتا ہوں"... اس نےانعم کو ہدایت دی
اور دروازہ کھولا تو سامنے باوردی ڈاکیا کھڑا تھا جس
کےہاتھ میں اک خاکی لفافہ تھا
"لو جی، آ گیا بلاواہ"... وہ سمجھ گیا کہ چھٹی فوج کی
جانب سے آئی ہےاور واقع اسےواپس بلایا گیا تھا
****
"اماں میری وردی نکال دی تھی نا...؟"اگلی صبح
ارسلان نےاٹھ کر آہستہ سے کہا تا کہ سوئی ہوئی انعم نہ اٹھ
جائے
"ہاں ہاں نکال دی ہے جہان ہا کر پہن لو"...
"اماں آرام سےبولو انعم جاگ گئی تو مجھےجانے نہ دےگی اور میں اس کو روتا دیکھ
کر برداشت نہیں کر پائیگی"... اس نےماں سے التجا کی
"نہیں اٹھےگی وہ گہری نیند میں ہےاور ویسے بھی ماشااللہ

"سیاس پنکھے کا اتنا اسپیکر ہے کہ اس کو میری آواز نہیں جائیگی، اور ارسلان بیٹا ایسا کیا ہو گیا جو تو اتنی اچانک جا رہا ہے"... ماں کی ممتا نیسوال کیا
" کیا اماں اب تم بھی انعم کی طرح سوال کرو گی , اک یہ ہی نوکری تو ہمارا کل اثاثہ ہے انعم کی شادی پھر اس گھر کی مرمت یہ سب بھی تو کرنا ہینا اور اماں تم ہی تو سمجھتی ہو میں یہ سب کیوں کرر ہا ہوں"... اس نینا چاہتے ہوئے بھی اماں کو دلاسہ دیا
"اللہ تیرا حامی و ناصر ہو میں تیر یلیے ناشتہ لگاتی ہوں جب تک تو نہا تا ہے"... فردوس بیگم نے اپنا روتا منہ دوسری طرف کر کیکہا
"اماں ں"... ارسلان نیمد دطلب نظروں سیماں کی جانب دیکھا تو انہوں نے نگاہ چرا لی
انعم اب سمجھ کر بھی کچھ نہیں سمجھنا چاہتی تھی
"جانا تو ہینا گڑیا"... ارسلان کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے "پر بھائی ہم نے 14 اگست ساتھ منانی تھی آپ نیوعدہ کیا تھا"... انعم اب با قاعدہ رو پڑی
"پر کیا کروں بلا وہ آ گیا ہے"... اس نے بھی مجبوری بتائی
"اب میں آپ سیکبھی بات نہیں کروں گی اگر آپ گئے تو آپ میرے ساتھ بس 14 اگست کی سجاوٹ کروگے"... وہ اپنی من مانی کرنے لگی
"اور یہ وردی تو ایسے ہے جیسے درخت سیچھال اتار کر پہن لی ہو اور مزید آپ وہاں جا کر اتنی گرمی میں جیکٹ بھی پہن لوگے، بس میں نے کہہ دیا آپ نہیں جاگے. ؟"انعم بولتی گئی
ارسلان بیبس سا محسوس کرنے لگا

اس نیا نعم کو خود سے ہٹایا اور اپنے سامنے کھڑا کیا
"جب میں گھر ہوتا ہوں تو تمہیں کسی سے ڈر لگتا ہے؟"اس نے معصومانہ سا سوال کیا تو انعم نے نفی میں سر ہلا دیا
"ہمارا ملک ہمارا گھر ہے اور جب ہم اس کی حفاظت نہیں کریں گے تو کیسے چین سے سوئیں گے"... ارسلان نے اس کو خیال کروانا چاہا
انعم سمجھ رہی تھی اور اثبات میں سر ہلانے لگی
"بس یہی وجہ ہے ہمیں نہ گرمی لگتی ہے نہ کوئی اور مشکل پیش آتی ہے کیوں کہ ہمارا گھر ہے یہ اور کتنی انعم اس میں حفاظت سے 14 اگست منائیں اس لئے ہم سب ارسلان بارڈر پر کھڑے رہتے ہیں کہ سب بہنیں محفوظ ہو کر آزادی کا جشن منائیں"..اس نے گہرائی سے سب بتایا
انعم پر اس کی باتوں کا اثر پڑا
"مجھے آپ پر فخر ہے اور باقی ان تمام ارسلان پر جو اپنی بہن کی حفاظت کے لئے سرحد پر کھڑیرہتے ہیں"... انعم کی یہ بات سن کر ارسلان مسکرا دیا
"دیکھیں اماں ہماری گڑیا کتنی سمجھدار ہو گئی ہے"...
"اچھا بھائی آپ جائیں، اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو، ہم ان شااللہ اگلی 14 اگست ساتھ منالیں گے "...اس نے مسکرا کر کہا کے ماتھے پر بھی پیار کیا"اللہ حافظ بھائی"...
"اللہ حافظ"... ارسلان نے بیگ اٹھایا اور اپنیفرض کی طرف روانہ ہو گیا_
)) ختم شد((

حنائی شرارت

کومل احمد

مہندی لگے حنائی ہاتھوں کو دیکھتی امثل نے رشک سے خود ہی نظر اپنے ہاتھوں سے ہٹالی۔ نظر نہ چاہتے ہوئے بھی بھٹک بھٹک کر زرد دوپٹے کے ہالے میں چھپے پرنور چہرے پر جا رہی تھی۔ وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔ بچپن سے ہی سب نے اسکی خوبصورتی کی
تعریف کی تھی۔ مگر جو تعریف کل مائرنے کرنی تھی اسکا تو کوئی نعم البدل نہیں تھا۔ بار بار وہ دن، وہ لمحے، وہ احساسات نہیں آنے تھے۔ امثل کے دل میں عجیب سی گدگدی ہوئی۔ وہ خود سے ہی شرما کر منہ آئینے سے موڑ گئی۔

"بس بھی کرو آپی کیا خود کو خود ہی نظر لگا گی؟ " عمل نے چھیڑا تو امثل جھینپ گئی۔

"میں تو صرف یہ دیکھ رہی تھی کہ یہ زرد رنگ مجھ پر کیسا لگ رہا ہے؟ آخر کو مہندی کی تصویروں کا سوال ہے۔ "

شرمندگی مٹانے کو امتل نے بات بدلتے نظر چرائی۔

"ہاں ہاں ابھی مہندی کی پکس جیجو کو جو جانی ہیں، دیکھنا تو پڑے گا۔" عمل کے چھیڑنے پر وہ بے ساختہ ہنسی۔ تم نے مائز جی کو پکس بھیجی نہیں ابھی تک؟ "امتل نے بنا شرمندہ ہوئے چھوٹی بہن کو گھورا۔

"نہیں ناں۔۔۔کل آپ ہی دیکھا دینا کیا تڑپانا بیچارے جیجو کو جب ایک ہی رات اور دن کا سوال ہے۔" عمل نے ناک سے مکھی اڑائی۔اسی وقت دروازہ بجا۔ پھوپھو کو دیکھ کر دونوں چپ ہو گئیں۔

"آیئے پھوپھو"! امتل نے مسکرا کر کہا۔

"پھوپھو یا خالہ؟" عمل کی زبان پھسلی۔"خالہ کیسے بھئی؟" پھوپھو نے گھورا۔

"مائز بھائی کی تو خالہ ہی ہیں آپ۔" عمل نے اپنی گول گول آنکھیں گھماتے کہا۔

"تو خالہ ساس کہوناں۔" پھوپھو پیر پسارتے مصنوعی رعب جمانے کی کوشش کرنے لگی۔

امتل روہانسی ہو گئی جب مزید رہا نہ گیا تو بول پڑی۔

"ہاں میری خالہ اور تمہاری ساس۔"امتل کی بات پر عمل گڑبڑائی۔" کیا مطلب ساس؟" پھوپھو نے عمل کو گھورا۔عمل امتل کو گھور رہی تھی جو منہ چڑا کر پھوپھو کی گود میں سر رکھ کر اب آگ لگا کر مزے لے رہی تھی۔

"پھوپھو آپ چائے پیئیں گی؟ یہ ایسے ہی بکواس کر رہی ہے۔میں چائے بناتی ہوں۔" عمل اڑنے کے لئے پر تولنے لگی۔

"رک جاو لڑکی یہ تم کن چکروں میں ہو؟" پھوپھو کی آواز پر عمل جم کر رہ گئی۔وہ کھا جانے والی نظروں سے امتل کو گھورنا چاہتی تھی۔مگر پھوپھو کی موجودگی اوپر سے چوری پکڑے جانے کے فل وقت وہ یہ نہیں کر پا رہی تھی۔اس لئے اندر ہی اندر دانت پیس کر رہ گئی۔

"دل تو کرتا ہے شوٹ کر دوں تمہیں عمر کے بچے۔تم نے کہا تھا پھوپھو سے بات کرو گے۔آپی کی برات پر ہماری منگنی ہوگی۔ایک بار ہاتھ لگو میرے پھر دیکھنا تمہارا منہ کیسے توڑتی ہوں۔

عمل دل ہی دل میں پیچ و تاو کھا رہی تھی۔جب قسمت کا مارا عمر دندناتا یہاں نکل آیا۔"ہائے بیوٹی فل گرلز! آئسکریم کون کون کھائے گا؟" عمر نے دانت نکوستے پوچھا۔عمل نے کھا جانے والی نظر سے اسے گھورا۔عمر کو گھورنا آسان تھا کیونکہ عمل کا چہرہ دروازے کی طرف تھا اور پیٹھ پھوپھو کی طرف۔" کیا ہے آئسکریم کی جگہ مجھے کھاو گی؟ ڈارلنگ"! آخری لفظ منہ میں بولتے عمر ہنستا اپنی ماما کے پاس بیٹھا بے تکلفی سے امتل کو چھیڑا۔ عمل تیزی سے واک اووٹ کر گئی۔

" کیا چکر چل رہا ہے؟" پھوپھو نے اپنے اکلوتے بیٹے کو گھورا۔جس نے اتنی بڑی بات ہضم کر لی تھی۔

"آپ کا چکر چل رہا ہے؟" عمر نے حیران ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔امتل منہ پر حنائی ہاتھ رکھے ہنستی چلی گئی۔"میرے ساتھ بکواس کرتے ہو؟" پھوپھو نے عمر کا کان کھینچا تو وہ درد سے بلبلا اٹھا۔

"امی کان تو چھوڑیں اسکا کیا قصور ہے۔" عمر کی دہائی پر اسکی ماما نے کان چھوڑ کر ایک تھپڑ اسکی کمر میں لگایا۔

"حالانکہ قصور سارا تمہارے باپ کا ہے جس نے تمہیں بگاڑ رکھا ہے۔تمہاری یہ مجال میری بھتیجی پر گندی نظر رکھو۔آنکھیں ناں پھوڑ دوں تمہاری؟ "ماں کی بات پر عمر پہلے چونکا پھر خفا ہوتے ہوئے یک دم اٹھا۔

"یہ سب اس فسادن نے بتایا ہوگا آج ہی پتہ چلا اسے اور آج ہی بتا دیا۔ "عمر دانت پیس کر امتل پر جھپٹا۔

"پھوپھو بچائیں "!امتل بدک کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تمہاری وجہ سے وہ ناراض ہو کر گئی۔تمہاری وجہ سے میری ماں خفا ہوئی ہے۔تم نے فیوچر کی ساس بہو میں آگ لگائی۔تمہیں تو سزا ضرور ملے گی۔ "عمر نے امتل کی چٹیا پکڑ کر گھمائی۔

"مر جاو تم عمر۔چھوڑو میں ابو سے کہوں گی عمل کی شادی کسی کالے کتے سے کر دیں مگر تم سے نہیں۔ "درد سے امتل کی آنکھیں بھر آئی۔جاتے جاتے بھی اسے عمر سے مار پڑ گئی تھی۔ہر وقت تو اسے ستاتا رہتا تھا اب بھی ستا ہی رہا تھا۔

"عمر اگر تم نے امتل کو ابھی کہ ابھی نہ چھوڑا تو میں عمل کو بہو ہرگز نہیں بناں گی۔ "ماں کی دھمکی پر عمر نے تیزی سے امتل کو چھوڑ کر نہ صرف ہاتھ جوڑے بلکہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کان بھی پکڑے۔

"ایم سوری سالی صاحبہ معاف کر دیں اور اپنی پھوپھو سے کہیں اپنی ڈفر بھتیجی کا رشتہ مجھ سے کر کے کل کے کل منگنی کر دیں۔ "عمر کی اس حرکت پر دونوں بے ساختہ ہنسیں۔

"اب آیا گدھا پہاڑ کے نیچے۔ "امتل اترائی۔

" گدھا نہیں چوزہ "عمر نے خفگی سے امتل کا جملہ درست کیا۔

دونوں ہی نکمے ہو پہاڑ کے نیچے پہاڑی بکرے آتے ہیں۔عمل نے چائے کی ٹرے رکھ کر بنا شرمائے کہا۔ پھوپھو کی ساری بات وہ سن چکی تھی۔مطلع صاف دیکھ کر ہی اندر انٹر ہوئی تھی۔

" تمہیں بہت پتہ ہے۔تمہارا ان پہاڑی بکروں سے کیا چکر ہے؟ "عمر نے ٹونٹ مارا جو مصیبت میں اسے اکیلا چھوڑ کر بھاگی تھی۔

"واسطہ تو نہیں مگر واسطہ پڑنے والا ہے۔کیوں پھوپھو؟"

عمل نے معصومیت سے پھوپھو کی طرف دیکھا۔

"ہاں جی بیٹا مگر بکرے سے نہیں اونٹ سے۔ "پھوپھو نے تینوں کو حیران کیا۔

"اونٹ سے؟ "تینوں نے حیرت سے یک زبان کہا۔

"پھوپھو میں زہر کھا لوں گی مگر اونٹ سے نہیں بکرے سے ہی شادی کروں گی یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

عمل نے خفگی سے کہتے بازو باندھ کر رخ موڑا۔

"اوہو تم تینوں مجھے پاگل کر دو جملہ غلط بول رہے تھے جملے میں گدھا یا بکرا نہیں بلکہ اونٹ پہاڑ کے نیچے آتا ہے۔

عجیب پاگل خانے میں آ گئی ہوں پہلے کیا کم پاگل تھے میرے گھر جو ایک اور آنے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔" خفگی سے کہتی وہ باہر نکل گئیں۔تینوں کی مسخری ہنسی نکل

گئی۔

"آپی تم نے آگ لگا کر ٹھیک نہیں کیا، "عمل کو یاد آیا تو امتل پر خفا ہوئی۔

"میرے احسان مند رہنا دونوں۔ "امتل نے لاپرواہی سے کہتے جتایا اور اپنا مگ اٹھایا اور سامنے کاوچ پر ٹک گئی۔

"عمل اس فتنی کا احسان ابھی اتار ہی نہ دیں؟ "عمر نے خونخوار نظروں سے امتل کو گھورا۔

"بلکل ابھی کہ ابھی اتارو، "عمل نے بھی منہ بنا کر کہا۔

"یہی نمبر ہے نہ تمہارے مائر جی کا؟ "عمر نے سکرین پر مائر کا نمبر ڈائل کرتے موبائل امتل کی آنکھوں کے سامنے نچایا۔

"ہاں تو؟ "امتل نے ناسمجھی سے کہا۔عمر نے لیس کا بٹن پریس کرتے فون کان کو لگایا۔

"کیا کرنے والے ہو تم؟ "امتل چیل کی طرح اس طرف آئی۔

"چھوڑو مجھے، "امتل غصے سے عمل پر چلائی جو اسے راستے میں پکڑ چکی تھی۔"میں کہتی ہوں چھوڑو مجھے جو تم لوگ چاہتے ہو وہ کبھی نہیں ہونے دوں گی۔ "امتل نے اس قدر زور سے چلا کر کہا کہ عمر نے دوسرے کان پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں مائر بھائی۔۔!!

جی جی بلکل ٹھیک۔۔۔

جی یہ بلکل امتل کی آواز تھی۔۔"

عمر بولتا ہی جا رہا تھا۔

"عمر میں تمہاری جان لے لوں گی یا خود کو شوٹ کر لوں گی۔خبردار جو تم نے کوئی بکواس کی۔ "امتل چیخی۔

دوسری طرف سے مائر نے جانے کیا کہا جو عمر نے تاسف سے کہا۔

"آپ کو پہلے شک تھا ناں مائر بھائی وہ اس شادی پر راضی نہیں۔ اب بتائیں ایک دن پہلے ہم کیا کریں؟ "عمر جانے کیا کہتا کمرے سے نکل گیا امتل کے ساتھ عمل بھی شاکڈ رہ گئی۔

کیا یہ مزاق تھا؟ اگر ہاں تو بہت بے ہودہ تھا امتل بری طرح رو رہی تھی اور عمل اسے چھوڑ کر عمر کے پیچھے باہر نکل گئی تھی۔

رات دیر تک عمل غائب رہی جب آئی تو بہت خوش لگ رہی تھی۔ امتل اب تک

سر پکڑے اسی پوزیشن میں کھڑی تھی گویا جسم میں جان ہی باقی نہ ہو گویا۔وہ کوئی بے جان مورتی ہو۔

"سوئی نہیں ابھی تک کل تمہاری شادی ہے آپی سو جاو ورنہ فیس فریش نہیں لگے گا۔ "عمل نے تحمل سے مشورہ دیا اور ایک سائڈ پر لگے اپنے سنگل بیڈ پر ٹک گئی۔

"تم نے مجھے شادی کرنے لائق چھوڑا ہے؟ تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے مائر کے سوا کبھی کسی کے بارے میں نہیں سوچا تم نے اور عمر نے مل کر میری ہی شادی پر انہیں میرے خلاف بھڑکا دیا؟ کل جب بارات ہی نہیں آئے گی تو کسی شادی؟ "امتل نے پھٹ کر کہا۔

"آہستہ بولیں آپی !مائر بھائی نے کہا ہے آپکو پہلے بتانا چاہیئے تھا۔اب بہت دیر ہوگئی۔مگر اس بات کی سزا کل وہ آپکو ویڈنگ نائٹ بہت عزت سے دیں گے۔ "عمل نے آنکھیں مٹکائی۔

"مائر کو تو میں سنبھال لوں گی۔ مگر اب تم سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ نہ ہی تم سے نہ عمر سے۔
مزاق کی ہر حد ہر لمٹ ختم ہو چکی۔ تم لوگوں کو مزاق کا مطلب بھی نہیں پتہ۔ میں خوش نہ رہی تو خوش تم بھی نہیں رہو گی۔ "امتل نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ عمل جو کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنے والی تھی منہ میں کچھ بڑبڑا کر خاموشی سے لیٹ گئی۔
اگلا پورا دن امتل نے بے چینی اور پریشانی میں کاٹا۔ بہت بار مائر کا نمبر ڈائل کر کے کراس کر دیا۔ تین سال کی منگنی سے لے کر اب تک جب کبھی کال یا میسج تک نہ کیا تھا تو اب اچانک شادی کے دن کیسے کر لیتی؟ جھجک شرم کو بلائے طاق رکھ کر وہ ہمت کرتے کزن سمجھ کر فون کر بھی لیتی تو کیا کہتی کہ وہ اسی سے محبت کرتی ہے اور کیا وہ اتنا پاگل تھا اسکا یقین کر لیتا؟ کیا وہ دودھ پیتا بچہ تھا جو اسکی بہن اور انکے مشترکہ کزن کی بات پر یقین نہ کرتا؟ سوچ سوچ کر امتل کا دماغ کام کرنا بند کر چکا تھا۔
ڈھول کی آوازیں آئی تو کسی بچے نے صدا لگائی۔
"بارات آ گئی "! یہ سنتے امتل کی جان میں جان آئی۔
"چلو مائر کو اتنی تو عقل ہے۔ ایک بار شادی ہو جائے انکو تو میں سمجھا دوں گی۔ "امتل ریلیکس ہوئی۔
نکاح ہوا، مبارکباد کا شور جو مچا تو چھوٹی پھوپھو نے نکاح کے کھانے میں ہی عمر کی منگنی کر دینے کا فیصلہ کیا۔
" کیا خیال ہے پھر یہ نیک کام امتل اور مائر سے ہی کروالیں وہی انکو انگوٹھی پہنا دیں۔ ضروری تو نہیں کوئی بزرگ ہی یہ کام کرے۔ ان پر بھی کچھ ذمے داری عائد ہونی چاہیئے۔ "سب سے بڑے تایا جی نے مزاق کہہ دیا مگر امتل کے اندر کل سے جو آگ عمر اور عمل نے لگائی تھی وہ کہاں بجھی تھی۔ ابھی تو اسے مائر کو حساب دینا تھا۔ اپنی صفائی پیش کرنی تھی۔ جس کے توڑ جوڑ ابھی تک نامکمل تھے۔
" مجھے کوئی خاصی خوشی نہیں ہے یہ میرا دن تھا۔ جس میں انہوں نے شریک بن کر مجھ سے چھین لیا۔ "امتل نے خفگی جتاتے کہا۔ بات ہنسی اور مزاق میں چلی گئی۔
عمل اور عمر کی منگنی ہو گئی۔ امتل وہ لائنیں سوچ رہی تھی جن میں اسے مائر کو قائل کرنا تھا۔ جو اس وقت اس طرح خاموش بیٹھا تھا گویا دلہن وہی ہو۔
امتل حیران تھی۔ شرارتی سا مائر اس وقت چپ کیسے ہے؟ "ہاں تو لگائی ہے کمینوں نے آگ۔ "امتل نے خود ہی اسکی خاموشی کا نچوڑ نکالا۔۔
کچھ دیر مزید رسم و رواج نبھانے کے بعد بہت شان سے امتل کی رخصتی مکمل کر دی گئی۔
مائر کی ماما اسے سرخ گلابوں کی سیج پر بٹھا کر چلی گئی۔ جانے سے پہلے جانے اسے کیا کیا سمجھاتی رہی اور بتاتی رہی۔ مائر نے کتنے دل سے یہ ڈیکوریشن کروائی تھی۔ مگر امتل کا دل مزید گھبرا گیا۔ وہ جانے انجانے میں مائر کا دل دکھا چکی تھی۔ جس شخص نے اسکے استقبال میں زمین سے لے کر چھت تک ہر جگہ پھولوں کے بستر بچھا دیئے اب وہ اپنے ارمان کچلے جانے کا، جانے کیا اور کیسا انتقام لے۔ اسے بولنے کا موقع بھی

دے گا یا نہیں؟ امتل نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔
بہر حال اسے مائر کا انتظار تو کرنا تھا۔ جلد ہی وہ بھی آ گیا۔ امتل سے نظر ملانا محال ہوا تھا۔ اندر آتے مائر نے سلام کیا تھا۔ جس کا جواب دینا امتل کو زہر نگلنے کے برابر لگا۔ جواب دے کر اب وہ اسکی گالیوں کی منتظر تھی۔ مگر وہ تو کمرے میں بنی دیوار گیر نئی الماری میں گھس گیا۔
مائر آہستگی سے چلتا امتل تک آیا۔
"ام م متل۔۔۔ "! مائر سے جانے کیوں امتل کا نام بھی نہیں لیا جا رہا تھا۔ امتل نے نظر اٹھائی کہیں وہ دکھ سے شراب نوشی تو نہیں کر آیا؟ مائر کے گال سرخ ہو رہے تھے۔ امتل کے دیکھنے پر وہ نظر دوسری طرف کر گیا۔ گویا اسکی آنکھوں میں وہ دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔
مائر نے جھک کر امتل کے سامنے چھوٹا سہ باکس رکھا۔
"اس میں۔۔۔۔ آپ کا گفٹ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔
وہ۔۔۔۔۔ منہ دیکھائی۔ صبح سب کو۔۔۔۔ دیکھنی ہو۔۔گی۔ "مائر نے رک رک کر کہا۔
مائر کہتے ساتھ اپنا نائٹ سوٹ الماری سے نکال کر واش روم میں گھس گیا۔
امتل وہیں بیٹھی رہ گئی۔ منہ کھولے وہ مائر کا رویہ دیکھ رہی تھی۔ نہ کوئی گلہ، نہ شکوہ، نہ ہی برا، بھلا کہا۔
"اس سے اچھا تو مائر آپ مجھے دو تھپڑ لگا کر حساب مانگ لیتے۔ مجھ سے لڑتے تو سہی۔ "امتل کی انا نے انگڑائی لی۔ بنا غلطی کے وہ کیونکر خطاوار تھی۔ وہ غلطی پر بنا ہوتے ہوئے بھی صفائی پیش کرنے کو تیار تھی۔ مگر مائر وہ تو اس سے لڑنا تو دور اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

مائر فریش ہو کر آیا تو کمرے کا منظر کچھ یوں تھا کہ وہ حیرت سے آنکھیں سکڑ کر امتل کو دیکھنے لگا کہ کہیں اسے دورے تو نہیں پڑتے؟ امتل اپنے زیور اتار اتار کر کسی دکھی ہیروئن کی طرح آئینے پر مار رہی تھی۔ جو ٹکڑا کرا چھل اچھل کر کمرے میں پھیل رہے تھے۔
سب زیور اتار کر جان بوجھ کر سارا میک اپ بری طرح خراب کر کے وہ ہیر پنز نوچ نوچ کر کھول رہی تھی۔
مائر اسے دیکھتا اپنے گلابوں سے بھرے بستر پر ٹک گیا۔ مزید امتل کے ڈرامے چلتے اس سے پہلے ہی مائر کی آنکھ لگ گئی۔
"آں۔۔۔ں۔۔۔۔ مروتم عمر "! امتل نے اپنے آنسو صاف کئے اور فریش ہونے چلی گئی۔
بستر کے دوسری طرف ٹک کر امتل نے گھور کر مائر کو دیکھا جو پورا کمبل اپنے گرد لپیٹ کر سوتا بنا تھا۔ سردی سے ایک طرف سکڑ کر وہ لیٹ تو گئی، مگر کب تک۔۔۔۔۔۔؟؟؟
رات کسی کے رونے کی آواز پر مائر کی آنکھ کھلی۔ نیم اندھیرے میں وہ ہڑ بڑا کر اٹھا۔ لائٹ اوون کرنے پر پتہ چلا امتل رو رو کر ہلکان ہو چکی ہے۔
"امتل۔۔۔۔ کیا ہوا؟ "مائر نے اسکے چہرے سے بازو ہٹانے چاہے مگر وہ کرنٹ کی طرح مائر کو لگی۔
"خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا، سوتے رہیں۔ مجھے چاہے سردی سے موت آ جائے۔"
امتل نے روہانسی آواز میں کہا۔
"آپ کو سردی لگ رہی ہے تو بلنک اٹ اوڑھ لیتی؟"

"مائرا سکے آنسو صاف کرنے چاہے مگر امتل نے پھر اسکے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"جس انسان کو مجھ پر اعتبار نہیں میری محبت کی قدر نہیں میں اسکے ساتھ کچھ بھی شیئر نہیں کر سکتی۔ "امتل نے بے دردی سے لب کچلتے اشک بہاتے کہا۔

" کیا ہو گیا ہے امتل آپ کیوں ایسا بی ہو کر رہی ہو؟ " مائر نے مسکراہٹ ضبط کرتے کہا اسے سمجھ تو کچھ نہیں آ رہا تھا مگر ہنسی بہت آ رہی تھی۔ابھی شادی کا آغاز تھا اور ابھی سے لڑائی شروع ہو چکی تھی۔

"ہوا کیا ہے کچھ تو بتاو کیوں کرنٹ مار رہی ہو؟ کیا کھانے میں مرچی تیز تھی؟ "مائر نے اسکی ٹھوڑی چھو کر پوچھا۔تو کچھ دیر کے لئے امتل اشک بہانہ بھول گئی۔

بھلا جو لوگ شک وشبہات کرتے ہیں انکا ایسا میٹھا لہجہ ایسی نرم گفتگو کب ہوتی ہے؟

"آپ کو کیا ہوا تھا؟ "امتل منہ میں بڑبڑائی جو مائر نے سن لیا۔

"مجھے کیا ہونا تھا؟ نیند آئی تھی۔تھک چکا تھا۔تمہارے ایکشن دیکھتے دیکھتے سو گیا۔ "مائر نے اسکا مزاق بنایا۔

"مائر آپ جب آئے تھے آپ کو کیا ہوا تھا؟ "امتل نے جھنجھلا کر پوچھا۔

" کیا ہوا تھا؟ "مائر نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"آپ مجھ سے ناراض تھے؟ مجھ پر شک کر رہے تھے ناں؟ "امتل نے اسے گھورا جواب معصوم بن کر بیٹھا تھا۔

"پاگل ہو میں نے کیوں خفا ہونا تھا اور کیوں شک کرنا تھا؟ "مائر کا لہجہ اب روٹھنے کی طرف جا رہا تھا۔

"آپ کو عمر نے کل کال کر کے جو بکواس کی تھی اسکی وجہ سے؟" امتل نے دانت پیس کر کہا۔

"عمر نے مجھے کب کال کی؟ "الٹا مائر امتل سے پوچھنے لگا۔

" کل رات دو بجے؟ "امتل نے اپنا سر پکڑ کر کہا۔

"مطلب وہ کال نہیں تھی ڈرامہ تھا۔ "امتل نے پہلے حیرانگی سے کہا پھر یکدم خوشی سے چیخ کر اچھلتی جوتا پہننے لگی۔

"امتل پچھلے تین سال میں سب ٹھیک رہا ناں؟ یہ دورے کب سے پڑنے شروع ہوئے؟ منگنی سے پہلے تک تو اچھی بھلی تھی؟ "مائر نے ہمدردی سے پوچھا۔

امتل کھلکھلا کر عمر کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

"عمر تم نے مائر کو کال کر کے جو کہا اسکی وجہ سے انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا صبح ہوتے ہی مجھے لے جانا۔۔"

امتل کی گفتگو سن کر مائر کی آنکھیں ابل کر باہر آ ئیں۔وہ کچھ بولنا چاہتا تھا امتل نے اسکے منہ پر ہاتھ رکھے چپ رہنے کو کہا۔

" کیا تم نے نہیں کی؟ مگر تم نے کی تھی۔۔۔۔۔سچ عمر اس وقت کال مل چکی تھی۔۔۔۔۔۔ہاں اور تمہیں لگا تم نے نمبر ڈائل کر کے کاٹ دیا ہے۔عمر مائر نے مجھے مارا ہے مجھے لے جانا۔ "امتل نے روتے ہوئے فون بند کیا اور چمکتی آنکھوں سے گلا صاف کر کے مگر مچھ کے آنسو صاف کئے۔

"یہ سب کیا تھا میری عزت کا جنازہ کیوں نکال رہی ہو؟" مائر نے غصے کو دباتے پوچھا۔

"بدلہ لے رہی ہوں بدلہ اور اس بدلے میں آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا ورنہ تو میرا کام ہو چکا ہے۔ "امتل نے مسکراتے کہا اور مائر کو عمر اور عمل کی شرارت بتائی۔

"عمر سے ابھی تک لڑتی ہو مجھے لگا تین سال میں کچھ بڑی ہو چکی ہو گی؟ "مائر نے خفگی سے کہا۔

"مجھے بھی گھسیٹ لیا ان سب میں اب بولو عمر نے کسی گھر والے خاص کر مما یا ماموں سے کچھ کہہ دیا تو میں غریب تو مفت میں پٹ گیا ناں۔"

مائر کی بات کو اگنور کرتے امتل نے ساری شرو حیا بلائے طاق رکھے کہا۔

"آپ نے مجھے اگنور کیا اب سزا تو ملے گی۔ "مائر سٹپٹا اٹھا۔

"قسم سے امتل اگنور نہیں کیا تھا، میں شرما رہا تھا۔ یک دم گھبرا گیا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کیا بات کرنی ہے۔ لیکن جب میں باتیں سوچ کر آیا تو جیولری اتار اتار کر اچھال رہی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا اب جو ہو گیا سو ہو گیا آج تنگ کرتے ہیں۔ کل معافی مانگ لیں گے۔"

مائر نے بنا مسکراہٹ چھپا کر کہا۔

امتل نے خفگی سے اسے ہٹایا اور انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

"اب جب تک عمر اور عمل کو سزا نہ ملے تب تک آپ میرا ساتھ دیں گے؟ "

مائر نے سینے پر ہاتھ رکھے سر کو خم دیا۔

"اور کوئی حکم؟ "مائر کو پتہ تھا اب شرارت کی ہے تو نخرے بھی جھیلنے پڑیں گے۔

مائر کی اس حرکت پر امتل نے شرما کر رخ موڑ لیا۔۔

صبح سویرے ہی عمر امتل کے دروازے پر کھڑا تھا۔

نیند میں مائر نے بمشکل آنکھیں کھولتے وقت دیکھا۔

"امتل !اٹھو باہر عمر ہے۔ "مائر کو بر وقت پلان یاد آیا جو دروازہ کھولتے پلٹ کر امتل کو اٹھا دیا۔

"دفع کریں۔۔۔ "امتل نے خمار آلودہ آواز میں کہہ کر تکیہ منہ پر رکھا۔

"اسے شک ہوگا کہ میں کوئی ظالم شوہر نہیں۔"

مائر نے اسے زور سے ہلایا۔

"نہیں ہوگا بلکہ بارہ بجے تک دروازہ ہی نہ کھولیں۔ تب تک اسکا سانس سوکھا رہے گا۔ ابھی تو صرف چھ بجے ہیں۔ "امتل نے آخری بات کر کے دوبارہ کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

مگر مائر کی نیند خراب ہو چکی تھی۔ وقفے وقفے سے عمر کی دستک اور بار بار امتل کے نمبر پر آتا فون اسے غصہ دلا رہا تھا۔ نو بجے جھنجھلاہٹ کے مارے مائر نے دروازہ کھولا۔

" کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ عقل نام کو نہیں ہے؟"

مائر کی غصیلی آواز پر عمر کا رنگ فق ہوا۔ وہ تو پہلے ہی ڈرا بیٹھا تھا انجانے میں وہ ایک معصوم لڑکی کا گھر خراب کر بیٹھا ہے۔

"مائر بھائی وہ امتل۔۔۔ "!عمر نے ڈر کر ابھی اتنا ہی کہا مائر نیند خراب ہونے پر مزید تپ گیا وہ بلاوجہ انکی شرارت میں پس رہا تھا۔

"زندہ ہے وہ جب اٹھے گی تو مل لینا۔ "مائر نے غصے سے کہتے کھٹک سے دروازہ عمر کے منہ پر بند کیا۔

" کیا مائر بھائی نے امتل کو بہت زیادہ مارا ہے؟ "عمر نے لب کچلے اور عمل کا نمبر ملایا۔

"بار بار لائٹ نہ جلائیں۔ "امتل نے خفگی سے تکیوں میں منہ چھپائے کہا۔

مائر نے خفگی سے لائٹ تو بند کر دی مگر اپنا تکیہ پکڑتے دو

تین بار امتل کو مارا۔

"ابھی تک گھوڑے بیچ کر سوتی ہو؟ "مائرخفا ہونے لگا۔

"صبح بات کریں گے ناں سونے دیں۔ "امتل نے لاپرواہی سے کہا۔

"پتہ نہیں کونسی صبح ہونی ہے جب میڈم نے اٹھنا ہے؟ نیند اتنی ہی پیاری ہے کہ ایک رات پرانا دلہا بھی دیکھنا گوارا نہیں؟ "مائر نے سرد آہ بھری۔

"مائر آپ چاہتے ہیں میں صبح پھوپھو سے سچ میں بات کروں؟ "امتل نے خفگی سے اٹھ کر پوچھا۔

"پھوپھو کی چمچی، تمہارا وہ جیجا مجھے سونے نہیں دے رہا اور تم گدھے بیچ کر سو رہی ہو؟ "مائر نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"پھر آپ باہر چلے جائیں۔ "امتل نے لاپرواہی دیکھاتے سر دوبارہ تکیے پر رکھ کر آنکھیں بند کیں۔ مائر ہقا بقا منہ کھولے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"سنا نہیں تھا وہ محاورہ گھر کی مرغی دال برابر۔۔ "امتل کے لب یہ بول کر خاموش ہو گئے۔

مائر اسے گھور کر اٹھ گیا۔۔

امتل دو بجے مزے سے اٹھی اور بہت ہی آرام سے تیار ہو باہر گئی۔

عمر کو دیکھتے وہ تیزی سے اسکی طرف لپکی۔

عمر کے شانے سے لگ کر جتنا وہ رو سکتی یا زبردستی خود کو رولا سکتی تھی امتل نے کیا۔

"میرے ساتھ باہر آو۔۔ "عمر سب کو دیکھتے امتل کی بازو پکڑے باہر لے گیا۔

"امتل بتاو کیا ہوا اور تم اتنا کیوں سوئی؟ تمہاری آنکھیں بھی سوجی ہیں۔ "عمر پریشان ہوا۔ امتل منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر ہنسی دبائی عمر کو لگا وہ مزید رونے لگ گئی ہے۔

"بس کرو امتل جب تک تمہارا یہ بھائی ہے، مائر بھائی تو کیا کوئی بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھے بتاو انہوں نے مارا ہے تمہیں؟ "عمر نے پوچھا امتل نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی کلائی پر میک اپ سے بنائے نشانات دیکھائے۔ مہندی کی وجہ سے عمر کی آنکھیں دھوکا کھا گئی۔ وہ غصے سے لب بھنچے کھڑا تھا۔

"مجھے ان سے یہ امید نہیں تھی۔ "عمر نے خفگی سے کہا۔

"مگر مجھے یہی امید تھی۔ آخر الزام بھی تو مجھ پر بہت بڑے گناہ کا تھا۔ پوری رات سردی میں رہی اور صبح بھی درد سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ ابھی بھی بازو میں بہت درد ہے۔ "امتل نے ہنسی دبا کر بمشکل روہانسی شکل بنائی۔

کسی دوست سے مل کر آتے مائر نے گیٹ کے پاس کھڑے عمر اور امتل کو دیکھا تو مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔

مگر جیسے ہی مائر قریب آیا عمر نے زوردار پنچ مائر کے چہرے پر مارا۔

"مائر۔۔ "امتل چیخ کر نیچے گرتے مائر کی طرف لپکی۔

"شرم نہیں آتی عورت پر ہاتھ اٹھاتے۔ "عمر چلایا اسکی آواز پر گھر میں جتنے رشتے دار تھے سب جمع ہو گئے۔

"شرم مجھے نہیں تم لوگوں کو آنی چاہیئے۔ "مائر نے غصے سے امتل کو ہٹایا اسی کی وجہ سے تو اسے مار پڑی تھی۔

"عمر بس کرو جاو تم "!امتل اب سچ میں رو رہی تھی۔

مائر نے کھڑے ہوتے خود کو گھورتے عمر کو گھورا۔

"گٹ اووٹ ۔۔ "مائر نے تڑخ کر کہا۔

"چلو امتل ۔۔ "!عمر نے امتل کا ہاتھ کھینچا۔

"عمر چھوڑو ۔۔ "امتل کی اپنی کلائی چھڑوائی۔وہ اسے گھسیٹ رہا تھا۔"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کو ہاتھ لگانے کی؟ "مائرا پنے زوردار پنچ عمر کی ناک پر مارا وہ سنبھلا نہ تھا ایک اور گھوسہ اسکی ناک پر پڑنے سے ہونٹ اور ناک سے خون بہنے لگا۔

دونوں شدید گتم گتا ہو رہے تھے۔امتل کبھی عمر کو بچاتی تو کبھی مائر کو روکتی۔

پھوپھو کا ہاتھ سیدھا دل پر گیا۔مائر پھوپھو کی طرف متوجہ ہوا تو عمر زبردستی امتل کو اٹھا کر لے گیا۔

امتل نے رو رو کے مائر کے بنا اپنا حشر بگاڑ لیا تھا۔شام کو ولیمہ تھا اور دو پہر نکلنے کو تھی مگر مائر کا نمبر ہنوز بند تھا۔

"ضرورت ہی کیا تھی تم لوگوں کو اپنے مزاق میں اسے گھسیٹنے کی۔ "عمر کی ماما بار بار امتل عمل اور عمر کو ڈانٹی باقی سب مہمان الگ پریشان تھے۔

رو رو کر ہلکان ہوتی امتل کا بی پی لو ہوا تو سب کے ہاتھ پیر مزید پھول گئے۔ولیمے کی تقریب سے کچھ دیر پہلے مائر بڑے مزے سے سیڑھیاں اترتا آیا اپنے حلیے سے وہ بہت فریش اور ولیمے کا دلہا ہی لگ رہا تھا۔

"ہیلو گائز !آپ لوگ تیار نہیں ہوئے اور یہ امتل صاحبہ کیوں نڈھال پڑی ہیں؟ "مائر نے مسکرا کر پوچھتے سب کی طرف دیکھا۔

"تم اوپر اپنے کمرے میں تھے؟ "مائر کی مما نے منہ کھولا۔

"یس میں سو رہا تھا۔پوری رات سویا نہیں صبح عمر نے سونے نہیں دیا اب فریش ہو کر اٹھا تو ہال کا وقت ہو رہا تھا مجھے لگا سب تیار ہوں گے آپ لوگ تیار نہیں ہوئے؟ "مائر نے معصومیت سے پوچھا۔

سب کے منہ کھلے کے کھلے سب بھوکے پیاسے اسے شہر کی گلی گلی ڈھونڈ چکے تھے۔نہیں دیکھا تو صرف اسکا کمرہ۔اب وہ سو کر اٹھا تو کہہ رہا تھا وہ فریش ہو رہا تھا۔

"تم نے ہم سب کو پاگل سمجھا ہے؟ "امتل کے بابا نے غصے سے مائر سے پوچھا انکی بیٹی رو رو کر آدھی ہو چکی تھی۔اور وہ نیند پوری کر رہا تھا۔

"چھوٹی سی شرارت ہی تو کی ہے۔کیوں کیا میں نہیں کر سکتا صرف عمر عمل اور امتل کو اجازت ہے؟میں نے سوچا گدھوں کے گینگ میں شامل ہونا ہے تو ڈھٹائی سے ہوں۔ "مائر نے ہاتھ کھول کر شاعرانہ انداز میں کہا گویا بہت بڑا کام کیا ہو قائداعظم سے بھی بڑا۔صبح والی لڑائی بھی شرارت تھی؟" امتل نے حیرانگی سے پوچھا۔

"یس ۔۔ "مائر نے ہنس کر اعتراف کیا۔

"یہ شرارت ہے؟ "عمر نے اپنے سوجے ناک کی طرف انگلی کی۔

"نہیں پکوڑہ ۔۔۔ "مائر کا قہقہہ مزید بلند ہوا سب کے سب دانت پیس کر اسے گھورتے تیار ہونے بھاگے۔

"اب دیکھ لیا تم لوگوں نے شرارت کرو تو دوسروں کو کیسا لگتا ہے؟ مزہ تو بہت کیا ہوگا؟ ویسے میں نے بہت انجوائے کیا ہر پندرہ منٹ بار امتل کا اظہارِ محبت ۔۔۔ "عمل منہ پر ہاتھ پھیر کر عمر کا ہاتھ پکڑے لے گئی۔دوسری طرف امتل بھی خفگی سے اسے دیکھتی

تیار ہونے بھاگی پارلر جانے کا سارا وقت تو مائر نے تباہ کر دیا تھا۔ مائر کے قہقہے نے تیار ہوتے سب مہمانوں کو مزید تپا کر رکھ دیا تھا۔ باقی رہا امتل اور عمر کا مائر کی طرف نکلتا انتقام، مائر کو کیا پتہ تھا وہ شرارتوں میں پی ایچ ڈی کر چکے ہیں۔ جلد یا بدیر مائر کو سزا مل ہی جانی تھی۔ مگر اب جب مائر بھی ان میں شامل ہو چکا تھا تو یہ سلسلہ کہاں تھمنے والا تھا۔۔۔

پیارے نبی کی پیاری باتیں

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر شریف جب بارہ برس ہوئی تو اس وقت حضرت ابوطالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا۔ حضرت ابوطالب کو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بہت ہی والہانہ محبت تھی اس لیے وہ آپ کو بھی اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اعلان نبوت سے قبل تین بار تجارتی سفر فرمایا۔ دو مرتبہ ملک شام گئے اور ایک بار یمن تشریف لے گئے، یہ ملک شام کا پہلا سفر ہے اس سفر کے دوران بصری میں بحیری راہب (عیسائی) کے پاس آپ کا قیام ہوا۔ اس نے توراو انجیل میں بیان کی ہوئی نبی آخرالزماں کی نشانیوں سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور بہت عقیدت اور احترام کے ساتھ اس نے آپ کے قافلہ والوں کی دعوت کی اور ابوطالب سے کہا کہ یہ سارے جہان کے سردار اور رب العالمین کے رسول ہیں، جن کو خدا نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ شجر و حجر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور ابر ان پر سایہ کرتا ہے اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ اس لئے تمہارے اور ان کے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ اب تم ان کو لے کر آگے نہ جا اور اپنا مال تجارت یہیں فروخت کر کے بہت جلد مکہ چلے جا۔ کیونکہ ملک شام میں یہودی لوگ ان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی وہ لوگ ان کو شہید کر ڈالیں گے۔ بحیری راہب کے کہنے پر حضرت ابوطالب کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ انہوں نے وہیں اپنی تجارت کا مال فروخت کر دیا اور بہت جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ بحیری راہب نے چلتے وقت انتہائی عقیدت کے ساتھ آپ کو سفر کا کچھ توشہ بھی دیا۔

(ترمذی ج باب ماجافی بدنبوالنبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم)

دوستی

ورده مکاوی

وہ اپنے کمرے میں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

تم یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو۔شہلا بیگم کمرے میں آئیں تو پوچھا

کچھ نہیں امی بس ویسے ہی آپ آئیں بیٹھیں۔۔ارم نے سر اٹھا کے ماں کو دیکھا

تم جانتی ہو تمہاری پھپھی آئیں تھیں آج تمہرا رشتہ لے کر؟ شہلا بیگم نے بتایا

جی امی میں جانتی ہوں بھائی نے بتایا ہے مجھے۔ارم نے جواب دیا

پھر کیا سوچا تم نے۔شہلا بیگم نے پوچھا

امی مجھے کچھ وقت چاہیئے سوچنے کے لئے۔ارم نے جواب دیا

ہاں بیٹا تم سوچ لو پھر جواب دینا کوئی جلدی نہیں ہے آرام سے سوچو۔شہلا بیگم کہہ کر اٹھ گئیں۔تو اسنے واپس سر گھٹنوں پر رکھ دیا اب اسکی آنکھوں میں آنسو تھے۔

ارم اور انعم فرسٹ کزنز تھیں انکی دوستی بچپن سے ہی اتنی گہری تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی ہر بات سے واقف ہوتے تھے انکی دوستی کی مثال خاندان میں سب ہی دیتے تھے۔۔وہ ہر کام میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتیں۔۔ہر چیز میں ایک دوسرے کی پسند کا خیال رکھتی۔۔۔ایک دوسرے کی خوشی انہیں بہت عزیز تھی۔اکثر لوگ یہ بھی بھول جاتے کہ وہ کزنز بھی ہیں۔۔۔انکی دوستی بہت گہری اور دل صاف تھے

جلال صاحب اور عدیل صاحب دو بھائی تھے۔اور سعدیہ انکی اکلوتی بہن جو دونوں بھائیوں کی لاڈلی تھیں۔ جلال صاحب کے دو بچے تھے بڑا بیٹا وہاب اور بیٹی ارم۔عدیل صاحب کی ایک ہی بیٹی تھی انعم۔۔۔اور سعدیہ کے بھی دو بچے تھے اشعر اور نایاب۔۔۔

ارم اور انعم کی عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا اس لئے انکی دوستی اتنی گہری تھی۔۔۔

انعم کی والدہ عائشہ بانو کا انعم کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا اور اسے شہلا بیگم نے ماں کی طرح پالا تھا۔۔۔

انعم بچپن سے ہی اشعر کو پسند کرتی تھی اور یہ بات پہلے دن سے ہی ارم کو بتا دی تھی وہ ہمیشہ اسے چھپ چھپ کر دیکھا کرتی تھی وہ ایک بہت ہی خاص پرسنیلیٹی رکھتا تھا کوئی بھی لڑکی اس کی طرف کھینچی چلی آتی تھی مگر وہ لڑکیوں کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا جس کی وجہ سے انعم کڑھتی رہتی۔۔۔۔

دوسری لڑکیوں کو نہ سہی مجھے تو دیکھ لے میں کوئی غیر تو نہیں۔۔۔انعم اب بھی غصے سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے بول رہی تھی۔

انعم چپ کر جاؤ تم اشعر بھائی کی عادت جانتی تو ہو کیوں اپنا خون جلا رہی ہو۔۔۔آ میرے ساتھ بیٹھ کر یہ سیب کھاؤ اور جان بناؤ۔۔۔ارم بیڈ پہ بیٹھی مزے سے سیب کھا رہی تھی اور انعم کی باتیں بھی سن رہی تھی۔۔وہ کھانے کی خاصی شوقین تھی۔۔

تم ہمیشہ کھاتی رہنا اور دیکھنا ایک دن اشعر صاحب کسی اور سے شادی کر کے آ جائیں گے ہمارا منہ میٹھا کروانے۔۔۔انعم جل کر بولی۔۔

تو میں کیا کروں جو بھی کرنا ہے تم نے کرنا ہے تم ہی پڑی تھی یہ محبت کے چکر میں۔۔۔میں ہوتی تو کبھی نہ پڑتی۔۔۔ارم کھاتے ہوئے پرسکون لہجے میں اسکی باتیں سن کر جواب دے رہی تھی۔

وہ بندہ مجھے ایک نظر غلطی سے دیکھتا ہی نہیں تو میں کیا کروں۔۔۔انعم جھنجلائی ہوئی تھی

اچھا تم فکر مت کرو وہ کسی اور سے شادی نہیں کریں گے یہ سیب کھا لو۔۔ارم نے پلیٹ آگے بڑھائی

تم خدا سے مل کے آئی ہو جو تمہیں پتا ہے ایسا کچھ نہیں ہوگا۔۔۔اور خدا کے واسطے تم خود کھا تمہیں ہی ہو گی اسکی ضرورت موٹی عورت۔۔۔انعم نے اسے چبا جانے والی نظروں سے دیکھا۔۔۔۔

میں عورت نہیں ہوں۔۔۔ارم سب کچھ چھوڑ کر اسکے سامنے جا کھڑی ہوئی۔۔۔۔

موٹی تو ہو۔۔۔انعم اسے چھیڑ کر کمرے سے بھاگ گئی اور وہ اسے دیکھتی رہی۔۔۔۔اور دل ہی دل اسکے لیئے دعا کرنے لگی کہ اسے اس کی محبت مل جائے۔۔۔۔پر

ہوما تو وہی ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے

آج چھٹی کا دن تھا انعم ابھی ابھی اٹھی تھی جب ارم اسکے کمرے میں آئی۔۔

سنوسنوسنو۔۔۔۔اسنے اعلان کرنے والے لہجے میں کہا

کیا ہوا ہے کیوں شور کر رہی ہو۔۔۔انعم نے اس غصے سے دیکھا

اشعر بھائی آئے ہیں۔۔۔۔ارم نے اسے خبر سنائی

ہائے سچ کہاں ہیں۔۔۔انعم نے بیتابی سے پوچھا

ابو کے پاس بیٹھے ہیں۔۔۔ارم نے قہقہہ لگایا۔۔

ہنسومت بدتمیز۔۔۔وہ ہمیشہ ابو کے پاس ہی آتے ہیں۔۔۔انعم کا منہ بن گیا۔۔۔

اچھا جا کر دیدار کرلو میں تمہیں بس یہی کہنے آئی تھی۔۔۔ارم کہہ کر چلی گئی۔۔۔اور انعم جا کر سیڑھیوں میں بیٹھ گئی جہاں سے اشعر ٹھیک نظر آ رہا تھا

یہ کیا ہو رہا ہے تم یہاں کیوں بیٹھی ہو۔۔۔وہ اشعر کو دیکھنے میں مگن تھی کہ آواز پر چونک کر کھڑی ہوئی

جی۔۔۔وہاب بھائی میں بس ویسے بیٹھی تھی۔۔۔انعم کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا بولے

مجھے سب پتہ ہے تم کیا کر رہی ہو یہاں بیٹھ کر۔۔۔۔

وہاب نے جواب دیا۔۔۔

ک۔ک۔۔۔کیوں۔۔۔۔وہ بول ہی نہیں پا رہی تھی

تا کہ تم میرا رستہ روک سکو اور فرمائش کر سکو کہیں باہر لے جانے کی۔۔۔۔پر میں پہلے بتا رہا ہوں میں کہیں نہیں لے کہ جاں گا ابو سے بلکل مت سفارش کرنا۔۔۔۔

وہاب نے اسے انگلی اٹھا کہ وارن کیا تو اسکی سانس واپس آئی

جی اچھا بھائی آپ نہ لے جائیں۔۔۔۔کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔وہ کہہ کر وہاں رکی نہیں اور واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔۔۔۔اور وہاب وہاں کھڑا اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آج پھپھو نے آنا تھا انہوں نے رات ہی کال کر کہ بتا دیا تھی اور انعم جانتی تھی وہ اشعر کے ساتھ آئیں گی اس لئے اس نے بہانا کر کے کالج سے چھٹی کر لی ارم اسے برا بھلا کہتی اکیلی چلی گئی۔۔۔۔

جب پھپھو آئیں تو وہ اپنے کمرے میں تھی جیسے ہی اسے پتا چلا تو وہ انکے پاس جانے لگی پر سیڑھیوں میں ہی آنے والی آوازوں سے اسکے قدم تھم گئے۔۔۔۔

بھائی جو ضروری بات ہم کرنے آئے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم آپکے گھر کی بیٹی مانگنے آئے ہیں۔۔۔۔۔سعدیہ پھپھو کی بات پر انعم نے شرما کے سر جھکا لیا۔

ہم سمجھے نہیں سعدیہ۔۔جلال صاحب بولے

ہم ارم کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں بھائی۔۔۔مجھے ارم بچپن سے ہی اشعر کے لئے پسند ہے اور جب ہم نے اشعر سے پوچھا تو اس نے بھی ارم کے لیے اپنی پسند ظاہر کی ہے۔۔۔۔سعدیہ بیگم نے تفصیل سے بتایا تو انعم کو لگا جیسے اسے سننے میں غلطی ہوئی ہو پر یہ سچ تھا کہ پھپھو نے اسکا نہیں ارم کا ہاتھ مانگا تھا آگے ان لوگوں نے کیا بات کی اسکی سمجھ میں کچھ نہ آیا انعم کو ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے تپتی

دوپہر میں کسی نے لاکھڑا کردیا۔۔۔وہ بے جان سے
قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں چلی گئی اورزاروقطار روئی
اتنے آنسو بہائے کہ ان آنسوں کے ساتھ اشعر کی محبت
بھی بہہ گئی اور روتے روتے اسے نیند نے اپنے آغوش
میں لے لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
آویلکم ویلکم۔۔۔تشریف لائیں محترمہ۔۔۔ارم جب
کالج سے آئی تو وہاب شروع ہوگیا
بھائی میں بہت تھکی ہوں تنگ نہ کریں۔۔ارم جانتی تھی
وہاب اسے تنگ کرنے کے لئے ایسا کررہا ہے ارم انعم اور
وہاب کی اچھی دوستی تھی کبھی لگا ہی نہ تھا کہ وہاب ان
دونوں سے بڑا ہے۔۔۔
ہاں تھکی ہو تو میں نے کب کہا ہے میری خدمت کرو۔۔۔
وہاب نے جواب دیا
تو یہ ابھی آپ کیا کررہے تھے۔۔۔ارم نے گھورا
میں تو بس ہونے والی دلہن کی عزت کررہا تھا۔۔وہاب
نے ہنسی دبائی
یہ کیسا مزاق ہے بھائی۔۔۔ارم چیڑ کر بولی
نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں یار تمہارہ رشتہ آیا ہے۔۔۔
وہاب نے صفائی دی
اوہ سچ واہ کمال ہوگیا۔۔ارم کو لگا کہ وہ مزاق کررہا ہے
اور سنا ہے لڑکے نے خود اپنی پسند ظاہر کی ہے کہ اسے ارم
سے شادی کرنی ہے۔۔۔وہاب نے بتایا تو ارم نے
قہقہہ لگایا
بھائی مزاق اچھا تھا پر مجھے ہضم نہیں ہوا آپ کسی اور کو
ڈھونڈیں۔۔ارم اٹھ کر جانے لگی
ارے میں سچ کہہ رہا ہوں پھپو آئیں تھیں تمہارا رشتہ
لے کر آج۔۔۔۔وہاب نے اسے روکا
کیا۔۔۔کونسی پھپھو۔۔۔۔ارم جو جارہی تھی واپس پلٹی
دل زور سے دھڑکا
کتنی پھپو ہیں ہماری۔۔۔یار ایک ہی تو پھپو ہیں
سعدیہ پھپھو۔۔۔۔وہاب نے جواب دیا
آپکو سننے میں غلطی ہوئی ہوگی وہ میرا نہیں انعم کا رشتہ
لائی ہوں گی۔۔۔۔ارم کو لگا وہ غلط سن کر آیا ہے
اوہ نہیں مجھے امی نے خود بتایا ہے۔۔۔اور وہ لوگ کہہ
گئے ہیں آپ سوچ لیں اس بارے میں وہ دو تین دن
بعد آئیں گے جواب لینے۔۔۔۔وہاب نے اب کی
بار ساری بات بتادی تو ارم کے ہوش اڑ گئے
انعم۔۔۔۔انعم کہاں ہے۔۔۔۔اسے پہلا خیال انعم کا
آیا
یہی تو میں سوچ رہا ہوں انعم کہاں ہے تم اکیلی کالج سے
کیوں آئی ہو۔۔۔وہاب نے الٹا اس سے پوچھا
انعم تو آج کالج گئی ہی نہیں۔۔۔۔ارم نے بتایا
تو وہ صبح سے نظر بھی تو نہیں آئی۔۔۔۔ارم اسکی بات
آدھوری سن کے کمرے کی طرف بھاگی۔۔۔۔
دروازہ کھولا تو انعم سو رہی تھی۔۔۔اسے دیکھ کہ اسکی سانس
واپس آئی کہ وہ ٹھیک ہے۔۔۔۔ارم نے اسکا چہرہ
دیکھا تو اسکے چہرے پہ آنسوں کے نشان تھے۔۔۔۔
ارم سمجھ گئی کہ انعم سب سن چکی ہے۔۔۔۔وہ دکھی ہوتی
اسکے کمرے سے چلی گئی۔۔۔۔اور شام تک اپنے
کمرے سے نہ نکلی۔ارم۔جانتی تھی انعم پر کیا گزری

ہو گی۔

ارم تم یہاں کیوں بیٹھی ہو اٹھو چلو کھانا کھا لو۔انعم نے اسکے کمرے میں آتے ہوئے کہا

نہیں مجھے نہیں آنا تم جا۔ارم نے جواب دیا

کیوں نہیں آنا بھئی؟انعم نے حیرت سے پوچھا

جیسے تم جانتی ہی نہیں آج کیا ہوا۔ارم نے اسے غصے سے دیکھا

اور تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟ارم نے اسے حیرت سے دیکھا

تو اس میں برا کیا ہے اگر اشعر تمہیں پسند کرتا ہے تو۔۔ میں تو کہوں گی تم ہاں کر دو رشتے کے لیے۔انعم نے جواب دیا

تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔میں اس رشتے کے لئے ہاں کر دوں یہ جانتے ہوئے کہ تم۔۔۔۔۔۔۔۔ارم کچھ کہتی اس سے پہلے انعم نے اسے روک دیا

بس بہت ہوا جو ہمارے نصیب میں نہیں اسکے لیے رونا کیوں۔تم میری فکر مت کرو۔میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو گزرے وقت کو روتی رہتی ہیں میں آگے بڑھ جاں گی۔۔۔انعم کہتی وہاں رکی نہیں اور پیچھے سے ارم اسے جاتا دیکھتی رہی۔۔۔۔۔۔۔۔

انعم اپنے کمرے میں لیٹی چھت کو گھورنے میں مصروف تھی جب ارم اسکے کمرے میں آئی۔

میں جانتی ہوں تم اداس ہو اور شاید مجھ سے ناراض بھی۔۔۔ارم نے بنا کسی تمہید کے بات شروع کی۔۔

نہیں نہ ہی میں اداس ہوں اور نہ ہی تم سے ناراض کیوں کہ میری دوستی اتنی کمزور نہیں کہ میں اپنی دوست سے ایک چھوٹی سی بات پہ خفا ہو جاں۔۔۔۔ہماری دوستی میری محبت سے زیادہ گہری ہے ارم میں تمہیں نہیں کھو سکتی پر اپنی محبت بھلا سکتی ہوں بلکہ یوں سمجھو بھول گئی ہوں۔۔۔اسکی آواز پر انعم چونکی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔۔۔۔

میں پھپھو سے بات کروں گی دیکھنا وہ مان جائیں گی اور۔تمہارے ساتھ رشتہ جوڑ لیں گی۔۔۔ارم نے اسے تسلی دینی چاہی

نہیں ارم تم ایسا کچھ مت کرنا۔۔۔یہ شادی کوئی کھیل تھوڑی ہے کہ اس سے نہیں تو اس سے کر لو۔۔۔یا وہ آپکو پسند کرتا ہے تو آپ اپنی پسند چھوڑ دو۔۔۔میں جانتی ہوں محبت کا احساس کیسا ہوتا ہے اور میں نہیں چاہتی جس دور سے میں گزری اس سے اشعر بھی گزرے۔۔۔وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا اور اب مجھے بھی اس سے محبت نہیں۔۔۔انعم نے سمجھانا چاہا

پر انعم۔۔۔وہ کچھ کہتی اس سے پہلے ہی انعم نے روک دیا۔۔۔

تمہیں میری قسم تم ایسا کچھ مت کرنا۔۔۔اور اپنے رشتے کے لیے تم جو چاہے فیصلہ لو وہ تمہاری زندگی ہے تم اپنی پسند ناپسند کا سوچو اگر تمہیں اشعر پسند ہے تو میرے بارے میں سوچے بغیر ہاں کر دو۔۔۔میں جانتی ہوں تم سمجھدار ہو اور اپنے لئے بہتر فیصلہ لو گی۔۔۔انعم نے اسے سمجھایا تو وہ کچھ سوچ کے

خاموش ہوگئی۔۔۔کیوں کہ اب وہ اسکی قسم میں بندھی تھی۔۔۔

ارم تو پھر کیا سوچا ہے تم نے بیٹا صبح تمہاری پھپھو جواب لینے آئیں گی اور تم نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔۔۔شہلا بیگم ارم کے کمرے میں آئیں تو وہ گم صم سی سوچوں میں بیٹھی تھی۔۔۔۔

امی سوچنا کیا ہے مجھے نہیں کرنی یہ شادی آپ پھپھو کو منع کر دیں۔۔۔ارم نے جواب دیا۔۔۔۔

پر کیوں۔۔۔انہیں اس جواب کی امید نہیں تھی

امی میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ارم کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔۔

اگر صرف یہی وجہ ہے تو ہم ابھی منگنی کر لیتے ہیں۔۔۔۔ شہلا بیگم نے پوچھا

نہیں امی مجھے اشعر سے شادی ہی نہیں کرنے۔۔۔وہ میرا آئیڈیل نہیں۔۔۔۔۔ارم بس انہیں روکنا چاہتی تھی۔۔

اچھا میں تمہارے ابو کو کہہ دیتی ہوں کہ تم راضی نہیں۔۔۔۔شہلا بیگم کہہ کر اٹھ گئیں۔۔تو وہ مطمئن ہو گئی۔

یہ تم نے کیا کیا ارم۔۔۔تم ایسا کیسے کر سکتی ہو۔۔۔انعم اسکے کمرے میں بھاگتی ہوئی آئی

اب کیا کر دیا میں نے یار۔۔۔۔ارم صوفے پہ بیٹھی موبائل چلا رہی تھی۔۔۔

تم نے رشتے کے لئے انکار کر دیا۔انعم نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا

ہاں منع کر دیا۔۔۔۔ارم نے سکون سے جواب دے کر موبائل واپس لے لیا

پر کیوں۔۔۔انعم کو غصہ آیا

کیوں کہ میری مرضی۔۔۔ارم واپس موبائل میں مگن ہوگئی

تم نے یہ سب میری وجہ سے کیا ہے نہ۔۔۔۔انعم سنجیدہ ہوگئی

اوہ سوچنا بھی مت تمہارے لئے تو میں کبھی کچھ نہیں کروں گی اتنی کوئی اچھی نہیں ہو تم۔۔۔۔ارم نے منہ بنایا

اچھا تو پھر کیوں۔۔۔۔۔انعم جاننا چاہتی تھی

کیوں کہ اشعر مجھے پسند نہیں۔۔۔۔ارم نے موبائل سے نظر اٹھا کہ اسے جواب دیا

یہ تو تم نے بڑی امی کو کہا ہے پر تم وہ بتاو نہ جو سچ ہے۔۔۔انعم جانتی تھی وہ کچھ چھپا رہی ہے

جانتی ہوں جب تک تم سن نہیں لو گی تمہیں چین نہیں آئے گا۔۔۔تو سنو۔۔۔میں اپنی دوست اپنی بہن کے خوابوں کو ویران نہیں کر سکتی تھی۔۔۔میں اس جگہ نہیں جا سکتی تھی جہاں میں نے ہمیشہ سے تمہیں دیکھنا چاہا۔۔۔جس جگہ تم جانا چاہتی تھی۔۔۔میں جانتی ہوں اگر میں ہاں کر دیتی تو تم میری خوشی میں سب سے آگے ہوتی پر میں ہاں نہیں کر پائی کیوں کہ میری دوستی اتنی کمزور نہیں جو ایک لڑکے کے لیے میں اپنی بچپن کی دوست اور اسکی محبت کو بھول جاں۔۔۔۔میرے لئے ہماری دوستی زیادہ اہمیت رکھتی ہیکسی اور رشتے سے۔۔تم میری بہن بعد میں ہو پہلے میری دوست ہو اور مجھے اپنی دوست بہت عزیز ہے۔۔۔میں تمہارے لئے اپنی خوشیاں بھی قربان کر سکتی ہوں خیر اشعر تو میری خوشی تھا بھی نہیں۔۔۔۔۔

تم نے مجھے قسم دی تھی ورنہ میں امی سے بات کرتی کہ تم اشعر کو پسند کرتی ہو۔ارم نے تفصیل بتائی تو انعم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ ارم کے گلے لگ گئی۔اب یہ رونا دھونا بند کرو۔۔اور گھر میں یہ بات کسی کو پتہ نہ چلے کے میں نے رشتے کے لئے انکار کیوں کیا۔جب انعم کافی دیر روتی رہی تو ارم نے اسے چپ کراتے ہوئے کہا۔تم نے میری خاطر اتنا کچھ کیا۔ میں کبھی کسی کو نہیں بتاں گی اور تم بھی مت بتانا کہ میں۔وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔ہم اپنی دوستی ہمیشہ ایسے قائم رکھیں گے کبھی بھی الگ نہیں ہوں گے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔اور ہمیشہ ایک دوسرے کی خوشیوں کا بھی خیال رکھیں گے۔۔۔ارم نے کہا تو انعم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔۔اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔وہ دونوں خوش تھیں۔۔کبھی کبھی محبت ہی سب کچھ نہیں ہوتی زندگی میں دوستی بھی ضروری ہوتی ہے۔۔۔ارم نے اپنی دوستی نبھائی تھی اور انعم خوش تھی کہ اسکی محبت نہ ملی تو کیا ہوا دوست کا ساتھ تو ہے۔۔۔دوست بہت انمول ہوتے ہیں انہیں کبھی نہیں کھونا چاہیے۔۔دوست ضروری ہوتے ہیں۔دوست نہ ہوں تو یہ زندگی پھیکی سی لگتی ہے۔۔دوست ہوں تو زندگی میں رنگ بھر جاتے ہیں۔۔خدا ہر دوست کی دوستی برقرارر کھے آمین۔۔

دین دنیا

حضرت موسی علیہ السلام کے زمانے میں قارون نام کا ایک بہت بڑا مالدار شخص تھا .. سورہ قصص میں بیان ھوا ھے کہ اسے اللہ تعالی نے اتنے خزانے عطا کر رکھے تھے کہ ان کی کنجیاں اٹھانا ھی آدمیوں کی ایک جماعت کے لیے بہت بھاری بوجھ تھا مگر ان نعمتوں پر شکر گزاری کے بجائے فخر وغرور اور نمائش ودکھاوا اس کا معمول تھا ..اس کا کہنا یہ تھا کہ یہ مال اسے اس کی علم وصلاحیت کی بنا پر ملا ھے .. آخر کار اللہ تعالی نے اس ک گناھوں کی پاداش میں اسے اس کے مال سمیت زمین میں دھنسا دیا..

مال بلاشبہ اللہ تعالی کی ایک عظیم نعمت ھے لیکن اس نعمت کی حقیقت یہ ھے کہ انسانوں کو بطور آزمائش دیا جاتا ھے ..وہ آزمائش کیا ھے 'اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوبی سے اس طرح بیان کیا ھے کہ تمھارے کمزوروں کی وجہ سے تمھاری مدد کی جاتی ھے اور تمھیں رزق دیا جاتا ھے) ..بخاری رقم(2896

اس دنیا میں جس کو جو ملا ھے صرف اللہ تعالی کی عطا سے ملا ھے ..

عام مشاھدہ ھے کہ دنیا میں بڑے بڑے ذھین اور باصلاحیت لوگ جوتیاں چٹخاتے پھرتے ھیں اور بے ھنر لوگ دیکھتے ھی دیکھتے مالدار ھو جاتے ھیں .. لوگ اسے قسمت کہتے ھیں' درحقیقت یہ اللہ تعالی کی اپنی تقسیم ھے..

یہ تقسیم ھمیشہ غیر متوازی کی جاتی ھے ..اس کے ذریعے اللہ تعالی یہ دیکھنا چاھتے ھیں کہ پیسے والے لوگ مال پا کر قارون بنتے ھیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ جان لیتے ھیں کہ یہ مال اصل میں انہیں ضعیفوں کی وجہ سے ملا ھے ..

جو لوگ قارون بنتے ھیں ان کا انجام بھی قارون جیسا ھو گا لیکن جو لوگ اسے عطیہ الہی سمجھ کر غریبوں پر خرچ کرتے ھیں انہیں اللہ کے نبی کے ساتھ بسا دیا جائے گا

شگفتہ سیرت

نعیم اختر ربانی

"سمندر کی یہ لہریں بلکل میرے آنسں کی طرح ہیں بنا بتائے آجاتے ہیں مجھے خدشہ ہے کوءان میں ڈوب ہی نہ جائے"
عائشہ ساحل پہ کھڑی اڈتی ہوءلہروں کو دیکھتے ہوئے بولی

"آپی !مایوسی تو بیکار کرنے والی چیز ہے بھروسہ اور توکل بھی تو ہے اگر ہم انہیں اختیار کریں تو ہماری زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے"

وہ سمجھانے والے انداز میں بولی.

بھروسے ہی کی بنا پر سب کچھ کیا تھا مگر اب.....

"اب بھی اسے اپنانا ہوگا"

نازیہ تحکمانہ انداز میں بولی تو یک لخت پلٹی بھاگتی یوءآءاور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی.

سارا راستہ عائشہ اپنی ناکامی کا سوچتی رہی...... کتنا پیسہ خرچ کیا اتنی محنت کر کے ایم-اے میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی صرف اسلیئے کہ اچھی سی نوکری مل سکے میں اپنے قدموں پے کھڑا ہونا چاہتی تھی اپنے والدین کو انکا بیٹا بن کر دیکھانا چاہتی تھی مگر اب......

گھر تو آج جشن کا سا سماں پیدا کر رہا تھا لاہور سے خالہ
اپنی دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کے ہمراہ بنا بتائے آ گئی تھیں.
تبھی تو عائشہ اور نازیہ پہلے تو بہت حیران ہوئیں مگر اپنے
حواس کھونے کی حد تک نہ جا پائیں.
عائشہ تو سب سے ملنے کیبعد تیز قدموں سے اپنے
کمرے کی طرف چل پڑی جبکہ نازیہ اس کی اس
حرکت پر پیچ و تاب کھاتے رہ گئے

- - - - - - - - -

"نیلگوں آسمان پے یہ مزین خوبصورت چھوٹے
چھوٹے تارے کیا ہی منظر پیش کرتے ہیں نا جانے انکی
زندگی کا مقصد بھی ہے کہ نہیں سرِ شام ہی آ جاتے ہیں
اور صبح صادق سے پہلے تقریبا رخصت ہو جاتے ہیں "
"محبت اور نفرت کے ملے جلے کھیل میں اچھا خاصا
آدمی بھی نیم پاگل ہو جاتا ہے "
اس کی بڑبڑاہٹ پے حاشر تکلفانہ انداز میں بولا.
وہ اپنی ایڑیوں پر یوں پلٹی جیسے کسی اور جہاں میں جی رہی
تھی اور اب اس جہاں میں واپس آ رہی ہو.
"آ آ آ آپ.....
بڑی مشکل سے یہ لفظ نکال پائی.
"نہیں وہ محلے کا دوست میری صورت اختیار کر کے آپکی
فلسفیانہ گفتگو سن رہا ہے"
عائشہ بھی مسکرائے بنا نہ رہ سکی.
"بندہ مہمانوں کی خاطر مدارت کرتا ہے جبکہ آپ گھوم
کے واپس آئیں تو سیدھا اپنے کمرے میں وہاں سے
چھت پر آپکے پاس چاند, تاروں اور تنہاء جیسی ناسور
بیماری کیلیئے تو وقت ہے لیکن ہمارے لیے نہیں مطلب
مہمانوں کیلیے"
عائشہ اس کی بے تکلفانہ گفتگو پے انگشت بدنداں ہو گئی..
حالانکہ یہ ان دونوں میں پہلی ملاقات تھی صرف نام سے
واقفیت تھی شکل و صورت سے تو بالکل شناسا نہیں تھے..
وہ مم مم میں.....
وہ تو ابھی تک اپنے حواس قابو میں نہ کر سکی تھی.
"ہائے خدایا ! کن ہکلوں کی دنیا میں پھینک دیا ہے "
اگلے ہی لمحے عائشہ سیڑھیاں اتر رہی تھی . حاشر اسکی
حرکت پہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا.

-- - - - - - - - -

"لوگ مہمان بن کر آتے ہیں پھر ہمارا مذاق اڑاتے ہیں"
کیا ہوا آپی ! کچھ بتائیں تو سہی پہلے آپ مایوسی کے
عالم میں رہتی تھیں اب غصے کا دامن تھام لیا ہے"
"رات میں چھت پر اکیلی تھی تو حاشر آ کر میرا مذاق
اڑانے لگا"
عائشہ بھراء ہوء آواز میں بولی.
"مجھے سب معلوم ہے اگر یہ علم ہوتا کہ آپ اس وجہ
سے نالاں ہیں تو میں تھوڑا اور تنگ کرتی "
" کیا؟؟؟؟
اسکے تمسخرانہ انداز پر عائشہ بھڑک اٹھی.
"زندگی دو چیزوں سے مزین ہے کامیابی اور ناکامی.
ضروری نہیں جو ہم چاہیں وہی ہو اور یہ بھی ضروری نہیں
کہ ہر موڑ پے ہم کامیابی سے ہمکنار ہوں . ہمارے
ذمہ صرف کوشش ہے نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیئے . وی

زیادہ جانتا ہے بندے کا نفع کس چیز میں ہے اور وہ ہمارا نقصان نہیں دیکھتا"

" مگر میں بالکل مایوس ہو چکی ہوں"

" یہی تو میں کہنا چاہتی ہوں کہ مایوسی بالکل درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا "اللہ پر بھروسہ کرو " نبی کریم صلی اللله علیہ والہ وسلم کی سیرت کو اگر دیکھا جائے تو ایسی کیء مثالیں ملیں گیں جن میں آپ نے مایوسی کے بجائے توکل کو چنا .شعبِ ابی طالب کا واقعہ ہمارے لیے اور خاص طور پر آپ کیلیے سبق آموز ہے" مگر.....

"اگر مگر نہیں آپی !جب اللہ پر توکل کریں گے تو کوء نہ کوء راہ ضرور نکل آئے گی"

نازیہ اسکی بات کاٹتے ہوئے بولی.

"اچھا چلو ناشتے پر سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے"

وہ دونوں ایک ساتھ ناشتے کی میز کی طرف چل دیں.

ڈرائنگ روم میں آج کافی تعداد میں لوگ موجود تھے .میز کی ایک طرف ایک خاندان جلوہ افروز تھا جس میں خالہ کلثوم ,انکی دو بیٹیاں اور بیٹا حاشر موجود تھے .میز کے سامنے عائشہ کے والدیوں براجمان تھے جیسے کہ وہ صدارت کے فرائض سرانجام دے رہے ہوں .میز کی دوسری طرف عائشہ کی والدہ اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھیں جو ابھی کمرے سے آءتھیں.

"تم لوگوں نے آج اتنا تکلف کیوں کیا؟ ہم لوگ مہمان تھوڑے ہیں اپنا ہی تو گھر ہے"

یہ تو معمول کے مطابق ہے ورنہ تمہاری بہن تو صبح صبح باورچی کے کان صاف کر رہی تھی .یہ میں تھا جس نے یہ سب کرنے سے منع کر دیا"

ماجد صاحب نے کلثوم کی بات کاٹتے ہوئے کہا.

"بھاء !میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں"

"جی جی فرمائیے"

ماجد صاحب آج کافی خوش موڈ میں دیکھاء دیتے تھے.

"والدین پر بچوں کا کافی بار ہوتا ہے بچپن میں خواہشات , مستقبل کی فکر اور جوانی میں شادی.....

"یہ تو درس شروع کر دیا جو بات کہنی ہے وہ جلدی سے کہہ ڈالو تمہید کی کیا ضرورت ہے"

ماجد صاحب انکی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولے.

"میری بات آپا سے ہوگءتھی معلوم نہیں انہوں نے آپکو بتایا ہے کہ نہیں .میری خواہش ہے کہ آپ حاشر کو اپنا بیٹا بنا لیں"

کیوں؟ آپکو تنگ کرتا ہے بات نہیں مانتا"

ماجد صاحب نے بات مذاق میں ٹال دی.

"میرا مطلب ہے کہ آپ عائشہ کا ہاتھ ہمیں دے دیں"

اس دفعہ کلثوم نے واضح الفاظ میں آپنے من کی بات کہہ ڈالی تھی.

"اگر فاطمہ کو اعتراض نہ ہو تو مجھے بھی کوء گلہ نہیں"

شکریہ بھاء جان"

کلثوم پھولے نہ سمائے جا رہی تھی .ساتھ عائشہ ناشتے کی میز سے اٹھ کر اندر چلی گءحاشر کی نگاہیں دروازے تک اسکا تعاقب کرتی رہیں.

- - - - - - - - - -

صبح ہونے والے واقعہ نے اسے ایک نے موڑ پہ لا کھڑا
کیا سوچ سوچ کر اسکا برا حال ہو رہا تھا کہ اب کیا
کرے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اسی اثنا میں دروازے پر
ہلکی سی دستک ہوء . عائشہ نے دروازہ کھولا تو دنگ رہ
رہ گ ء . سامنے حاشر بازو پھیلائے کھڑا تھا . وہ
دروازے کے سامنے سے ہٹ گ ء.
"السلام علیکم !
حاشر نے گفتگو کی ابتدا کی.
"وعلیکم السلام !
"آپ سے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں آپ چاہیں
تو اجازت مرحمت فرمائیں ورنہ.....
مدبانہ نگاہوں سے حاشر اسے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ کھڑکی
کی طرف منہ کیے نہ جانے کسے گھور رہی تھی.
"جب سے یہاں آیا ہوں آپ کو پریشان دیکھ رہا
ہوں . رات مجھے نازیہ نے جب سب بتایا تو میں یہ
سوچنے پر مجبور ہو گیا . کہ میری ہونے والی بیوی اتنی کم
عقل ہے"
اس نے شرارتی نظروں سے گھورتے ہوئے اپنی بات
جاری رکھی.
" تمہیں اگر پیسہ کمانا ہے . اپنا مستقبل درست کرنا
اور سنوارنا ہے . تم اپنے پاں پہ کھڑا ہونا چاہتی ہو تو
تمہیں اس سب کی کوء ضرورت نہیں . عورت کا کام
صرف گھر میں رہنا ہے . کمانا , پیسے کی فکر , خرچ کی
فکر , سب مرد کے ذمہ ہے تم وہ کیوں جرنا چاہتی ہو جو
تمہارے ذمہ میں نہیں ہے"
"میرے والدین"
پہلی دفعہ اس نے پلٹ کر بات کرنا چاہی مگر حاشر اسکی
بات کو کاٹتے ہوئے بولا.
"میں کس لیے ہوں کیا میرا ان سے صرف سسرال والا
رشتہ ہوگا ؟ میرا خونی رشتہ ہے میں اسکی پاسداری کروں
گا . جب خون اور سانسوں کی بات آ جائے تو پھر سوچ
اور فکر مفقوط ہو جاتی ہیں"
وہ ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ پٹخسے دروازہ
کھلا نازیہ اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گ ء.
"تم نے لازما کباب میں ہڈی بننا تھا "
"شرم کرنی چاہیئے تم لوگوں کو"
نازیہ چھیڑنے والے انداز میں بولی.
"نازیہ"
عائشہ اسکی بات کا برا مان گ ء.
"میں نے کہا تھا نا کہ اللہ پر جب توکل کرو تو سب کچھ
یوں جاتا ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا"
عائشہ بڑے پیار سے آگے بڑھی اور نازیہ سے لپٹ
گئی.......

احساس

خالد جان (کوئٹہ کینٹ)

جب بھی ہم اپنے اردگرد کسی کے منہ سے بھائی کا لفظ سنتے ہیں تو ہمیں ایک مضبوط سا رشتہ یاد آ جاتا ہے اور وہ رشتہ ایک بھائی کا بہن سے اور ایک بھائی کا بھائی سے ہوتا ہے۔لیکن افسوس آج کل ہمارے معاشرے میں بہت ہی کم لوگ اس رشتہ سے جڑیں تمام فراض سرانجام دیتے ہیں اور پھر ایک اچھے بھائی کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔

....

ہمیشہ کی طرح آج پھر اسلم کی کاپی نامکمل تھی ساجد صاحب نے attendance لینے کے بعد جب ریاضی کی کاپیاں چیک کی تو اسلم کی کاپی نامکمل تھی اس پر اسے ہمیشہ کی طرح کی ڈنڈے بطور انعام ملیں . ساجد صاحب نے اسلم سے غصے میں کہا"" کیا مسلہ ہے تمہارا ہمیں بھی بتا ...نہ تو تم کاپی مکمل کرتے ہو اور نہ کچھ یاد کرتیہو.....اور پھر نوابوں کی طرح کلاس میں سو کر نیند بھی پورا کرتے ہو....مت کرونا پوری رات آوارا کردی تا کہ تمہیں کلاس میں نیند نہ آئے .....""اسلم کو ایسی کہی باتیں سننے پڑتیں اور اس کمزور جسم پر کی ڈنڈو کے درد بھی سہنے پڑتے۔

ساجد صاحب کلاس انچارج تھے لہذا پہلا پیریڈ بھی اس ہی کا تھا. پہلے ہی پیریڈ سے اسلم کے مار کھانے کا سلسلہ شروع ہوتا اور چھٹے پیریڈ تک جاری رہتا . اور کبھی کبھار کسی استاد کہ نہ آنے کی وجہ سے اسے بہت خوشی ہوتی اور کچھ دیر کے لیئے سکون بھی مل جاتا تھا۔ . اسلم ایک پراویٹ اسکول میں پڑھتا تھا جہاں لڑکیں اور لڑکیاں ایک ہی کلاس میں بیٹھ تے تھیں . ۔ اسلم اس پراویٹ اسکول میں کبھی نہیں پڑھ پا تھا اگر اس اسکول کا پرنسپل اس کے والد) جمشید (کے بچپن کا دوست نہ ہوتا۔ کیونکہ اس اسکول کا فیس بہت ہی زیادہ تھا۔ لیکن پرنسپل صاحب اسلم اور اس کی دو بہنوں سے بہت ہی کم فیس لیا کرتا تھا . اسلم پانچویں جماعت میں تھا جبکہ اس کی دونوں بہنیں دوسری جماعت میں تھیں ۔ . اسلم کے کلاس میں بہت سی لڑکیاں تھیں لیکن اسے صرف حسینہ ہی اچھی لگتی . حسینہ ہمیشہ اسلم کو نصیحت کرتی کہ وہ اپنی پڑھای پر توجہ دے اور یہ سن کر اسلم اکثر اسے مثبت میں سر ہلا تا.

سچ کہتے ہیں جس کے دل میں آگ لگتی ہے جلنے کا بھی اسے ہی پتا ہوتا ہے . جس پر جو گزرتا ہے اس کا علم اسے ہی ہوتا ہے باقی تو صرف مشورے ہی دیا کرتے ہیں۔

اسلم اسکول سے چھٹی کے بعد سکندر استاد کے گیرج چلا جاتا اور رات دیر تک وہی پر کام کرتا رہتا تھا۔ . جب وہ کام سے فارغ ہو جاتا تو اسکا استاد اسے اس کی مزدوری کے تین سو روپے دے دیا کرتے ۔ . اور وہ بازار سے والد کی دوایاں یا کھانے پینے کی اشیاں خرید کر گھر چلا جاتا تھا۔ گھر کے تمام کام وہ خود ہی کیا کرتا تھا۔ اس کی ماں بہت عرصہ پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ اور والد کسی حادثے میں معذور ہو گیا تھا۔ پہلے محنت مزدوری کر پاتا تھا لیکن اب اس قابل نہیں تھا کہ کوہی کام کر سکے ۔ .لہذا تمام تر ذمہ داریاں اسلم کے سپرد تھے۔ گیرج میں کام کرنے کی وجہ سے وہ اتنا تھکا ہوا ہوتا کہ اسکول کا کام نہیں کر پاتا تھا۔

ہر انسان کی زندگی میں کچھ خواہشات ہوتے ہیں اور ان خواہشات کے ساتھ کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں اور یہی مجبوریاں انسان کو اس کی خواہشات سے الگ کر دیتے ہیں. بلکل ایسا ہی اسلم کے ساتھ بھی ہوا اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اور اس کی حسرت تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بنے۔

لیکن غریب کی مجبوریاں اس کی خواہشات کی تکمیل کہا ہونے دیتی ہیں۔ غریب تو ایک مجسمہ ہوتا ہے جو دوسروں کی محبت بھری نگاہوں کا محتاج ہوتا ہے مگر افسوس اسے یہ بھی نصیب نہیں ہوتے........

۔ آخر کار آٹھویں تک پڑھنے کے بعد اسلم نے اسکول کو خیر باد کہ دیا. اب اس کے دل میں ایک ہی خواہش تھا کہ اس کی دونوں بہنیں ڈاکٹر بنیں ۔ .

اب وہ صبح سے لیکر رات دیر تک کام کرتا رہتا اور جس کی وجہ سے اسے اب کچھ زیادہ پیسے ملنے لگے تھے۔

جس سے گھر کا گزر اوقات با آسانی ہو جاتا تھا۔ .

اسلم کو اکثر حسینہ کی یادیں ستایا کرتے تھے۔ شاید وہ حسینہ کو اپنا دل دے بیٹھا تھا۔ جب اسلم اسکول چھوڑ رہا تھا تو حسینہ نے اس کی بہت منت سماجت کی کہ اسکول مت چھوڑو۔ لیکن اسلم نے نہیں مانا شاید وہ تنگ آچکا تھا اس روز روز کی بے عزتی اور مار کھانے سے ۔ . وہ

ملاقات ان دونوں کی آخری ملاقات تھی اسکے بعد وہ دونو کبھی نہیں ملیں۔ ۔اسلم محنت کرتا رہا۔
دن مہینوں ,اور مہینیں سالوں میں گزرتے گئے۔
سکندر اسلم کے کام سے بہت خوش تھا۔ایک دن وہ اسلم سے کہنے لگا"اسلم بیٹے کتنا خوش نصیب ہوگا وہ باپ جسے تم جیسا بیٹا ملا ....اسلم تم نے بیٹے اور بھای ہونے کا فرض ادا کر دیا ہے بہت ہی کم ایسے بھای ہوتے ہیں جو اپنے خواہشات کو قربان کر دیتے ہیں صرف اور صرف اپنے ماں باپ بہن بھایوں کے لئے ..."" یہ سن کر اسلم کہنے لگا۔" نہیں استاد کو ہی بھی فرض میں نے ابھی تک ادا نہیں کیا .. ۔جتنا میرے بابا نے میرے لئے کیا ہے اس کا فرض میں زندگی بھر ادا نہیں کر پا ہونگا .....اور پھر بھایوں اور بہنوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جس میں شہد جیسی مٹھاس ہوتی ہیں ... استاد وہ انسان نہ تو بھای کہلاتا ہے اور نہ ہی بیٹا جب تک وہ ان دونوں رشتوں کا فرض ادا نہ کرے ....""استاد کہنے لگا۔"بلکل ٹھیک کہا تم نے بیٹے "۔دونوں کے چہروں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ بھکیر گی۔ ۔اسلم کو جس دن کا انتظار تھا آخر وہ دن آ ہی گیا اس کی دونوں بہنیں)ایمن اور ماہین (ڈاکٹر بن گیں۔ ۔جب اس بات کا اسلم کو پتا چلا تو وہ اتنا خوش ہوا گویا کہ دنیا کی تمام خوشیاں اسے ملیں ہو۔وہ جلدی سے مٹھایاں لے آ کر سب کا منہ میٹھا کر وایاں۔آج اسلم کے بابا بھی بہت خوش تھے۔ ۔اسلم جلدی سے گیرج پہنچا اور زور زور سے صدا بلند کرنے لگا"استاد...استاد"... "... کیا ہوا اسلم بیٹے خیریت تو ہے......"
"استاد آج میری خواہش کی تکمیل ہوی ہے ..... وہ خواب جو میں روز دیکھا کرتا تھا آج وہ خواب تعبیر میں بدل گیا ہے ....."استاد حیرت سے پوچھنے لگا " کونسا خواب پورا ہوا ہے کچھ بتاں تو سہی ....."
"استاد !میری دونوں بہنیں ڈاکٹر بن گیں ہیں ...."
یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا۔اور اسلم نیکہا "استاد یہ لو منہ میٹھا کرو .... "استاد نے اسلم کو بیٹھنے کا کہا اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ کر اس سے کہنے لگا۔"اسلم بیٹھے مجھے بھی اسی دن کا انتظار تھا کہ کب تمہاری خواہش پوری ہو اور میں تم سے اپنے خواہش کا اظہار کرو...اور آج وہ دن آ گیا ہے "۔اسلم حیرت سے پوچھنے لگا" استاد !کیسی خواہش " ?استاد درد بھرے لہجے میں کہنے لگا " بیٹے تم تو جانتے ہو میری صرف ایک ہی بیٹی ہے بیٹا تو کوی ہے ہی نہیں بیوی تو کب کی چل بسی .....ڈرتا ہو کہ میرے مرنے کہ بعد میرے رقیہ کا کیا ہوگا"۔ ۔اسلم بے ساختہ کہنے لگا "استاد اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو ....یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں"۔ ۔استاد کہنے لگا " بیٹے میرے رقیہ کو اپنے نکاح میں قبول کر لو " یہ سن کر اسلم حیرت سے کہنے لگا "استاد بابا سے پوچھتا ہوں "استاد اسلم کی بات کاٹتے ہوے کہنے لگا" ...بیٹے تم صرف ہاں کر دو آگے تمہارے بابا سے بات کرنا میرا کام ہے"۔اسلم نیمسکراتے ہوے مثبت جواب میں سر ہلایا اور دونوں مسکرانے

لگے۔ .استاد اسلم سے کہنے لگا"لاں یار ایک اور مٹھای کیلاں اس شوگر کی تو ایسی کی تیسی ..." کچھ عرصہ بعد اسلم اور رقیہ کی شادی ہوگیں۔شادی کے چند ماہ بعد سکندر استاد اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔۔جس کا انہیں بہت دکھ ہوا۔اسلم کو اس کی بہنیں کام کرنے سے منع کرتے لیکن وہ انکی بات ٹال دیتا اور ہمیشہ کی طرح گیرج میں کام کرنے جایا کرتا تھا۔اگر اسلم معاشرے میں ایک جاہل فرد کی حیثیت رکھتا بھی ہو لیکن اس نے وہ کر دیکھایا جو بہت کم لوگ کر پاتے ہیں ۔ ....

درد بھرے الفاظ کے ساتھ یہ کہنا چاہونگا کہ ایسے مزدوروں کے ساتھ تعاون کرے جو اپنی تمام خواہشات کی قربانی دے کر اپنی تعلیم بھی چھوڑ کر اپنے گھر والوں کے لیئے ذریعہ معاش بن جاتے ہیں اور اسی عمر میں کی بچے اپنی زندگی موج مستیوں میں گزار تھے ہیں۔دل تو سب کے پاس ہوتا ہے لیکن اصل دل تو وہ ہوتا ہے جس میں کسی کے لئے احساس ہو........,

کیسی کی دل آزاری ہوی ہو تو معزرت چاہتا ہو۔۔۔۔۔

ختم شد

دین دنیا

حضرت اویس قرنی کو جنت کے دروازے پر کیوں روک لیا جائے گا۔

حضور اکرم) صلی للہ علیہ وسلم (نے فرمایا کہ جب لوگ جنت میں جا رہے ہوں تو اویس قرنی کو جنت کے دروازے پر روک لیا جائے گا۔

حضرت اویس قرنی کون ہیں۔

اویس نام ہے عامر کے بیٹے ہیں مراد قبلہ ہے قرن انکی شاخ ہے اور یمن انکی رہائش گاہ تھی۔

حضرت نے ماں کے حد درجہ خدمت کی۔وہ آسمانوں تک پہنچی اویس قرنی حضور کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے۔

جبرئیل آسمان سے پہنچے اور انکی بات کو حضور نے بیان کیا چونکہ حضور دیکھ رہے تھے کہ آئندہ آنیوالی نسلیں اپنی ماؤں کیسا تھ کیسا سلوک کریں گی ایک سائل نے سوال کیا یارسول للہ) صلی للہ علیہ وسلم (قیامت کب آئے گی تو آپ نے ارشاد فرمایا مجھے نہیں معلوم کب آئے گی تو سائل نے کہا کہ کوئی نشانی تو بتا دیں تو آپ نے فرمایا جب اولاد اپنی ماں کو ذلیل کرے گی تو قیامت آئے گی۔

میں بھی تو پکار آ جاؤں گا

ثمر مغل

ارون مجھے آج بابا بہت یاد آ رہے ہیں عارب نے منہ لٹکا کر کہا مجھے بھی یاد آ رہے ہیں ارون نے جواب دیا پتہ نہیں بابا کیوں نہیں آتے ۔عارب یاد ہے ماما نے بتایا تھا بابا تب آئے تھے جب ہم دونوں کی پہلی سالگرہ تھی آج دونوں کو زیادہ ہی اداس تھے اور آج دونوں کو حماد صاحب زیادہ یاد آ رہے تھے

دونوں منہ ہاتھ دھو اور جلدی آؤ میں تب تک کھانا لگاتی ہوں مسز آمنہ حماد نے کہا اور کمرے سے باہر آ گئی

ارون عارب جلدی کرو مجھے اور بھی کام ہیں آمنہ عجلت میں بولی

امنہ اونچی اونچی بولتی ہوئی سارے گھر میں دونوں کو ڈھونڈ رہی تھی پر وہ دونوں کہیں نظر نہیں آ رہے تھے اچانک ان کی نظر پیچھے کے لون کی طرف پڑی

تم دونوں یہاں لان میں بیٹھے ہوئے کیا کر رہے ہو چلو اندر جلدی سے اور کھانا کھا لیکن دونوں میں سے کسی ایک نے بھی ماں کی بات پر غور سے نہ سنی ابھی آمنہ کچھ اور کہنے والیں تھیں کی ڈور بل کی آواز آئی اس وقت کون ہو سکتا

ہے آمنہ نے کہا

جی مالکن توسی مینوں بلایا؟ فاطمہ نے آ کر خدیجہ فرقان سے کہا

) فاطمہ مسز خدیجہ کے گھر کام کرتی تھی اور انکے شوہر محمد حسن ان کے ہاں مالی تھے دونوں میاں بیوی مل کر کام کرتے تھیاور حویلی کے کواٹر میں مقیم تھے اللہ تعالی نے ان کو اپنی رحمت اور نعمت سے نوازا تھا بیٹے کا نام شجاع حسن اور بیٹی کا نام امل حسن تھا دونوں چاہتے تھے کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی پرورش کریں تا کہ ان کو کل کسی کے گھر میں کام نہ کرنا پڑے تا کہ کل کو اپنے ماں باپ کی طرح سر جھکا کر نہیں بلکہ سر اٹھا کر جینا آئے (

ہاں میں نے تمھیں بلایا تھا خدیجہ نے غصیلی آواز میں کہا بی بی جی کج ہو یا اے توسی مینوں دسو مجھے کمی کو کوء غلطی ہوگ ء فاطمہ نے بے چارگی سے کہا لیکن مسز خدیجہ تو ابھی تک شعد ید غصے میں تھی

تم کہہ رہی ہوں صرف غلطی یہ دیکھو اسنان کو ذرہ تمہارے بیٹے شجاع نیاس کو دھکا دیا اور اس کا سر پھٹ گیا اور کتنا خون ضائع ہو گیا مسز خدیجہ کو تو ایک پل چین نہ رہا تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شجاع کو بھی ایسے ہی چوٹ پہنچا تیں

اوء میرے اللہ ! اےَ شجاع نے کیتا ہے ہاے اللہ چھوٹے صاحب مینوں دکھاو تو سہی میں ہونے جا کے پوچھدی ہاں اتنی ساری چوٹ لگا چھڈی ہے فاطمہ پریشانی اور بے یقینی کے عالم میں بولی کیونکہ اسے امید نہیں تھی کہ شجاع یہ سب کر سکتا ہے وہ شرارتی ضرور تھا لیکن ایسا بدتمیز نہیں تھا

ارے فاطمہ اماں ایسے کوئی بھی بات نہیں میں بی جی کو بھی یہی سمجھا رہا ہوں ہم دونوں صرف کھیل رہے تھے اور میں بھاگتے ہوئے گر گیا اس میں شجاع کی غلطی کہاں سے آ گئی لیکن بی جی تو کسی کی سنتی نہیں اسنان کو اپنی ماں پر غصہ آ رہا تھا

ہاں ہاں ہمیں تو عقل نہیں ہے ہم سب تو پاگل ہیں اک تو سمجھدار ایک تیرا شجاع باقی سب تو گھامڑ ہیں خدیجہ بیگم نے غصے میں کہا

توسی چھڑ دو بی بی جی میں شجاع کو لوں جا کے آپ پوچھ دی آں تے اوسنوں سمجھا دیں ہاں یہ کہ کر فاطمہ وہاں سے نکل گئی

چاچو میرے ماما بابا کہاں ہیں بچی نے بلکتی ہوئی آواز میں کہا آپ نے تو کہا تھا ان کو ساتھ لے کر آں گا تین دن سے میں اپنے بابا ماما کو نہیں دیکھا امین روتے ہوئے بلند آواز میں کہا

میرے بچے آپکے ماما بابا اب اس دنیا میں نہیں رہے ان کا پلین کریش ہو گیا میں آپ کو بھی بتانا نہیں چاہتا تھا میں آپ کو ایسی حالت میں نہیں دیکھ سکتا میری گڑیا میری چڑیا اٹھو ایسے مت روخاں صاحب نے کہا امین روتے ہوئے ان کی گود میں چھپی جا رہی تھی خان صاحب کا دل گھبرانے لگا وہ کب امین کو ایسی حالت میں دیکھ سکتے تھے انہوں نے جب پہلا لمس محسوس کیا تھا وہ امین کا ہی تھا امین ان کے بھائی کی بیٹی تھی لیکن ہمیشہ اسے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا

اس کی چھوٹی سے چھوٹی بھی خواہش پوری کرتے اور اگر ذرا سی بےچین ہوتی تو وہ بھی بے چین ہو جاتے لیکن آج اتنی بڑی مشکل میں وہ آج انکے بس سے باہر ہوتی جا رہی تھی امین اپنے ماما بابا کو مسلسل یاد کرتے ہوئے روئے جا رہی تھی کہ ایک دم ہوش کی دنیا سے بیگانہ ہو گی اور اپنے چچا جان کی بازوں میں گر گئی

آمین میرے بچے آنکھیں کھولو بچے اپنے چاچو کو ایسے مت ستاو پلیز آنکھیں کھول دو

سفینہ سفینہ دیکھو میری بچی کو کیا ہو گیا ہے یہ آنکھیں ہی نہیں کھول رہی سفینہ بھاگ کر کچن سے آئی آپ ڈاکٹر کو کال کریں میں امین کو دیکھتی ہوں وہ امین کو لے کے کمرے میں چلی گئی۔آخر وہ بچی ہوش میں رہتی بھی کیسے جس کے جان سے پیارے ماں باپ اس دنیا سے چلے گئے ہوں 15 دن تو امین کو ٹھیک سے ہوش ہی نہیں آیا جیسے ہی ہوش آتا ماما بابا کو یاد کر کے پھر سے بے ہوش ہو جاتی اس کا جسم سخت بخار میں تپ رہا تھا

وہ تو امین کی قسمت اچھی تھی کہ اس کے چچا جان مرتضی خان اور ان کی بیوی سفینہ خان امین سے اپنی سگی بیٹی کی طرح پیار کرتے تھے ان کی اپنی بھی ایک اولاد بیٹی پلوشہ خان تھی جو کہ دو سال کی تھی لیکن امین خان کے لیے ان کے دلوں میں محبت اللہ تعالی نے ڈالی تھی جو کہ بےلوث تھی۔

\---------------------------

ڈور بیل کی آوز پر تینوں متوجہ ہو گئے آخر اس وقت کون آ سکتا ہے آمنہ تیز تیز چلتے ہوئے مین گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ان کے چوکیدار نے فورا دروازہ کھولا سامنے پوسٹ مین تھا

مسز آمنہ نے پوسٹ مین سے خط لیا دستخط کیے اور واپس اندر آ گئیں

ماما باہر کون آیا تھا عارب نے آمنہ کے آتے ہی سوال کیا

یہ دیکھو بابا کا خط آیا ہے ماما نے بچوں کو دکھاتے ہوئے کہا واہ بابا کا خط آیا ہے پڑھیں تو عارب نے چہکتے ہوئے کہا

آمنہ خاموشی سے خط پڑھنے لگیں امنہ بہت خوش ہوئیں اور ان کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی پر یہ نمی خوشی کی تھی ماما بتائیں بھی بابا نے کیا لکھا ہے تمہارے بابا اس سنڈے کو آ رہے ہیں آمنہ نے کہا

دونوں بچے ایک دم پر جوش ہو گئے ان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں کس طرح اپنی خوشی کا اظہار کریں آخر ان کے جان سے پیارے بابا جان جن کو صرف تصویروں میں دیکھا تھا ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی بار دیکھیں گے

دونوں بھاگ کے اپنے کمرے کی طرف گئے اور اپنی چھوٹی بہن زینیا جو کہ دو سال سے ذرا اوپر تھی اس کو فورا اٹھا دیا پھر اسکی ریں ریں شروع ہو گئی

یار عارب اس لڑکی کو سونے کے علاوہ کوئی کام نہیں جب دیکھو موٹی سوئی رہتی ہے ارون نے زینیا کو جگانے کے بعد کہا

اس کو تو لگتا بابا کے آنے کی بھی خوشی نہیں ہے دیکھو بھی میں بتایا ہے کے بابا آ رہے ہیں لیکن اسکی اپنی ریں ریں بند

نہیں ہوتی

عارب نے منہ بنا کر کہا آمنہ اندر داخل ہوئی اور دونوں شیطانوں کو دیکھ کر کہا آ لینے دو ذرا اپنے بابا کو پھر بتاں گی کہ ان کے یہ لاڈلے صاحبزادے کیسے مجھے اور ذینی کو تنگ کرتے ہیں ذینی مسلسل روئے جا رہی تھی آمنہ اس کو اٹھا کر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی

فاطمہ دوڑ کر اپنے کوارٹر کی طرف آئی فاطمہ اور حسن کا خاندان حویلی کے ایک کواٹر میں مقیم تھا

شجاع شجاع ! میرے بچے میری بات تو سن آ کے

شجاع ماں کی آواز سن کر کمرے سے باہر آیا اور پہلے ماں کو پانی کا ایک گلاس دیا

اماں ! کیا ہوا اتنے پریشان کیوں ہے

کج نہیں میرے لال آج اسنان صاحب نوں چوٹ لگ گئی بی بی جی کی رہی سی تو اس کو دھکا دیا ہے پتر میں تجھے اور امل نوں کتنی وارا کھیاں ہے کہ او وڈے لوگ نے اوندے نال ساڈا کی جوڑ تو نا کھیلا کر پتر کر تو سمجھ ریا نہ کہ میں کی کہ رہی آں شجاع ان کی بات سن کر افسردہ ہو گیا اسنان اسکا واحد دوست تھا جس کے ساتھ وہ کھیلتا بھی تھا اور پڑھتا بھی تھا شجاع ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور اپنے دوست کو یاد کرنے لگا

امین سے دونوں کی محبت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی چچی تو ہر وقت امین کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی تھیں کہیں بن ماں باپ کے بچی کو کوئی بات بری نہ لگ جائے چچا جان بھی آمین کی ہر بات کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے پالوشہ بھی آمین کو بہت پیار کرتی تھی دونوں بالکل سگی بہنیں لگنے لگیں تھیں

آج میجر حماد کے گھر میں ایسا لگ رہا تھا جیسے عید کا سماں ہو تینوں بچے نہایت خوش تھے) ہاں آج ارون کے مطابق موٹی بھی بہت خوش ہوئی تھی (حالانکہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے

اور مسز آمنہ کے تو آج رنگ ہی نرالے تھے) امنہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں ان کی شادی چھوٹی عمر میں میجر حماد سے ہو گی آمنہ نے ان کے ساتھ بہت خوش حال زندگی گزاری حالانکہ کے ان کی شادی کو چھ سال ہو چکے تھے لیکن میجر حماد کے ساتھ ان کی زندگی بہت مختصر تھی ان کی چھٹی کبھی مہینے کی ہوتی تو کبھی 10 دن کی لیکن ان کی زندگی بہت پرسکون تھی دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے امنہ اپنے ہی خیالوں میں کھوئی تھی کے اچانک عارب کے پکارنے سے حال میں لوٹیں

ماماماما دیکھیں عارب کی آواز پر آمنہ نے یکدم سامنے دیکھا اور جیسے نظر پلٹنا بھول گئی ان کے مجازی خدا ان کے سامنے کھڑے تھے

بابابابا عارب اور ارون خوشی سے باپ سے لپٹ گئے

حماد نے دونوں بچوں کے ماتھے پر بوسہ دیا

السلام علیکم ! آمنہ نے کہا

وعلیکم سلام ! حماد صاحب نے جواب دیا چھوٹی موٹی باتوں کے بعد پرسکون ماحول میں کھانا کھایا گیا

اور عارب اور ارون تو جیسے باپ کے دیوانے ہو گئے تھے ان کے پاس سے ہلنے پر راضی نہ تھے موٹی مطلب زینیا باپ کی گود سے اتر نہیں رہی تھی

حماد دونوں بچوں کو اپنی قصے سنا رہے تھے انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ ان کے بیٹے بھی بڑے ہو کر انہیں کی طرح پاک آرمی میں جائیں گے جو خوشبختی ان کو نصیب ہوئی تھی وہ اپنے بیٹوں کے لئے بھی وہی خوشبختی چاہتے تھے ہاں پاک آرمی میں شامل ہونا بہت فخر کی بات ہے وہ آرمی جو دنیا کی سب سے بہترین مانی جاتی ہے اگر کوئی اس کا حصہ ہے چاہے وہ ایک چھوٹا سپاہی کیوں نہیں اس کے لئے عقیدت اور فخر کی بات ہے کہ وہ دنیا کی سب سے بہترین فوج کا ایک حصہ ہے

آمنہ بیگم جاتے ہوئے ذرہ ٹی وی اون کر دیں حماد صاحب نے کہا

میجر حماد کو آئے ہوئے 20 دن ہو گئے تھے اور اب وہ اپنی ڈیوٹی کے نہ ہونے کی وجہ سے بور ہو رہے تھے انہوں نے اپنی زوجہ محترمہ سے کہا آمنہ نے ٹی وی آن کیا اور کچن میں چلی گئی

ہے دل کے لئے آسان بہت

آسان بہت یہ دوری ہے

ہے ایک ادارہ دل کی جگہ

منزل پر پہنچنا ضروری ہے

جب نام پکارے جائیں گے

سب اہل وفا کے تب یارو

میں بھی تو پکارا جاں گا

ٹی وی پر یہ نغمہ سنتے ہوئے مجھے میجر صاحب ساتھ ساتھ گنگنا رہے تھے ان کی آواز میں ایک بے لوث جذبہ تھا جو

ان کے چہرے پر ایک الگ چمک پیدا کرتا تھا

بابا جان بابا جان !عارب اور ارون دونوں ایک ساتھ کمرے میں آئے اور باپ کے ساتھ بیٹھ گئے

او یار سنبھل کے ابھی گر جاتے حماد نے کہا

باباجانی !یہ آپ کیا کر سن رہے ہیں ہمیں بھی اس کا مطلب بتائیں

حماد نے دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لگایا اور ماتھے پر پیار کیا

یہ ایک نغمہ ہے جو فوج کے جوانوں کے لیے لکھا گیا حماد نے کہا

جب تم دونوں فوج میں جاگے تب تمہیں اس کا اصل مطلب سمجھ آئے گا ابھی تو میں بس تھوڑا سا بتا سکتا ہوں دونوں بہت دھیان سے سن رہے تھے

بابا جان پر ہم فوج میں کیوں جائیں گے ارون نے کہا

کیونکہ میرے بچے بہادر ہیں اور بہادر لوگ ہمیشہ فوج میں جاتے ہیں اور اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہیں یہی انکا فرض ہے اور ہاں میں تمہیں بتا رہا تھا اس نغمے کا مطلب ۔۔ یہ نغمہ ان جانباز لوگوں کے لئے ہے جو اپنے گھر اور گھر والوں سے دور رہ کر اس ملک کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی فوج کی عزت کرتے ہیں

تم دونوں کو پتا ہے جو فوجی شہید ہو جاتا ہے اس کو اللہ تعالی کی طرف سے کتنا اجر ملتا ہے۔ پتہ ہے اللہ تعالی خوش ہو جاتے ہیں اور اسے ہر نعمت سے نوازتے ہیں

چلو میں تم دونوں کو اپنی دو خواہشات بتاتا ہوں پہلی یہ کہ میں تم دونوں کو کمانڈو دیکھنا چاہتا ہوں ssg commando میرون بیرٹ کوئی عام کماونڈو نہیں جب تم دونوں یونیفارم پہن کر سینہ چوڑا کر کے چلو گے تو میرا سر فخر سے بلند ہو جائے گا اور دوسری خواہش میری یہ ہے کہ میں شہید ہونا چاہتا ہوں

بابا جان یہ شہید کون ہوتا ہے عارب نے پوچھا

ہمم شہید۔۔۔۔۔۔۔۔شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالی کے لئے جنگ کرتا ہے یا اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جنگ کرتے ہوئے مارا جاتا ہے اس کو شہید کہتے ہیں

ان کے چہرے پر اس وقت ایک انوکھی چمک تھی جو بچوں کو بہت بھلی لگی دونوں نے اپنے باپ کے لئے اللہ تعالی سے دعا کی کہ انکے بابا شہید ہو جائیں دونوں معصوم بچے ابھی پوری طرح سے نہیں جانتے تھے کے شہید کیا ہوتا ہے باقی کے دس دن ہنسی خوشی گزرے میجر صاحب واپس اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے کسی کو کیا پتا تھا آگے کیا ہونے والا ہے کہتے ہیں نہ دن میں ایک وقت قبولیت کا آتا ہے شاید وہ قبولیت کی گھڑی تھی جس میں میجر حماد نے اپنی خواہش ظاہر کی اور ان کے بچوں نے اس پر لبیک کہا

شجاع ایک کونے میں بیٹھا اپنا کام کررہا تھا اس نے اس دن کے بعد حویلی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا

کہ اچانک اسنان سر پر آ کھڑا ہوا شجاع کافی دن سے ہم حویلی کے باہر نے گے اسنان نے کہا

ہاں یار اب سکول میں اتنا تھک جاتا ہوں کے گھر سے باہر نکلنے کو دل نہیں کرتا شجاع نے ٹالنا چاہا

ایسی بھی کیا تمہاری پڑھائی ہوگی کے اب تم اپنے دوست سے نہیں ملو گے اسنان برہم نظر آیا

بس یار ایسے ہی شجاع کو کوئی بہانہ نہیں مل رہا تھا

اچھا چھوڑو کل سنڈے ہے نا تو ہم لوگ کرکٹ کھیلیں گے اسنان نے کہا

اچھا ٹھیک ہے شجاع کو ماننا پڑا

امل جلدی کرو اسنان انتظار کررہا ہوگا

ہاں بھائی آ رہی ہوں

دونوں تیار ہوکر گھر سے باہر نکلے

اسنان پہلے ہی ٹی وی لانج میں سینیکس کھاتے ہوئے ان کا انتظار کررہا تھا

اگیتم لوگ کب سیمیں بیٹھا انتظار کررہا ہوں چلو اب جلدی جلدی باہر چلو اسنان نے جلدی جلدی کہا

آج کا سارا دن شجاع اور اسنان نے کرکٹ کھیلی امل تو بس بال پکڑانے کے لیے بلائی تھی

یار آج میں تم لوگوں کی طرف لنچ کروں گا اسنان نے کہا

پر تمہاری بی جان تم سے ناراض ہوجائیں گی شجاع نے ہچکچاتے ہوئے کہا

تم سیدھی طرح کہو کہ تم لنچ نہیں کروانا چاہتے بی جان کو بیچ میں مت لاو

اچھا یار چلو چلو دونوں ہنستے ہوئے کوارٹر میں اینٹر ہوئے

یہ دوستی حویلی والوں کو ایک آنکھ نہ بھائی اسنان کے والد نے فیصلہ کیا کہ اسکو لاہور سکول میں داخل کروادیا جائے

ماما جان کل بابا آئینگے نا کیونکہ بابا نے وعدہ کیا تھا اس بار وہ ہماری برتھ ڈے میں ہمارے ساتھ ہوں گے آپ بابا

کو ایک بار یاد کروادیجئے گا عارب نے کہا

)عارب نے حماد صاحب کو کہا تھا کہ سب کے بابا ان کی برتھ ڈے پر ان کے ساتھ ہوتے ہیں تو حماد صاحب نے

وعدہ کیا تھا کہ اس بار وہ بھی ساتھ ہوں گے(

ہاہاہاہا۔۔میرے بچے کو کتنی جلدی ہے ابھی کافی دن ہیں میری جان میں آج ہی آپ کے بابا کو فون کر کے یاد

کرواتی ہوں

عارب تم یہاں اکیلے بیٹھے کیا کرے چلو اندر قاری صاحب آئے ہیں ارون نے آ کر کہا

دونوں اندر کی طرف بڑھ گئے قرآن پاک پڑھنے کے بعد عارب نے ارون کے کان کے پاس جا کر کہا چلو

بابا جان کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ شہید ہو جائیں عارب روز یہ دعا کرتا تھا

دیکھنا پھر بابا کتنے خوش ہوں گے دونوں نے مل کر دعا کی اور قاری صاحب کا تو پوچھیں مت

وہ تو قرآن پاک پڑھاتے پڑھاتے سو گئے

عارب اور ارون دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسے

ایڈیا عارب نے کہا

کیا ارون نے جوابا پوچھا

روکو ذرا ایک منٹ عارب بھاگ کر گیا

اور ایک نقلی چھپکلی لا کر قاری صاحب پر پھینک دی دونوں زور زور سے چیخنے لگے

قاری صاحب ہڑ بڑا کر اٹھے گئے

کل دونوں کی سالگرہ تھی دونوں آج نہایت خوش تھے کیونکہ کل دونوں کے بابا جان نے آنا تھا

آمنہ نے دوپہر میں تینوں بچوں کو سلا دیا نہ جانے آج وہ کیوں بے چین تھی بار بار دھیان بھٹک کر میجر حماد کی طرف جا رہا تھا کافی دن سے ان سے بات بھی نہیں ہو پائی تھی کہ اچانک گیٹ پر شور محسوس ہوا۔ وہ باہر آئیں آمنہ جہاں تھی وہیں رہ گئی نہ ہونی کا احساس سامنے تھا اور بے چینی کی وجہ خود چل کر سامنے کھڑی تھی

میں جھکا نہیں، میں بکا

نہیں، کہیں چھپ چھپا کے کھڑا نہیں

جو ڈٹے ہوئے ہیں محاذ پر، مجھے ان صفوں میں تلاش کر

وقت ایسے بھی کروٹ لے گا کسی کو کہا پتا تھا میجر حماد احمد کا جسد خاکی باہر پڑا تھا اور اندر کمرے میں آمنہ بے ہوش تھی

عارب ارون اور زینیا کو بالکل بھی پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے ارون نے کافی بار بابا کو اٹھایا پر وہ کیسے کچھ بولتے۔ عارب تو بالکل چپ ہو گیا تھا

آمنہ دیکھے ذرا میں آپ کے لیے کیا لایا ہوں حماد نے کہا

یہ تو چوڑیاں ہے آپ کو پتہ بھی ہے کہ مجھے چوڑیاں بالکل بھی نہیں پسند پھر بھی آپ لے آئے آمنہ نے تھوڑی سی

ناراضگی سے کہا

ارے بیگم آپ کو نے پسند لیکن ہمیں تو پسند ہیں حماد نے کہا

آمنہ نے ہنس کے چوڑیاں لیں اور پہن لیں اب دیکھیں کیسے لگ رہی ہیں

ایک جھٹکے سے آمنہ کو ہوش آ گیا

یاد ماضی عذاب ہے یارب

چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

آمنہ کو ہوش آیا تو باہر کو بھاگیں نا سر پر دوپٹہ نہ پاں میں جوتا اور حماد صاحب کے سرہانے آ کر بیٹھ گئی

آمنہ کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ بہا ایسے جیسے بنجر زمین پر بارش کا نام ونشان نہیں ہوتا گھر میں صرف عارب اور آمنہ دو ایسے لوگ تھے جن کی آنکھیں بالکل سوکھی تھیں

بچوں کو پھپھو نے بتایا کہ ان کے بابا جان اب اس دنیا میں نہیں رہے وہ شہید ہو گئے ہیں

بابا جان شہید ہو گئے ہیں عارب نے بڑبڑا کر کہا

کیا کہہ رہے ہو عارب پھوپھو نے پوچھا

یہ وہ آخری لفظ پھر چند ماہ میں عارب کے منہ سے نکلنے والے تھے

اس کے بابا کیشہید ہونے کے لئے عارب نے دن رات دعائیں مانگی تھیں

آج اس گھر کی ساری خوشیاں پیچھے کہیں چھوٹ گئیں کب جنازہ ہوا کب دفن کیا گیا آمنہ اور عرب دونوں کو کچھ خبر نہ ہوی دونوں آج اپنی اپنی جگہ پر بت بن گئے آج باپ اور شوہر کی محبت کی داستان ختم ہوئی سب لوگ اپنے گھر چلے گئے لیکن اس گھر کے مکین وہیں رہ گئے جہاں میجر حماد احمد چھوڑ کر گئے تھے

وقت تیزی سے گزر رہا تھا امین جواب چھ سال کی تھی دوسری کلاس کے طالب علم ہو گی

ٹھک ٹھک !بابا جان کیا میں اندر آں امین نے مرتضی خان سے پوچھا

)اب وہ مرتضی خان اور سفینہ خان کو ماما اور بابا کہتی تھی(

ماشااللہ !آج مارا بچہ خود ہمارے کمرے میں آیا آجاو پری آج اچانک بابا جان کے کمرے کی طرف کیسے آ گئی مرتضی خان نے شکوہ کیا

)مرتضی خان یہاں کم ہی رہتے تھے وہ زیادہ تر کام کے سلسلے میں کبھی کہاں ہوتے اور کبھی کہاں آج بھی وہ گجرات سے پشاور آئے تھے(ار بابا جان ایسی بات نہیں ہے

آپ کو کیا پتہ اب کتنا پڑھنا پڑتا ہے چھوٹی سی تو میری جان اس پر اتنا ظلم ہیں پوچھیں ہی مت زمانے کی بے چارگی چہرے پر سجا کر کہا

اچھا جی !امین میڈم چھوٹی سی ہے وہ بھی فرف پڑھای کے وقت بنتی ہو ورنہ پوری دادی اماں سے کم نہیں ہو شرارتی مسکراہٹ سے جواب آیا

ارے بابا جان وہ) وہ کو زرہ لمبا کر کے بولا (

ایکو چلی وہ ماما جان نہ ہوں گھر پر تو یہ گھر کم اور چڑیا گھر لگتا ہے

اچھا اچھا !دادی ماں بتائے کیا کام ہے اپنے آنے کا مقصد بیان کریں گی مرتضی نے ہنس کر کہا

بابا جان ایکچو لی میں بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں

تو بیٹا اس نے ہچکچانے کی کیا بات ہے اوہ ہمیں سمجھ گیا تم تو ننھی سی جان ہو اور اتنا بوجھ کیسے برداشت ہو گا اب کیا کیا جائے امین نے گھور کر رک مرتضی کو دیکھا

اب اتنی بھی چھوٹی جان نہیں ہے میری

ابھی تو تم نہیں کہا

وہ تو میں مذاق کر رہی تھی

پھر دونوں ایک دم کھلکھلا کر ہنس دے

واہ آج تو بڑا مسکرایا جا رہا ہے بونوں باپ بیٹی کسی بات پر ہنس دیے

آئے سفینہ بیگم آپ کی لاڈلی نے نئے خواہش ظاہر کی ہے یہ میڈم اب ڈاکٹر بننا چاہتی ہیں

سنیے !سفینہ نے ڈرتے ہوئے کہا

جی بیگم سنائیے

آپ جانتے تو ہیں کہ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کی پڑھائی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا یہاں تو میٹرک تک تعلیم نہیں حاصل کرنے دیتے اور آپ ڈاکٹر بنانے چلے ہیں

سفینہ کی بات پر آمین کی ساری خوشی ہوا ہو گئی

سفینہ بیگم آپ جانتی ہیں میں ان روایات کو نہیں مانتا میری دونوں بیٹیاں جتنا پڑھنا چاہے پڑھیں اور کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے

پر بابا جان !امین نے کچھ کہنا چاہا پھر مرتضی نے ٹوک دیا

بابا کی جان !ابھی تم بہت چھوٹی ہو جب وقت آئے گا دیکھ لیں گے ابھی تم اپنے کمرے میں جاؤ اور خوب دل لگا کر

پڑھو

امین کمرے کی طرف چل دی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ماما جان آپ رو رہی ہیں عارب نے آ کر کہا

نہیں تو میں کیوں رونگی جب میرے پاس اتنے بہادر بیٹے ہیں

پر آپ کی آنکھوں میں آنسو ہے ماما جان آپ جھوٹ بول رہی ہیں مجھ سے

ارے نہیں میں کیوں جھوٹ بولوں گی آمنہ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا

)اب ہر وقت آمنہ کی آنکھوں میں نمی رہتی تھی(

ماما جان یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا عارب نے سر کو جھکا کے کہا

تمہاری وجہ سے کیسے آمنہ نے چونک کر پوچھا

کیوں کے میں ہی روز دعا کرتا تھا کہ بابا شہید ہو جائیں عارب نے نم آنکھوں سے کہا

ارے نہیں میرے بچے ان کی تقدیر میں یہ سب تھا تم ایسا مت سوچو پر یہ بات عارب کیذ ہین میں چھپ چکی تھی

عارب سر کو جھکا کے کمرے سے باہر آ گیا

ساری عمر اسے نہ دیکھوں ں

یہ کیسی مجبوری ہے

سب تیرا حکم بجا ہے

تیرا حکم ضروری ہے

کبھی آ کیدیکھ تیرے بعد والی اکھیاں

تیرتی ہیں آنسوں میں تیری یاد والی اکھیاں

خدا کو منظور جو ہوا

تو نظر سے دور جو ہوا

وچھوڑا تیرہ جان لے گیا

سارے ارمان لے گیا

مجھے چھوڑ گئے آپ مجھے یہاں اکیلا تنہا میری گود میں آپ کی نشانیاں ہیں بتائے میں ان کو کیسے سنمبھالوں میرے بچے وہموں کا شکار ہو رہے ہے میں اکیلی یہ سب نہیں کر سکتی آمنہ نے شدت سے روتے ہوئے فریاد کی

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

لاہور سے اسنان چھٹیوں میں واپس آیا اس کو صرف اپنے دوست سے ملنے کی زیادہ خوشی تھی

شجاع شجاع! اسنان سب سے پہلے سرونٹ کوارٹر کی طرف بھاگا

اسنان تم ! یقینی کے عالم میں شجاع کمرے سے تیر کی طرح باہر آیا دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے

تم تو ایسے بھاگے یہاں سے جیسے تم رات کے چور ہو شجاع نے کہا

ارے نہیں یار میں نے کیا بھاگنا تھا ابا جان نے رات رات تھی مجھے بھیج دیا میں نے کہا کہ کمرے شجاع سے ملنے

دے پر کسی نے میری ایک نہ سنی آج 13 سال بعد تم کو دیکھا ہو تم نہیں جانتے میں آج کتنا خوش ہوں

میں بھی شجاع نے تصدیق کی

کتنے بے مروت ہو گئے ہو دوست کتنی دور سے آیا ہے وہ بھی سب سے پہلے صرف تم سے ملنے نہ بیٹھنے کا کہا نہ پانی

پوچھ رہے ہو کنجوس آدمی اسنان نے واپس اپنی جون میں آتے ہو کہا

ہاں ہاں ایک میں ہی کنجوس ہوں وہ تو کوئی اور تھا جو جوس کا پیکٹ الٹا کر کے بھی پیتا تھا کہ ایک قطرہ بنا بجائے شجاع

نے ہنس کر شرم دلانی چاہیے

ہاہاہا کتنے طعنے دے دو کھانا تو آج کھا کر ہی جاوں گا کنجوس آدمی اسنان نے بھی حساب برابر کیا

او میرے بھای کھانا نہیں کھلا سکتا پانی پی اور نکل

تمہاری بیبے نے مجھے کھا جانا ہے دونوں اس بات پر ہنسنے لگے

تم ابھی بھی بی جان سے ڈرتے ہو اسنان نے پوچھا

تو اب کونسا ایسا کام ہو گیا ہے جو وہ بدل گ ء ہیں

اچھا چائے تو پلا دو اسنان نے کہا

امل دو کپ چائے بنا دو ساتھ کھانے کو بھی کچھ شجاع نے امل کے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہوئے کہا

آتی ہوں بھای

10 منٹ میں ایک لڑکی چائے سرو کرنے آی اسنان تو اسید یکھتا رہ گیا

یہ امل ہے جسکی ہر وقت ناک بہتی رہتی دو پونیوں والی ڈائن

جی خوش قسمتی سے وہی امل ہوں الو) کل بھی زہر تھا آج بھی امل نے دل میں سوچا (

شجاع کا اس بات پر چھت پھاڑ قہقہا تھا

:نمونی نمونی ! پلوشہ زور زور سے چلا امین کو بلا رہی تھی

ایسی کونسی مصیبت آ گی جو تم سانس بھی نہیں لے رہی امین نے کہا

اوہ میں آپ کو مصیبت لگ رہی ہوں منہ بنا کر کہا گیا

ارے یار میں تو ویسے ہی کہہ دیا ھاں اب بتا کیا ہوا آمین پچکارتے ہوئے کہا

دیکھو آپ کا رزلٹ آ گیا ایف ایس سی کا

اف اللہ سچ میں میرے تو ذہن سے نکل گیا بتاو بنا کیا ہے

نمونی اتنے اچھے نمبر سے پاس ہوی ہو مزہ آ گیا چلو آپ فٹا فٹ ٹریٹ دو

اچھا ٹریٹ بعد میں چلو پہلے ماما بابا کو بتاتے ہیں امین نے مسکراتے ہوئے کہا

مما مما دیکھیں نمونی آ ءمین محترمہ امین خان ایف ایس سی میں پاس ہو گئی ہیں

اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے میری بچی پاس ہو گی

ادھر آ امین تم پر ایت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر دم کروں کہیں نظر نہ لگے میری بچی کو

ماشااللہ ! نفس کو بڑا پیار برسایا جارہا ہے مرتضی خان نے اندر آتے ہوئے کہا

بابابابا امین پاس ہو گی پلوشا نے اچھلتے کودتے کہا

ہاں بابا کی جان مجھے پتا ہے آپ کو کیسے پتہ سب سے پہلے تو میں نے دیکھا

ہاہاہا پلوشا خان نہیں ہوں جو ہر چیز سے بے خبر ہوں

ایک میں ہی تو ہوں بے خبر پھوہڑ نکمی باقی سب کو تو یہاں ہیرے جواہرات لگے ہیں پلوشہ منہ پھلا کر چلی گئی

بابا جان ناراض کر دیا میری بہن کو امین نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا

جائیں اب آپ سے میں بھی بات نہیں کروں گی

مرتضی خان ان دونوں کی آپس کی محبت پر صرف مسکرا دیئے

میری جان میرے پیارے بیٹے عارب تم ایسے کیوں ہو گئے ہو جانتا ہوں تم میری وجہ سے ایسے ہو گئے ہوں تم نا ٹھیک سے پڑھتے ہو اور نہ کسی چیز میں تمہارا دل لگتا ہے پر میری جان میں یہاں بہت خوش ہوں میری وجہ سے پریشان مت ہو میرے پاس یہاں ہر چیز ہے لیکن تمہاری طرف سے سکون نہیں اپنی زندگی میں آگے بڑھو تم تینوں ہی تو میری طاقت ہو میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں بھائی میرے نقشے قدم پر چلو

بابابابا !عارب ہڑبڑا کے اوپر بیٹھا

کیا ہوا آج پھر بابا کو دیکھا ہے ارون نے پیار سے پوچھا

ہاں تم جانتے ہو بابا نے کیا کہا

نہیں تو بتاو

عارب نے سارا خواب ارون کو سنایا

ارون اب تم سو جا کل تمہیں کا کول اکیڈمی جانا ہے وہاں اپنا خیال رکھنا

ہاں جانا تو ہے پر میں چاہتا تھا تم بھی ساتھ چلو اور دونوں بھائی مل کر بابا کا خواب پورا کریں پر تم جانا نہیں چاہتے

اچھا اچھا تم سو جا عارب نے چڑ کر کہا

اگلی صبح ارون چلا گیا

زینیا یہ تم کیا رٹیلگا رہی ہوں عارب نے آتے ہی پوچھا

بھائی وہ دو دن بعد 6 ستمبر ہیں نہ تو اسی کے لئے سپیچ تیار کر رہی ہوں

بورنگ کام عارب نے منہ بنا کر کہا

زینیا نے منہ دوسری طرف کیا اور پڑھنے لگی شہید زندہ ہیں انہیں مردہ نہ کہو عارب نے چونک کر دیکھا

یہ۔۔۔۔ابھی تم نے کیا کہا

کیا ہوا بھائی کچھ غلط کہہ دیا

ارے نہیں پھر سے بول ذرا

زینیہ نے پھر سے دھرایا

سنتے ہیں عارب سورہ کھڑا ہو گیا اور کمرے میں آیا کپڑے چینیج کیے اور فورا چلا گیا

یہ عارب کو کیا ہوا امنہ نے زینیا سے استفسار کیا

پتہ نہیں ماما اچانک بھائی کو کیا ہوا

آمنہ اور نین یہ دونوں اپنی سوچ میں گھر گیں

ڈاکٹر احتشام فاروقی کا کیبن کس طرف ہے

ٹھک ٹھک May I come in sir!

ارے تم! آو آو یار کیا ہوا آج کالج کیسے تم تو پاس آوٹ ہو گئے ہو

جس سر ! پر مجھے آپ سے ایک کام تھا

ہاں بچے کو کیا ہوا

تھوڑے وقفے کے بعد عارب اپنی بات کا آغاز کیا اور اپنی ساری کہانی سنائی بابا کا شہید ہونا اور یہ کہ اس کی دعا کی وجہ سے شہید ہوئے ہیں یہ سب بتاتے ہوئے عارب جس تکلیف سے گزرا وہ صرف وہی جانتا تھا

ہمم تو یہ مسلہ ہے؟ جی سر

تم دعا نہ بھی کرتے تو یہ سب ایسے ہی ہونا تھا کیوں کہ اللہ تعالی نے سب کے لیے ایک دن مقرر کیا ہوا ہے اور پھر تمہیں تو فخر ہونا چاہیے کے تمہارے بابا جان ملک کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے

تم جانتے ہو شہید کا مطلب کتنا بلند ہے تم ان کو مردہ نہیں کہہ سکتے اللہ تعالی قرآن پاک میں فرماتے ہیں اس بارے میں کہ

انہوں نے کچھ منٹ کا وقفہ لیا اور اس کے چہرے کی طرف دیکھا وہ بہت بہ ان سے سن رہا تھا

ہم ہم ! گلا صاف کیا اور بولے

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالی نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہے اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو ان سے ابھی تک نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں اس پر کینہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہیں

) سورآل۔عمران آیت(69 1

اللہ تعالی ان کو اپنا مہمان بناتا ہے تم جانتے ہو اس بات کو کیا تم چاہو گے وہ تمہاری وجہ سے پریشان رہے صحیح بخاری اور کی جگہ پے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ:۔

اللہ تعالی شہیدوں سے پوچھتا ہے کہ کو کیا کیا چاہیے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں واپس بھیج دیں تا کہ ہم ایک بار پھر اللہ کی راہ میں شہید ہو کے آئیں لیکن اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ قدرت کا قانون نہیں ہے پھر شہید مانگتے ہیں کہ ان کے عزیز وا قارب کو صبر دے دیا جائے

سر میں آپکی بات سمجھ رہا ہوں لیکن میں بہت پریشان ہوں میں کبھی بھی خوش نہیں ہو پاتا میں رات کو سہی سے سو نہیں سکتا نا میرا پڑھائی میں دل لگتا ہے اور نہ کسی اور چیز میں دلچسپی۔ میں روز خواب میں بابا جان کو دیکھتا ہوں وہ مجھے کہتے ہیں کے میں ان کا بہادر بیٹا ہوں اور مجھے انھی کی طرح بننا ہے لیکن میں ان کی طرح نہیں بن سکتا اگر میں اس راستے پر گیا تو میرے سب رشتے ختم ہو جائیں گے ایک دن میں بھی خاک کے ڈھیر کے نیچے ہوگا میں اپنے بھائی کو بھی روکنا چاہتا تھا لیکن نہیں روک سکا

ہمم ! تو یہ بات ہے تمہاری سوچ غلط ہے لیکن بس تم اندر سے ڈر گئے ہو ورنہ یہ بہت اچھی بات ہے کہ ملک کا دفاع کیا جائے اس کی حفاظت کرنا سے بڑا ابھی کوئی کام ہوسکتا ہے اگر تم سے شہید ہو گئے اور منوں مٹی تلے جا سوئے تو

بھی دنیا تمہیں ایک عظیم سپاہی کے نام سے یاد کرے گی اپنے دل سے ان وسوسوں کو نکال دو اور آگے بڑھو

اور جب بھی پریشان ہوں اور دکھ میں ہوں تو ایت الکرسی پڑھا کرو

نماز تو پڑھتے ہونا

جی سر پڑھتا ہوں لیکن بہت کم

چلو پھر آج سے شروع کرو اور سورہ دحا اور سورہ انشراح کی تلاوت نماز میں کرنا تو تم دیکھو گے کہ اللہ تمہاری مدد کس

طرح سے کرتا ہے اور تمھیں سکون میسر کرتا ہے اللہ کے فیصلوں میں راضی ہو جاو اور اسی پر بھروسہ کرو

Fa inna ma'al usri yusra

بے شک سختی کے ساتھ سکون ہے

اور جو امانت اللہ کی ہے وہ اسے لے کر ہی راضی ہوتا ہے

Inna lillahi wa inna ilayhi raji..oon

بے شک ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

جب پہلے سے ہی سب طے ہے تو وسوسوں کو پالنا چھوڑ دو اور زندگی کو جیو

شکریہ سر۔ اللہ حافظ

میرے حق میں دعا کیجئے گا

اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے

عارب وہاں سے نکل کر سیدھا قبرستان آیا کافی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ گھر آیا آج پہلی بار سکون میں تھا

زینی یار ایک گلاس پانی پلا دو

آ رہی ہوں بھائی

یہ لو پانی

آں ں ں ں ایک چیخ کی آواز آئی

بھائی کیا ہو گی آپ کو ایسے کیوں چیخ رہے ہیں زینی نے پریشان ہو کر کہا

یہ تم خود ذینی مجھے لگا کوئی بھوتنی آ گ ٸ

موٹی ہیں کیا منہ پر لگایا ہے قسم سے ہورر مووِیز میں کام کر لو پہلے ہی اتنی ڈراونی ہو اوپر سے یہ سب عارب نے زینی

کو تنگ کرتے ہوئے کہا

ماما جان دیکھیں نہ بھائی کو وہ روتے ہوئے منہ بسور کر چلی گئی عارب کے قہقے میں دور تک اس کا پیچھا کیا

عارب بیٹا کیا بات ہے آج بہت دن بعد تمہیں اتنا خوش دیکھ رہی ہوں

جی مما آج میں بہت خوش ہوں آج میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ بابا کے خواب کو پورا کروں گا آپ دعا کیجئے گا کے میں کامیاب لوٹوں

انشااللہ بہتر کرے گا

وہ آئے گھر ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ھم ان کو دیکھتے ہی کبھی اپنے گھر کو

اسنان نے سریلی آواز میں شجاع کو دیکھتے ہوئے کہا

زیادہ مراثی نہ بن فورا جواب آیا

ہاہاہاہا اچھا نام ہے ویسے آ بیٹھ میں بھی تیری طرف آ رہا تھا

بیٹھنے نہیں آیا تجھے کچھ بتانے آیا ہوں

کیا بتانا ہے اسنان نے دریافت کیا

میں پاک آرمی کے لیے اپلائی کرر ہا ہوں شجاع نے جواب دیا

سچ مطلب تو بھی اسنان نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا

کیا مطلب تو بھی) بھی پر زور دے کر پوچھا گیا (

O my God i mean میں بھی اس میں اپلای کیا ہے اسنان نے جوش سے کہا

ہاہاہاہا دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اپلائی کر کے سیدھا تیری طرف آیا ہوں

مطلب ہم دونوں دوست آگے بھی ایک ساتھ رہیں گے اسنان نے فوری کہا

ہاں لگتا تو یہی ہے ساری عمر تو میں جھیلنا پڑے گا شجاع نے ایک آنکھ دبا کر کہا

ہاہاہاہا جو بھی کہ

یہ دوستی ہم نہیں توڑیں گے

چھوڑیں گے گھر اگر تیرا ساتھ نہ چھوڑیں گے

عثمان نے گنگنا کر شجاع کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

بس اللہ تعالی کبھی ہماری دوستی کو نظر نہ لگنے دیں شجاع نے دل سے دعا مانگی

پر نظر تو لگ چکی تھی اب ان کی دوستی کو ئی امتحان دینا تھا

آمین امین !مرتضی خان نے گھر میں داخل ہوتے فورا پکارا:

کیا ہو گیا پہلے بیٹھے جائیں سفینہ نے کہا

ارے بھائی بیٹھ میں جائیں گے پہلے اپنی بیٹی کو ایک خوشخبری تو سنا لیں

ارے آرام سے آ وتم بھی ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو ذرا کوئی تحمل مزاجی ہوا بھی گر جاتی

نہیں گرتی مما جان بتائیں بابا جان کیا ہوا آپ ایسے اونچی اونچی آواز کیوں دے رہے تھے امین نے فورا پوچھا

ارلے بابا کو بٹھا پانی پلا پھر کچھ پوچھنا ایک دن کتنے سوالات سفینہ نے ناراضگی سے کہا

امین پورا بھاگ کر کچن میں گئی بابا جان کو پانی پلایا

بابا جان اب بتائیں بھی کیا ہوا امین نے پھر سے پوچھا

پہلے میرا منہ میٹھا کرو آ پھر بتاں گا

نہیں پہلے بتائیں تو

اچھا !تو پھر سنو تمہارا ایڈمشن ہو گیا ہے وہی آرمی میڈیکل کالج میں

سچ بابا جان !ماما جان سنا آپ نے مجھے تو یقین نہیں آ رہا

اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے مما جان بابا جان i love you soooooo much

ہاہاہاہا love you too pari

چلو اب جانے کی تیاری کرو مرتضی خان نے کہا

امین فورا پلوشہ بتانے بھاگی

آرام سے آمین کیا کروں میں ان دونوں کا سفینہ نے مرتضی خان کی طرف منہ کرتے ہوئے کہا

------------------------:تم ڈرامے باز 1 نمبر کے فراڈیے جھوٹے مکار تم مجھے بتا نہیں

سکتے تھے کہ تم نے اپلائی کیا ہے اور تم سلیکٹ بھی ہو گئے ارون کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کے کس کس بات پر غصہ کرے

کیا آندھی طوفان بنے ہوئے ہوں

چھری تلے ساتے لے عارب نے بتیسی دیکھا کر کہا

یہ دانت اندر کرو ورنہ منہ توڑ دوں گا ارون کا غصہ کس قیمت کم نہیں ہو رہا تھا اسنے کتنا کہا تھا کے ساتھ چلتے ہیں لیکن

جناب کے مزاج ہی نہیں ملتے تھے اور اب اچانک سے اتنا بڑا فیصلہ کسی کو بتائے بغیر کر لیا

پھر عارب نے اپنی اور ڈاکٹر احتشام کی سب بات بتای اور سلیکشن کا

جسکو سن کر پھر سے ارون کو غصہ آ گیا

ہاں ہاں اتنے تم ننھے کاکے کہ منہ سے بول بھی نہ سکے کہ کیا کرنے جا رہے ہو

یار ارون اب بس بھی کرو نا تم خوش نہیں ہوئے کیا کہ ہم دونوں بھائی ایک جگہ ہوں گے

تم خوش کہتے ہو مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کے یہ دو چار دن کیسے رہوں گا بس جلدی سے آ جا بلیک میلر

ہاہاہاہاں انشااللہ چلو اللہ حافظ آپ مل کر ہی بات کریں گے

انشااللہ فی امان اللہ

حسن اب تم نے بیٹے کو اسنان کے برابر کھڑا کرو گے فرقان نے تکبر سے کہا

صاحب جی ایسی بات نہیں ہے وہ شجاع کو شوق حسن ابھی بات کر رہا تھا کے فرقان نے بیچ میں ہی ٹوک کر کہا

شوق اس کا شوق یہ ہے کہ ہمارے برابر آ جائے پہلے میرے بیٹے سے دوستی کی اس کے کھلونے کپڑے ہر چیز اس سے لی اب اس کے شوق بھی شجاع نے سجانے شروع کر دیے

میرا بیٹا تم چھوٹے لوگوں کی مکاریوں کو نہیں سمجھتا اور تمہارا بیٹا شجاع اس کے خوابوں کو بھی اپنا بنانا چاہتا ہے فرقان نہایت تزہیک کے ساتھ کیسے تھے

حسن نے سب کچھ چپ کر کے سر جھکا کر سنا

اس کا ارادہ شجاع کو کچھ نہ بتانے کا تھا کیوں کے وہ جانتا تھا کے اسنان اور شجاع ایک دوسرے کے کتنے قریب ہیں لیکن یہ سب باتیں شجاع نے خود سن لیں اس دن کے بعد سے اس نے آسنان سے بات کرنی چھوڑ دی شجاع کو لگا یہ سب اسنان نے اپنے باپ کو کہا تھا کہنے کے لئے

اسنان نے بہت کوشش کی لیکن شجاع نے اس سے بات تک نہ کی آخر دونوں الگ الگ راستوں سے اپنی ایک منزل کی طرف چلے گئے

____

امین بچے وہاں دھیان سے رہنا اپنا بہت خیال رکھنا روز فون کرتی رہنا سکینہ بیگم بہت اداس تھی ان کی آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے امین کو خود سے الگ کیا ہو

بیگم تم اسے جانے دوں گی تو ہی وہ جائے گی مرتضی خان نے کہا

اب میں روک کہ آ رہی ہوں بس اسے کچھ سمجھ آ رہی تھی سفینہ نے آنسو روکتے ہوئے کہا

فی امان اللہ مرتضی اور سفینہ نے کہا سب کی دعاں میں رخصت ہو کے امین اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی

سب کی زندگیاں ایک معتبر ادارے کے زیر سایہ آ گئیں تھیں

عارب ارون شجاع اسنان امین اور بہت سے لوگ اپنی ماں کی حفاظت کے لیے آگے آ گئے تھے ہر ایک کے اپنے

اپنے فرائض تھے

اب دیکھنا یہ تھا کہ کون کیا کیا کردار نبھائے گا کس کس کے حصے میں کونسی قربانی آئے گی کیا پھر سے دشمن اس بہادر خون کا خراج مانگے گا

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

:ایک نئی صبح سب کے انتظار میں تھی جہاں سے ان کی زندگیاں نیا موڑ لے رہے تھیں

کاکول اکیڈمی اور آرمی میڈیکل کالج اب ان کی زندگی کا اہم جزو بن گیا تھا

حمزہ بلاک میں ان چاروں کو رہنے کے لئے اپنی اپنی جگہ مل گئی

بوائز الرٹ: جلدی ی ی ی ی ی ی نیچے چے چے چے چے چے آ آ آ آ آ آ آ

عارب اٹھو ارون نے کہا

یار سونے دو نا

کیا سونے دو جلدی کرو ورنہ سزا ملے گی

تم جاو میں آتا ہوں

او کے !ارون جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ گیا

عارب آرام سے اٹھا اور تیار ہو کر نیچے آیا

کہاں گے سب عارب نے سوچا

Excuse me سب لوگ کہاں گے ہیں اسنان نے عارب سے آ کر پوچھا

میں نے غائب کر دیئے ہیں سب لوگ عارب نے چڑ کر کہا

تم نے پھر تم نے کیوں غائب کیے اسنان نے بے یقینی سے اسے دیکھا

کیوں کہ میرا موڈ نہیں تھا آج اس لیے عارب کا دل اس کی عقل پر ماتم کرنے کو چاہا

اتنی دیر میں ایک کڑک دار آواز آئی اور دونوں اپنی چھوڑ کر اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے

اور پھر وہ کڑک آواز والے سر اور یہ دونوں تھے کیوں کہ دونوں ہی لیٹ لطیف ثابت تھے

اوف میں تو تھک گیا اسنان نے کہا

ہاں یار 100 چکر لگا کے کون نہیں تھکے گا عارب نے جوابا کہا

چلو رپورٹ کر کے میں تمہیں اپنے بھای سے ملواتا ہوں

اوہ تو تمہارا بھائی بھی ہے یہاں
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

ہاں وہ بھی ہے چلیں

ہاں چلو

دونوں وہاں سے آئے

دوسرے دن میں دونوں لیٹ تھے لیکن اس بار سزا زیادہ تھی دونوں نے سو چکر لگانے کے بعد سو پوش آپ بھی لگانی تھی اب دونوں کی عقل ٹھکانے آ گئی) پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول ایک ایسا ادارہ ہے جہاں پر کیڈٹ کو ڈسپلن محنت اورگنائزیشن سب کچھ سکھایا جاتا ہے ان کی ایک ڈسپلنڈ روٹین سیٹ کی جاتی ہے جو ساری زندگی ان کے مشکل حالات میں ان کا ساتھ دیتی ہے صبح پانچ بجے پر سب کو اٹھایا جاتا ہے shave کر کے ڈریس چینج کرنے کے لیے ان کے پاس صرف دس منٹ ہوتے ہیں اور اگر کوئی shave نہ کر کے آئے یا غلط ڈریس پہنائے 2.5 کو دیے جاتے ہیں پھر مارچ ہوتا ہیا ورضروری ٹریننگ دی جاتی ہے اس کے بعد فورٹی منٹ کا ڈرل سیشن ہوتا ہے اس کے بعد پڑھائی کے لیکچر ہوتے ہیں دو سال امام کیڈٹس کو سخت ترین ٹریننگ سے گزارا جاتا ہے تا کہ آنے والے حالات میں لوگ ملک کا دفاع کر سکیں اور کسی صورت میں بھی پیچھے نہ ہٹیں (

اسنان ارون کہاں گیا ہے عارب نے پوچھا

ابھی باہر نکلا ہے تم کہاں گئے تھے اسنان نے سوال کیا

ارے میں ڈیوٹی آرڈر دیکھنے گیا تھا ہم تینوں اور دولڑ کے جن کی ڈیوٹی آرٹری) توپ خانہ (میں ہے

پیار کیا بورنگ کام پر لگا دیا ہے اسنان نے بیزار ہوتے ہوئے کہا

ہاہاہا بورنگ کام نہیں ہے لالے اس جگہ کا ہر کام ہی نرالا ہے

میرے بابا جان کہا کرتے تھے کہ یہ جگہ سکون کا باعث ہے یہاں پر جو کام بھی کروا اپنا پہلا فرض سمجھتے کرو کیونکہ اس پاک دھرتی کے پر بہت احسان ہے اور ہم اس کی خدمت پر مامور ہیں عارب نے شدت جذبات سے کہا

تمہارے بابا بھی آرمی میں ہیں اسنان نے دریافت کیا

ہاں میرے بابا میجر حماد احمد شہید ہیں عارب نے نم آنکھوں سے کہا

آئی ایم سوری مجھے معلوم نہیں تھا

کوئی بات نہیں اب تو بہت سال ہو گئے لیکن زخم ہرا ہے عارب وہاں سے اٹھ کر چلا گیا

آسنان اسے جاتے ہوئے دیکھ کر مسکرا دیا آج پہلی بار اسے ان دونوں بھائیوں کے عظیم نقصان کے بارے میں معلوم ہوا تھا اور آج اسے ان دونوں بھائیوں پر فخر محسوس ہوا

بوسال ان چاروں کی اسی روٹین میں گزری اسنان عارب اور ارون

تینوں اچھے دوست بن گئے لیکن شجاع ان سب سے دور رہتا

لیکن اسنان شجاع کو آج بھی اپنا اچھا دوست سمجھتا تھا لیکن وہ اس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

لوگوں کو BOQ (Bachlor officer quarter) ملے تھے

آج ان کی ڈیوٹی کا پہلا دن تھا

تم دونوں ابھی تک تیار ہوئے کہ نہیں ارون نے اسنان اور عارب سے کہا

اور گئے یار اسنان کی طرف سے جواب آیا

چلو پھر چلیں

تینوں ایک ساتھ چلتے ہوئے بہت گریس فل اور ہینڈسم لگ رہے تھے

تینوں ہی خوبصورت تھے کالی آنکھیں گورے رنگ اٹھی ہوئی ناک 6 فٹ تک قد تینوں میں یہ چیزیں مشترک

تھیں لیکن جو خوبصورتی ان کے چہروں کو اس یونی فوم ہم نے بخشی تھی وہ دیدنی تھی

تینوں ایک ساتھ آرٹری میں اینٹر ہوئے باقی دونوں لڑکے بھی وہاں موجود تھے

السلام علیکم بوائز!

ارون نے اینٹر ہوتے فوراً اسلام کیا

وعلیکم اسلام دونوں نے مڑ کر بیک وقت جواب دیا

اسنان وہیں رک گیا منان شاہ دیکھ کر حیران ہوا

What a surprise

تم اور یہاں اسنان نے پوچھا

جیسے تم یہاں ویسے ہی میں یہاں منان شاہ نے کہا

تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو عارب تجسس سے پوچھا

ہاں ہم دونوں سکول میں ساتھ پڑھتے تھے لیکن منان پڑھنے میں زیادہ اچھا نہ تھا

ہاں تب نہیں تھا لیکن اب تو ٹاپ کیا ہے میں نے منان نے بیچ میں ہی کہا

ہاہاہاہا کہاں سے نیچے سے ٹاپ کیا ہے۔

ہنہ ہمارے جیسا نہیں ہوں منان نے ہنستے ہوئے کہا
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

لوگ یہ تین سے پانچ دوست ہو گئے تھے اب دیکھنا یہ تھا کہ وقت کس کروٹ چلتا ہے اور آنے والے دنوں میں کیا کیا ثابت کرتا ہے

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

:منان ایک ویل سیٹلڈ فیملی سے تعلق رکھتا تھا کراچی کے پوش ایریا میں رہنے والی ایک فیملی عادل شاہ اور آروز شاہ کی اکلوتی اولاد تھا منان کو بچپن ہی سے فوجی بننے کا شوق تھا لیکن اس کے ماں باپ اس کے اس فیصلے کے خلاف تھے
دونوں نے اسے ہر آسائش فراہم کی لیکن کبھی بھی اس کو کوئی فیصلہ خود نہ کرنے دیتے
مما جانی آپکو ہمیشہ سے پتہ تھا کہ میں نے ایک نا ایک دن آرمی ہیں جوائن کرنی ہے تو آج جب میں سلیکٹ ہو گیا ہوں تو آپ اور بابا جان میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں منان نے افسردہ آواز میں کہا
وہ بہت افسردہ اور مایوس لگ رہا تھا اس نے بچپن میں یہ سوچ لیا تھا لیکن اب اس کے بابا نے کہا کہ تم باہر جا پڑھو اور بزنس کو دیکھو
بابا جانی میں ہرگز بزنس جوائن نہیں کروں گا میں اپنا خواب پورا کرنا چاہتا ہوں میں اس ملک کے لیے لڑنا چاہتا ہوں صرف اپنے ملک سے پیار ہے میں ان لوگوں کو دیکھ کر بڑا ہوا ہوں جو اس ملک کی حفاظت کی خاطر خود کو نثار کر دیتے ہیں آپ خود بتائیں بتائیں آپ کے یا مما کے پاس کبھی میرے لیے وقت تھا
میں پانچ سال کا تھا جب میں نے پہلی بار ایک ڈاکومنٹری بکھی پھر میں ہمیشہ ان جانباز لوگوں کو دیکھتا رہا اور اب آپ کہہ رہے ہیں میں ایک سویلین کیطرح زندگی گزاروں ایسا نہیں ہو سکتا میرا جینا مرنا سب اس ملک کیلیے ہوگا
اچھا تو اب تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کے اپنے فیصلے خود کرو گے عادل شاہ جلال میں آ کر بولے آخر رکھا کیا ہے اس میں چند ہزار روپے کی نوکری یہ جائیداد یا بزنس تمہارے چند ہزار روپوں سے کہیں زیادہ ہیں
اور آج تو کوٹ کی وہ ریپوٹیشن نہیں رہی جو کبھی ہوا کرتی تھی
بس بابا جان بس فوج کی ریپوٹیشن اور خراب what a foolish joke ...o my God its really disgusting ... I dont believe it non sence
جو لوگ دن رات ہماری حفاظت کرتے ہیں اپنی جان پر کھیل کے ان کے بارے میں لوگ کیسے برا کہہ سکتے ہیں وہ لوگ دن رات کی پروا نہیں کرتے خود اندھیروں میں رہ کر ہمارے لئے روشنیاں چنتے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں ان کی ریپوٹیشن مجھے تو ان لوگوں کی ریپوٹیشن خراب لگتی ہے جو یہ بات کہہ رہے ہیں
بس کرو یہ کتابی باتیں وہ سب کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں
اوہ منان کیوں فکر کرتے ہو سب ٹھیک ہو جائے گا عارب نے تسلی دیتے ہوئے کہا
اور یہ تمہارے ماں باپ کی تربیت ہے جو تم یہاں ہو ارون نے بھی کہا
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

اب اٹھ اور بتا کہ تو ساتھ چل رہا ہے کہ نہیں اسنان نے بھی حصہ لیتے ہوئے کہا

ہاں ہاں آ تا ہوں شجاع کو ساتھ لے لوں یہ کہہ کر منان شاہ شجاع کے کمرے کی طرف چل دیا

کیا کر رہیہو شجاع

کچھ خاص نہیں بس ایک کتاب پڑھا تھا تم بتا کیا ہوا

کچھ نہیں تمہیں لینے آیا تھا چلو اٹھو ہر وقت کمرے میں رہتے ہو ہم سب کے ساتھ گھلتے ملتے بھی نہیں

اوف تم بات کتنی گول مول کرتے ہو منان

چلو چلیں سیدھی سے کہتے تھے اور دونوں باہر کی طرف بڑھ گئے

اوہو آج جناب بالآخر اپنے حجرے سے باہر آ ہی گئے عارب اسے دیکھتے ہی بولا

اب تم لوگوں نے اتنے پیار سے بلایا تھا تو کیسے نہ آ تا

ہاں یار یہ ایک آخری رات ہے ہمارے پاس اس کے بعد تو ہم نے ایس ایس جی جوائن کر لینی ہے اسنان نے کہا

ہاں یہ تو ہے منان نے جواب دیا

ویسے میں تو افر کا سن کر بھاگا چلا آیا

سی افرارون نے پوچھا

سب لوگوں کے سامنے آسنان اور شجاع بہت کم بولتے تھے

یہی آفر کے آج ڈنر عارب کی طرف سے ہے

ہیں ہیں یہ کب ہوا کس نے کہا ہے تم سے عارب نے گڑگڑا کر پوچھا

میں تو غریب آدمی ہوں پھوٹی کوڑی نہیں ہے میرے پاس عارب نے بیچارگی سے کہا

اوف صدا کے غریب انسان آج تم ہی کھلاؤ گے منان نے بھی کہا

اب تم سب مل کے بچے کی جان لو گے عارب کی اس بات پر سب کھل کھلا کر ہنس دیے کیوں کہ عارب ان سب میں سب سے زیادہ کنجوس تھا

میں نے جو کہنا تھا کہ دیا عادل صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا

پر بابا جان ! منان نے کچھ کہنا چاہا

اور کوی بات نہیں ہوگی بس بات ختم

منان اپنے کمرے میں آ کر سامان پیک کرنے لگا

منان بات تو سنو آرزو نے آ کر کہا

مما جانی! میں انکے آ گے کچھ نہیں بولا پر میں جا رہا ہوں اپنے ملک کیلیے میری ماں نے مجھے چنا ہے میری خوش قسمتی ہے یہ۔ میں جانتا ہوں آپ کو بھی بابا جان کی طرح لگتا ہے منان نے افسوس سے انکی طرف دیکھتے ہوے کہا

بیٹا تمہارے بابا جان ٹھیک کہتے ہیں اب فوج وہ فوج نہیں رہی

کیونکہ اب مائیں آپ کی طرح ہو گی ہیں کیا آج وہ لوگ ہماری خاطر اپنے گھر والوں کو نہیں چھوڑ بیٹھے کیا آج انہوں نے ہماری حفاظت کرنی چھوڑی دی ہے لیکن آپ نہیں سمجھیں گے

اپنا اور بابا کا خیال رکھے گا اللہ حافظ

12 o clock

Come on boys time to move on

Get up میجر ارون نے کہا

تمام سولجرز آواز پیدا کے بغیر ان 5 میجرز کے پیچھے چل دیے

یہ لوگ اپنے سینئر سے رابطہ رکھے ہوئے تھے

Report Major Arvin sir

I rise on target one on compound and other on roof over sir

Well down Arvin

Now attack him rescue the engineer

Alpha 1 extra 1zero1

Charge

Yes sir

ایک دم ہر طرف گولیوں کی آواز پھیل گی

میجر شجاع آپ اندر جائیں اور دیکھیں ہم باہر سے کلیئر کرتے ہیں اسنان نے کہا

اچانک ایک طرف سے گولی آئی اور چیرتی ہو چلی گی

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

ایس ایس جی کی ٹریننگ کے بعد سب اپنے اپنے مشن پر آ گئے پانچوں دوست ایک ہی یونٹ جان باز فائف میں تھے
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

ہمیں دنیا سے کیا لینا

شہادت ہیمیشن اپنا

سرحدوں میں دفن ہونگے

وردی ہوگی کفن اپنا

پانچوں کسی بھی مشن کے شروع میں یکجان ہو کر سے رہا کرتے تھے

On the first mission

سینئر میجر رستم زمان ہیر

Well set boys

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میجر رستم نے جان باز فائیو یونٹ کو کہا

ایک نیا مشن ہے بوائز

Are you ready boys

Yes sir پانچوں نے ایک ساتھ مل کر کہا

ایک foreginer engineer کو اغوا کر لیا گیا ہے اور ہمیں اس کو rescue کرنا ہے بن کے وقت یہ کام مشکل ہے کیوں کہ وہ ایک پہاڑی علاقہ ہے جہاں سے دور دور تک سب کچھ کلیر نظر آ تا ہے آپ لوگ رات کے وقت آسانی سے یہ کام کر سکتے ہیں

میں آپ لوگوں کی انڈر 4 teams بنا رہا ہوں

Team A Lead Major

Arvin

Team B lead Major Isnan

Team C lead Major Arib

Team D lead Major Manan and Major shuja

Understand boys

Yes sir

چاروں کی میں اپنی ہدایات پر عمل کریں گی

اللہ آپ کا حامی وناصر ہو آمین

See you boys

کامیاب لوٹے پھر ملیں گے

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

میجر عارب نے اپنی ٹیم کو پہاڑوں کے راستے لے جانے کا فیصلہ کیا

میجر ارون ہم آپ کو back support کریں گے میجر منان شاہ نے کہا

میجر اسنان اور میجر عارب دونوں ایک ساتھ پہاڑوں کے راستے دشمن کے ٹھکانے تک جانے لگے

ابھی دن کا پچھلا حصہ رہتا ہے اسنان نے عارب سے کہا

ہاں ہم لوگ یہاں سے stay کریں گے عارب نے کہا

بوائز ہم یہاں stay کریں گے انڈرسٹینڈ میجر عارب نے پوچھا

Yes sir

سب نے رات 2 بجے attack کرنے کا فیصلہ کیا

سینیر ڈاکٹر روف نے ایک نرس سے کہا ڈاکٹر خان کو بلاو

یار منان یہ کہاں ایڈمٹ کروا دیا ہے سب عجیب ڈاکٹر ہیں یہاں عارب نے منہ بناتے ہوے کہا

اسے اور شجاع کو یہاں لایا گیا تھا شجاع کا وارڈ الگ تھا

عارب کو زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی پر اس ک ڈرامے بھی ضروری تھے

کیا مطلب عجیب؟ اب ڈاکٹر بھی عجیب ہونے لگیمنان نے گھور کر اسے کہا

ہاں نہ اب یہ ڈاکٹر خان پتہ نہیں کیسے ہوں گے

تم کو ہی شوق تھا یہاں آنے کی ورنہ زرہ سی تو ڈریسنگ خود بھی ہوسکتی تھی اب کی با منان نے غصے سے کہا

جی ڈاکٹر روف آپ نے بلایا آمین نے آ کر کہا

جی آمین یہ آپ کا پیشنٹ ہے میجر عارب ان کو ٹانگ میں کچھ لگ گیا ہے آپ دیکھ لیں

اوکے سر

آمین نے موڑ کر عارب کی طرف دیکھا جو اسے گھور گھور کے دیکھ رہا تھا
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

جی سر آپ کیسا فیل کر رہے ہیں آمین نے پوچھا

اب اچھا فیل کر رہا ہوں آپ کے آنے کے بعد

جی کیا مطلب

مطلب یہ کہ آپ ڈاکٹر لگتی نہیں ہیں

آمین سمجھ گی کہ عارب فلرٹ کر رہا ہے

فورا منان بیچ میں بولا سوری سسٹر یہ زرا عجب آدمی ہے آپ برا مت مانیں آمیں نے چیک کیا ڈریسنگ کی اسکے بعد میڈسن دے کے روانہ کیا

اچانک ایک طرف سے گولی آی اور شجاع کا کندھا چیرتی ہوی نکل گی

ہاں ان لوگوں کو ان جوں دے کر ہی ملک کو سینچنا پڑتا ہے

ہے جرم اگر وطن کی مٹی سے محبت

یہ جرم سدا میرے حسابوں میں رہے گا

فورا اسنان اسکے سامنے آ گیا اور اس کندھے سے تھام کر سائڈ پر لے گیا

عارب عارب منان نے زور سے پکارا لیکن وہ درد کی شدت سے نیم بے ہوش ہو رہا تھا اسکی ٹانگ میں کچھ لگ گیا تھا

انجینر کو آزاد کروالیا تھا

Area clear sir Arvin نے کہا جو مشن انچارج تھا

Well down boys

نعرہ تکبیر

اللہ اکبر سب نے ایک ساتھ کہا

پاکستان زندہ باد

پاک فوج زندہ باد

منان جھنڈا لہرادو ارون نے اپنے بھای کو اٹھاتے ہوے کہا

چلو اب یہاں سے شجاع کو دیکھتے چلے عارب نے کہا

آخر مابدولت میجر عارب حماد کو خیال آ ہی گیا کے ان کا دوست بی زخمی ہوا تھا منان نے جل کر کہا

ہاں بس دیکھ لو کہاں شرمندہ ہونے والا تھا

اب ایا مزہ بڑا تیس مار خان بنتا تھا عارب نے اینٹر ہوتے ہوئے کہا

یار اس کو یہاں سے لے جا یہ میرے ہتھوں پٹے گا

کیوں اب کیا کیا اس نے اسنان نے کہا

منان نے آج اور کل والا ڈاکٹر امین کا سارا قصہ سنایا

جا رہا ہوں جا رہا ہوں بس میں یہ بتانے آیا تھا کہ میں نے ہم سب کے لئے چھٹیاں پلین کی ہے ہم سب چھٹیوں پر جا رہی ہیں

اور اس خوش خبری بھی ہے وہ یہ کہ ارون کی شادی ہے اور اسنان امل کو پسند کرتا ہے اس کی بھی شادی کوادے

یہ کہہ کر عارب باہر بھاگ گیا

اسنان کیا یہ سب ٹھیک ہیں جو یہ کہہ کر گیا

اگلے دن دوبارہ عارب سی ایم ایچ آیا

ارے آپ یہاں آمین نے دیکھتے ہی پوچھا

جی وہ ایک بار چیک کروانا تھا عارب کوی اور کوی بہانہ سمجھ میں نہ آیا کل سے جب سے عارب نے امین کو دیکھا تھا وہ اس کو ہی سوچے جا رہا تھا امین اس کو بہت بھلی لگی تھی

جی ائیں بیٹھیں کس سوچ میں گم ہو گے

آج تو اب سر بہتر لگ رہے ہیں

ان کے آجانے سے آجاتی ہے رونق

وہ سمجھتے ہیں بیمار کا حال اچھا ہے

عارب میں شعر پڑھا

نہایت نیلوفر ہیں آپ۔آپ بلکل میجر نہیں لگتے ایک ہی دن میں امین عارب کے مزاج کو سمجھ چکی تھی

امین نے پیچھے کمرے میں داخل ہوتے منان کو دیکھا اور کہا میجر منان ان کا خیال رکھے گا اور اگر کوئی مسئلہ ہو تو پلیز آپ ہی مجھے بتائے گا

ارے ڈاکٹر خان آپ تو ایک دن میں ہی ناراض ہو گئیں میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا

اب کیا پٹوائیگا مجھے بھی ساتھ ہی منان نے سرگوشی میں کہا

اپنی سوچ نے تک رکھیں میجر صاحب

عارب اور منان کمرے سے باہر نکل آئے

لوفر نہ ہو تو یہ آخری لفظ تھے جو عارب نے نکلتے ہوئے سنے

\-----------------------

:آسنان یک دم شرمندہ نظر آنے لگا

قسم سے عارب سے بات کرنا سب سے بڑا گناہ ہے اسنان نے دل میں سوچا

پھر شجاع کو سب بتا دیا کہ آسنان امل کو بچپن سے پسند کرتا ہے۔

\-----------------------

چھٹیوں میں سب نے سب سے پہلے لاہور جانے کا فیصلہ کیا وہ وہاں اسنان اور شجاع کے گھر رکھنا چاہتے تھے اور وہاں سے سب نے ارون کی شادی کے لیے پشاور آ جانا تھا

جی امی آج ہی ہم لوگ آ رہے ہیں شجاع نے گھر فون کر کے اطلاع کی جب وہ لاہور کی حدود میں داخل ہوئے

اچھا تو تم لوگ کہاں تک پہنچ گئے ہو فاطمہ نے وہی روایتی امیوں والا سوال کیا

امی لاہور میں داخل ہو گئے ہیں انشاللہ جلد گھر پہنچ جائیں گے شجاع نے جواب دیا

اچھا تو بیٹا آتے ہوئے امل کو کالج سے لیتے آنا کی کہ کر فورا فاطمہ نے فون بند کر دیا

شجاع 2 منٹ فون کو گھورتا رہا

اور جھنجلا کر بولا کہ گاڑی لاہور کالج کی طرف موڑ دو امل کو پک کو کرنا ہے سب کھلکھلا کے ہنس دیے) باہر کوئی کتنا بھی فوجی ہو ڈاکٹر ہوا انجینئر ہو یا کسی بھی اعلی عہدے پر ہو گھر والوں کے لیے وہ دہی لانے والا سودا لانے والا بہنوں کو پک اینڈ ڈراپ والا ہی ہوتا ہے(

بھائی بھائی امل نے دور سے دیکھ کر چیخنا شروع کر دیا

وہ پانچوں جیپ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے نہایت ہینڈسم اور خوبصورت لگ رہے تھے لڑکیوں کی نظریں بار بار ان کے چہرے کا طواف کر رہی تھی

شجاع امل کی طرف بڑھ گیا

یار منان یہ سب مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں عارب نے کہا

او بیوا قوف یہ تم ہی نہیں بلکہ ہم سب کو ایسے ہی دیکھ رہی ہیں

پر کیوں عارب نے مصومیت طاری کر کے پوچھا

یہ مصومیت تم پر سوٹ نہیں کرتی اسنان نے کہا

آ و وہاں میں تو بھول ہی گیا تھا ہاہاہاہا کہ مجھے پتہ ہے کہ لڑکی کا پہلا کرش فوجی ہی ہوتا ہے سب اس بات پر ہنس دے

لاہور میں پانچ دن گزار کر سب لوگ پشاور روانہ ہو گئے

ارون کی شادی اس کی کزن پھو کی بیٹی ماہاسن سے ہو رہی تھی

جو ایک نہایت سمجھدار سلجھی لڑکی تھی

تم دونوں صبح سے کہاں غائب تھے امنہ نے دونوں بیٹوں سے پوچھا

ماما جان! اب آپ ارون سے پوچھنا چھوڑ دیں اب یہ سوال اس کی بیوی کا ہے عارب نے آنکھ دبا کر کہا

تمہارے تو ذرا میں کان کھینچتی ہوں ہر وقت دوسروں کی بات میں ٹانگ اڑاتے ہو

چھوڑیں اس بات کو آپ کو ایک ضروری بات بتانی ہے ارون نے کہا

وہ ڈائن کہاں ہے نظر نہیں آ رہی عارب نے پھر سے کہا

ڈائن ہو گی آپ کی آنے والی بیوی ہمیشہ میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں زینی نے آتے ہوئے کہا

اللہ نہ کرے لڑکی اچھا اچھا بولو! وہ بہت پیاری ہے

ہیں ہیں بے کلی ماما انہوں نے لڑکی پسند بھی کر لی ہے

اس کی پسند سکیا ہوتا ہے مجھے ارون نے پہلے ہی بتا دیا تھا

اب تو بس ارون کے ساتھ ہیں اس کا نکاح امین سے ہو گا اور مفتی اگلی دفع چھٹیوں میں امنہ نے خوشی سے کہا

جیتے رہو ارون۔ عارب نے ارون کا منہ پیار کر لال کر دیا

پیچھے ہٹو لوفر

اے لوفر نہ کہو یہ صرف آمین کا حق ہے

اس کی بات پر سب کا اجتماعی قہقہا تھا

ارون کی شادی عارب کا نکاح آسنان کی منگنی منان کی منگنی جو کہ زیبنیا سے ہوئی تھی منان نے جب سے زینیہ کو دیکھا تھا وہ تو ڈیرہ ڈال کے بیٹھ گیا تھا کہ منگنی کرواو گے تو ہی جاں گا سب بہت زیادہ خوش تھے لیکن خوشیاں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی ان کو لوٹ کر جانا ہی ہوتا ہے

اور اب وہ وقت آ گیا تھا

ایک مہینے بعد آج حب ڈیوٹی جوائن کر رہے ہیں

جانباز فائیو جی ایچ کیو میں انٹر

وہ یہاں ایک سینئر سے ان کی ملاقات تھی

السلام علیکم

واعلیکم سلام

Come inside boys

میں تم لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا تم لوگوں نے اپنا پچھلا مشن جو کہ بہت مشکل تھا بہت اچھے طریقے سے پورا کیا اور اب ہمیں ایک اور مشن پورا کرنا ہے

All of you ready for new operation.

Yes sir

یہ ان دہشت گردوں کے خلاف ہے جو افغان سرحد آ ے ہیں انہوں نے بہت سے لوگوں کو شہید کیا بہت سے سکول جلائے ہماری مسجدوں کو مسمار کیا اور ابھی تک کر رہے ہیں ہماری جنگ ان کے ساتھ ہے

تم پانچ لوگ اس مشن کے لیے چنے گئے ہو

۔Yes sir! We all know that you chose us for this operation

آپ نے ہمیں اس مشن کے قابل سمجھا میجر شجاع نے کہا

Good spirit boys

But it's not easy operation Preparation for This

Yes sir

اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو

السلام علیکم !ماہاسن

وعلیکم السلام ! کیسے ہیں آپ

میں الحمداللہ ٹھیک ہوں تم کیسی ہو

میں بھی ٹھیک ہوں

ہم ایک مشن پر جا رہے ہیں کل تم میرا انتظار کرو گی نہ

جی بالکل میں آپکا انتظار کرو گے

اگر میں نہ آیا تم میرے حق میں دعا کرنا

ایسا نہ کہیں میرا دل گھبرا رہا ہے

ماہاسن !اب تم یہ جان لو کہ تم ایک میجر کی بیوی ہو اور ہماری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اگر میں سینے پر پرچم لگا کر آ ؤ سمجھنا کہ اللہ

نے مجھے اور مہلت دی اور اگر میں پرچم میں لپٹا آوں تو صبر کرنا

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خدا حافظ

السلام علیکم ! مما کیسی ہیں آپ؟

وعلیکم سلام ! کل سے طبیعت بہت خراب ہے عارب

ماما جان پریشان مت ہو زینی اور بھابھی سے کہیں آپ کے ساتھ رہے

ساتھ ہی ہوتی ہیں بس تم لوگ آ جا زینی کی شادی کے سارے انتظامات آ کر خود کرو

ابھی تو نہیں آ سکتے آپ ساری تیاری مکمل کر لیں

ہم لوگ انشاللہ مہندی کی رات پہنچ جائیں گے

کل اپنی ماں کا قرض اتارنے جانا ہے دعا کیجئے گا

انشااللہ !فتح پاں

:اسلام علیکم !ماما جانی کل میں ایک بہت خطرناک آپریشن پر جارہا ہوں دعا کیجئے گا

آپ لوگوں کی بہت یاد آتی ہے لیکن آپ لوگ مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتے اس لئے آج یہ کہہ کر کے جانا چاہتا ہوں

کیا معلوم یہ میرا آخری پیغام ہو اپنا اور بابا کا بہت خیال رکھیے گا

فقط منان شاہ

14 August 2012

ایک روشن صبح سب کے انتظار میں تھی آج سب کی قسمت میں کچھ نہ کچھ لکھا تھا کسی کو نہیں معلوم تھا کہ آج کی صبح ان کو کیا دے گی

اور کیا چھینے گی

best team of ارون عارب منان اسنان شجاع جانباز فائیو کمانڈوز کی آج زندگیاں بدلنے والی تھی

تم سب تیار ہو

ہاں تیار ہیں اس مشن کو عارب میں لیڈ کر رہا تھا

برلاس سیکٹر میں گھنے جنگلوں کے بیچوں بیچ ایک گھر میں مقیم 17 دہشتگرد جو کے اس ملک کو نقصان پہنچانے آئے تھے

لیکن اب ان کو نہیں معلوم تھا کے بوتان کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے

پانچ کمانڈوز کی شاندار کمپنی جانباز فائیو جس میں ایک ایک کمانڈو اپنی مثال آپ تھا

میجر عارب

Reserve combat team

میجر ارون

Blocking position

میجر اسنان

Asistant team

سب اپنی اپنی پوزیشن سنبھالے الرٹ کھڑے تھے

Mj4 sir My team heaving heavy fire Over fire Support comming over

عارب نے کہا

یہ سب 12 کلومیٹر کا پہاڑی راستہ ابوبکر کے اس مقام پر پہنچے جہاں سے دشمن کی ہار واضح نظر آ رہی تھی

میجر شجاع پلیز میری سپورٹ پر رہیے گا

ٹوپی کے پیچھے سے فائٹ کرتے ہوئے دہشت گردوں کو چھلنی کر دیا تھا

سب لوگ چوٹی کے پیچھے سے حملہ کریں گے عارب نے کہا

کیوں کے آگے کوء support wall نہیں تھی قرا دصرف کھلا دشمن تھا

ارون آگے بڑھو عارب نے کہا

تقریبا تمام دہشت گرد مارے گئے تھے صرف تین دہشتگرد باقی تھے جوان کے سربراہ تھے

ایک بم دھماکے کی آواز آئی اور ساتھ ارون کی دلسوز چیخ

ایک ساتھ 4 بلند چیخیں سنائی دیں

آپ سوچ رہے ہوں گے پانچویں چیز کیوں سنائی نہ دی

کیوں کہ پانچویں چیخ میجر ارون کی ہونی تھی۔لیکن میجر ارون حماد احمد وہاں نہیں تھا وہاں تو صرف اسکی ایک ٹانگ بازو اور سر تھا

دل چیر دینے والا یہ منظر حقیقت میں دیکھنے والوں کی روح تک نکال کے لے گیا تھا

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

:میرا بھائی میرا بھائی !ایک دم عارب کی چیختی ہوی آواز سب کو ہوش کی دنیا میں واپس لائی

سب دہشت گرد تو مارے جا چکے تھے لیکن ساتھ میں ایک قیمتی جان بھی شہید ہو گئی

عارب کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے پر آج اس کی آنکھوں میں آنسو تھے آواز میں درد تھا جو حماد احمد کے وقت جو زبان کچھ نہیں
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

بولی تھی آج بہت کچھ بول رہی تھی

میرا بھائی میرا بھائی اس کے نام کا جھنڈا لہرا دیا ہم نے فتح کر لیا اپنے بھائی کو ہار کے ہم نے دشمن سے آزاد کروا لیا یہ علاقہ

آنکھوں سے آنسو دریا بن کر نکل رہے تھے کون تھا ان چاروں میں سے جو نہیں رویا تھا

اسنان نے عارب کو اٹھایا وہ اسے پتہ چلا کہ منان کا بازو

منان کے بازو پر دو گولیاں لگی تھیں یہ بازو اس کے لئے مشکل پیدا کر رہا تھا منان نے وہ بازو خود سے اکھڑے کر پھینک دیا تھا

یہ بھی میجر منان جیسے لوگ ہوتی ہے جو ملک کے دفاع کے لئے اسے دہشت گردوں سے بچانے کے لئے اپنے جسم کو بھی نوچ

دیتے ہیں چاہیے نتائج پھر کچھ بھی ہو

ہماری خاک سے خوشبو وطن کی آئے گی

ہمارا خون اسی مٹی میں شامل ہے

زینی کی مہندی کی رات تھی

ماہاسن جلدی جلدی زینی کو تیار کرو سب مہمان آتے ہی ہوں گے آمنہ نے جلدی جلدی میں کہا

بھابھی بھائی اب تک نہیں آئے ایک بار کال کر کے بتا تو کریں میں ان کے بغیر دلہن نہیں بنوں گی اور ویسے بھی منان کا بھی کچھ

پتہ نہیں

آج بھی اچانک ایک شور اٹھا تھا آمنہ کا ہاتھ سیدھا دل پہ گیا

ماہاسن اور زینی بھاگ کر مین گیٹ تک آئی

آج ایک دفع پھر صف ماتم بچھ گئی آج پھر ایک ماں کی گود سونی ہوئی تھی ایک سہاگن نے اپنا سہاگ قربان ہوتے دیکھا تھا

آج پھر ایک اولاد یتیم ہوئی تھی

آج ایک بھائی نے اپنا ماں جایا کھویا تھا ایک بہن نے اپنا رکھوالا کھویا تھا دوستوں نے اپنا یار کھویا تھا

ماہاسن تو رو رو کر پاگل ہو رہی تھی اس نے دیکھا ہے کیا تھا ایک مہینہ اور اس کے بعد لمبی جدائی فراق اور کچھ نہیں جواب عمر بھر کے

لئے اس کے مقدر میں لکھ دیا تھا

اور آمنہ بیگم وہ اپنے بچے کا یونیفارم دل سے لگائے بیٹھی اسے چوم رہی تھی نظر کمزور تھی دور سے بیٹا اس یونی فوم میں مسکراتا ہوا

نظر آ رہا تھا ہر غم عکس غم کے آگے چھوٹا لگنے لگا تھا

کیا یہ لوگ جو اس ملک پر جان قربان کر دیتے ہیں کسی بھی اعلی رتبے کے حقدار نہیں

یہ حق دار ہیں دنیا اور آخرت کے بہترین رتبوں تب ہوں گے جہاں اللہ انہیں خود نوازتا ہے

جہاں مائیں اپنی بیٹیوں کی ان عظیم قربانیوں پر صبر کرتی ہے اور اپنے رب سے اجر طلب کرتی ہیں

ان شہیدوں کی روحوں کو فرشتے خود لینے آتے ہیں آج بھی فرشتے اترے ہوں گے

بس جانباز مجاہد کی روح کو عزت سے غسل دے کر لے گئے ہوں گے

4 سال بعد

ابیہا ارون اپنے سکول میں کھڑی ہیں جو سکول اس کے بابا کی یاد میں ان کے دوستوں اور بھائی نے بنایا تھا اس میں سالانہ فنکشن کی کمپیرنگ کرتے ہوئے

اب ہم بلاتے ہیں ماہا سن ارون کو اپنی ماں کو بلایا

میں ماہا سن ارون میجر ارون کی بیوہ جس پر زندگی کی خصوصیت صرف ایک مہینے ہیں مہربان رہی آج بھی اس جذبے سے محبت کرتے ہو جو میرے شوہر کے دل میں تھا اور سوچتی ہوں آخر وہ کون لوگ ہیں جو ان لوگوں سے محبت نہیں کرتے جو ان کی خاطر اپنی جان قربان کرتے ہیں

اس ہال سے میں ارون کے تمام دوست گھر والے سب موجود تھے

اس حادثے کے بعد آج مانان کے گھر والے بھی آج اس کے ساتھ بیٹھے تھے

ہمیں ان لوگوں کی قدر کرنی چاہیے وہ اس محاذ پر لڑتے ہیں وہ لوگ جو آپ لوگوں کے لئے مصیبتوں میں جکڑے رہتے ہیں جانتے ہیں یہ لوگ کتنے احترام کے مستحق ہیں

نہ جانے ارون کے بغیر کتنے مشن اور مکمل ہوں گے اور کتنے نقصان برداشت کیے جائیں گے لیکن اس نقصان کی تلافی کوئی نہ کر سکے گا

یہ جو آج چمن مہکتا ہے چمن کو ان لوگوں نے اپنے خون سے سینچا ہے

سچ کہتا ہے شاعر کہ یہ لوگ جاتے ہوئے بھی رخ گلشن کا چوراتے ہیں جان ہنس کہ لوٹاتے آتے ہیں

جذبے کے لیے رستہ کیا ہے

مشکل کے آگے ہنستا کیا ہے

جذبے کو اک جاں کافی ہے

اس سے زیادہ سستا کیا ہے

جب نام پکارے جائیں گے

سب اہل وفا کے تب یاروں

میں بھی تو پکارا جاؤں گا

تعمیر پاکستان

معصومہ ارشاد سولنگی

"ارے اتنی رات گئے اور ایسی عجلت میں کہاں جا رہے ہو؟" وہ الماری سے اپنے سارے کپڑے نکال کر ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں ٹھونس رہا تھا جب اس کے دوست نے اسے ٹوکا.

"مجھے میرا وطن بلا رہا ہے" ایک پل کو پھرتی سے چلتے اس کے ہاتھ رک سے گئے تھے اور آنکھوں کی نمی میں کئی منظر واضح دکھائی دے رہے تھے۔

"یار ! پھر سے وہی خواب دیکھ لیا ہے کیا؟" دوست نیا س کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا

"وہ خواب نہیں، ایک بلاوا ہے۔ جسے میں کافی عرصے سے خواب سمجھنے کی ہی غلطی کیے بیٹھا رہا۔ "بیگ کا زپ بند کرتے ہی اس نے بیڈ پر بیٹھتے اپنا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں چھپا لیا۔

"ارے یار یہ کیا تو تو لڑکیوں کی طرح کمزور پڑ گیا ہے ". تھوڑے توقف کے بعد اس کے دوست نے پھر کہا.

"اس طرح کمزور نہ بن یار ہمت سے کام لے اور اس کشمکش سے باہر نکل ". دوست کا ہاتھ اپنے کندھے پر پا کر ایک نیا حوصلہ ملا اس کو۔

"اسی لیے تو واپس جا رہا ہوں دوست کہ میں مزید اب اپنے ضمیر کی آواز کو نہیں دبا سکتا۔ میرے وطن کو میری
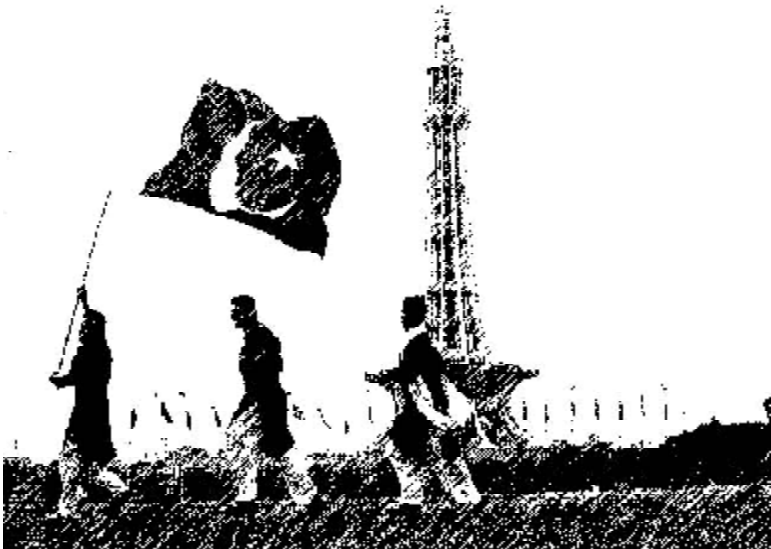
ضرورت پے۔اپنی ضرورتیں پوری کرتے کرتے میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ جس کی بدولت اس قابل بنا ہوں اس کا حق مجھ پر مجھ سے زیادہ ہے۔ "وہ گویا اس دوست سے اجازت طلب کر رہا تھا جس کی بدولت آج اس کا ایک نام تھا اونچا مقام بھی اسی کی مہربانی سے ملا تھا۔اس نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی تھی مگر اپنی محنت و سچی لگن سے اس نے نہ صرف اپنے شہر بلکہ پورے پاکستان سے انجینئر نگ میں ٹاپ کیا تھا۔وہ ایک کامیاب انجینئر تھا مگر پڑھائی پوری کرنے کے کئی ماہ بعد بھی اس کو جاب نہیں مل رہی تھی کیوں کہ اس کے پاس کسی امیر و وزیر کی سفارش نہیں تھی نہ ہی اتنا پیسہ کہ اعلی آفیسرز کی جیبیں گرم کر کے اپنے لیے ان کے دل نرم کر پاتا۔اس لیے اپنی ڈگریوں میں موجود کامیابیوں کو صبر کے صندوق میں رکھ کر اوپر لاپرواہی کا تالا لگا دیا , پھر گھر کے اخراجات پورے کرنے کو ایک ہوٹل میں کام کرنے لگا۔پر کسی دن اس کے کسی دوست کو وہ خزانہ مل گیا۔اس نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس کو اپنے پاس بیرون ملک بلا لیا۔وہاں پر کچھ ہی عرصے میں اس نے اپنی صلاحیتوں سے اپنے بوس کا دل جیت لیا اور جلد از جلد ترقی کی منزلیں طے کرتا اس نے نام کے ساتھ ساتھ پیسہ بھی خوب کمایا مگر کہیں کوئی کمی تھی , شاید وہ سکون اسے میسر نہ آ سکا۔جس کے لیے بندہ اپنا سب کچھ لٹانے کو بھی تیار رہتا ہے۔وقت ہوا کے پروں پر سوار تیزی سے اڑتا گیا۔ایک دن ٹی وی لگا کر کوئی پروگرام دیکھ رہا تھا , موڈ بدلا تو ریموٹ پر چلتی انگلیاں ٹی وی کے چینل بدلتی اس کے موڈ کو بدلتی رہیں۔وہ اکتاہٹ سے ٹی وی ریموٹ کو تقریبا پھینکنے ہی والا تھا کہ اچانک اس کی انگلیاں رک گئیں اور وہ بھی ساکت بیٹھا ٹی وی کو تکنے لگا۔

"تعمیر پاکستان"جی تو ناظرین آج ہم آپ کو بتائیں گے کہ کیسے ہم نے اس پیارے ملک پاکستان کو پایا۔اس کے حاصل کرنے کے لیے کیسے ہمارے آبا اجداد نے اپنی جانیں قربان کی ہیں۔ "جیسے جیسے پروگرام آگے بڑھتا گیا اس کی آنکھیں بن بادل برسات کی طرح برسنے لگیں اور اس کو احساس ہوا کہ کئی راتوں سے پریشان کرتا خواب صرف ایک خواب نہیں تھا اس کے لیے ایک بلاوا تھا اس سرزمین کی طرف سے جس کی محبت کا قرض ابھی اسیا تارنا تھا۔۔۔۔

عفت کی پاسبان

رائحہ مریم

اپنے آنسو پونچھ لو زمل۔ رحما نے زمل کو اپنے بازوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ہچکیوں سے رونا شروع ہو گئی۔

میں کیسے پونچھ لوں ان کو۔ مجھے صبر نہیں آتا............ میں بھی جیتی جاگتی انسان ہوں۔ مجھ میں بھی احساسات ہیں........... مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے رحما......... رحما اللہ نے خودکشی حرام کیوں کی ہے۔

رحما جو کہ اتنی دیر سے اسے آنسو بہاتا دیکھ رہی تھی اس بات پر تڑپ گئی کیونکہ آج سے پہلے زمل نے ایسا نہیں کہا تھا۔

زمل ! خبردار جو آئندہ ایسی بات بھی کہی تو۔ رحما نے اسے جھنجھورتے ہوئے کہا کہ شاید وہ ہوش میں نہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ زمل تو اب ہوش میں آئی تھی۔ اس کو جو لگتا تھا کہ اس کے بابا صرف اس کی ماما پر بے جا روک تھام کرتے ہیں وہ ہاتھ اٹھانے تک پہنچ چکی ہے۔

کیوں نا کہوں میں ایسا؟ ہاں کیوں نا کہوں؟ وہ میری امی کو مارتے ہیں رحما وہ میری امی کو....... اب کی بار وہ اتنا اونچا بولی کہ چند لڑکیاں مڑ مڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگ گئیں۔

رحما امی کو بہت اچھا جھوٹ بولنا آ تا ہے۔ایک مہینہ پہلے میں نے ان کے ماتھے پر چوٹ دیکھی تو پوچھنے پر بولیں کہ الماری لگی ہے .... اور میں رحما ..... میں نے یقین کر لیا۔اب کل رات میری آ نکھ کھلی تو پانی لینے نیچے آ رہی تھی کہ ابو کو سیڑھیوں میں امی پر ہاتھ اٹھاتا دیکھا میں نے۔رحما وہ ہماری زندگی سے چلے کیوں نہیں جاتے.......... زمل نے روتے ہوے اسے گزرے دن کی روداد سنائی۔

رحما چند لمحے چپ رہی لیکن پھر ہمت کر کے بولی۔ زمل وہ تمہارے والد ہیں اور جیسے بھی ہیں..... ان کا احترام تم پر فرض ہے........... زمل نے رحما کی بات کاٹی اور چلائی، اور ان کے کیا فائض ہیں؟ انہوں نے کبھی کیوں نہیں سوچا، وہ کیوں ہمارے احساسات کی قدر نہیں کرتے؟ کیا ان کا فرض ہمیں پیدا کر کے مر گیا ہے؟

اور یہ وہ سوال تھے جن کے جواب رحما کے پاس بھی نہیں تھے. اور آج بھی ہر دفع زمل کے گھر کے حالات پر ہونے والی گفتگو کا نتیجہ خاموشی ہی رہا۔

گھر آ کر زمل اپنی ماما سے کچھ نہ کہہ پائی اور دونوں نے بڑی مہارت سے ایک دوسرے کا پردہ رکھ لیا۔رات میں زمل کو اپنے ماما اور بابا کے ساتھ رفیق صاحب کے کسی دوست کے بیٹے کی شادی میں جانا تھا۔اور ان کی تیاریوں سے لگ رہا تھا کہ ان کی دوستی کافی گہری ہے۔

تحریم بی بی جلدی کرو.......... زمل کہاں رہ گئی...... اچھا اس کو بول دو کہ دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھ لینا......... آج کل کی لڑکیوں میں تو جیسے شرم وحیا ہی ختم ہو گئی ہے .... دوپٹہ لینا تو جیسے بھلا ہی دیا ہے سب نے .... میری پشاوری چپل مت نکالنا .... یہ ہمایوں ابھی تک رکشہ لے کر کیوں نہیں آیا...........

اور زمل کی سننے کی قابلیت جواب دے گئی تو اس نے دروازے کو ٹھوکر لگا کر بند کیا جس سے رفیق صاحب کی آواز خاصی کم ہو گئی۔پھر اس نے شیشے میں اپنا سراپا دیکھا جیسے دیکھ رہی ہو کہ کچھ رہ تو نہیں گیا۔

کالے رنگ کا گھٹنوں تک آتا فراک تھا جس پر سنہری تلے کا کام اس کو نہایت خوبصورت بنا رہا تھا۔بازو بھی چوری دار تھے لیکن زمل نے ان میں کالے اور گولڈن امتیاز کی کچھ چوڑیاں پہن رکھیں تھیں۔اس نے ایک نظر اپنے کمر تک آتے بالوں کو دیکھا پھر ہنس کر خود کو سراہا اور بالوں کا جوڑا بنا کر کیچر لگا دیا۔کیونکہ کھلے بالوں کی اجازت کبھی نہ ملی تھی نہ ملنی تھی۔پھر اس نے سلیقے سے اپنے دوپٹے کا حجاب بنایا اور بڑی سی چادر لیکر باہر آ گئی جہاں ہمایوں رکشہ لے آیا تھا۔زمل نے چادر سے ہی نقاب کیا اور تحریم کے ساتھ باہر آ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

شادی کے فنکشن کا اہتمام گھر میں ہی کیا گیا تھا۔زمل کی تو حیرت سے آنکھیں پھیل گئیں کیونکہ ابھی تک رفیق صاحب نے ان کو کسی قریب کی شادی میں بھی تیل مہندی پر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔اور ان کے دوست کے

گھر جگمگاتی روشنیوں اور بلند آواز گانوں کی وجہ سے اس کو پتا چلا کہ وہ اجازت کیوں نہیں دیتے تھے۔ زمل کو کئی ایک بار اس کی کلاس فیلوز نے اپنے گھروں میں ہونے والے تیل کے فنکشنز کی روداد سنائی تو اس کا بھی دل چاہا کہ وہ بھی دیکھے۔ کالج میں کئی مرتبہ لڑکیاں اپنے موبائل میں گانے لگاتیں تو زمل بھی ان کے ساتھ مل کرنا چتی۔ اور رحما کے بقول زمل سب سے اچھا ڈانس کرنا جانتی تھی۔ لیکن آج یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسے ہضم کرنے میں دقت ہو رہی تھی۔

وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے مناظر کو جزب کر رہی تھی جب اسے لگا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ لیکن وہ تلاش نہیں کر پائی کہ کون۔ اتنے میں ٹھوکر کھا کر وہ تھوڑا آگے جھکی کہ تحریم نے اسے تھام لیا۔

تھینک یو ماما۔

دیکھ کے کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟

نہیں ماما۔ پھر وہ سب لان سے گزرتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے میں آ گئے۔ وہاں تو جیسے الگ ہی جہاں تھا۔

زمل نے اب بھی چادر سے نقاب کر رکھا تھا۔ کیونکہ وہاں مرد اور عورتیں سب اکٹھے ہی تھے۔ اندرونی دیواروں اور سیڑھیوں کو اچھے سے پھولوں سے سجایا ہوا تھا۔ ایک طرف کچھ لڑکیاں ڈھولک لے کر بیٹھی ہوئیں تھیں اور ان میں سے کچھ مہندی لگا رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی ان کے کزنز جو کہ چھوٹی عمر سے لے کر شادی شدہ تک بھی لگ رہے تھے موجود تھے جو کہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ زمل تو ان کی بے باکیوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

اتنے میں ان کے پاس ایک عورت آئیں جو کے بہت ہی خوبصورت سے لہنگے میں تھیں۔ لیکن ان کے سر پر دوپٹہ نہیں تھا۔ اور غور کرنے پر زمل کو معلوم ہوا کہ وہاں پر کسی بھی لڑکی یا عورت کے سر پر دوپٹہ نہیں ہے سوائے اس کے خود کے اور تحریم کے۔ وہ عورت آ کر تحریم کے گلے ملیں تو ان کے ساتھ ایک انکل بھی آ گئے جن کو رفیق صاحب بہت گرم جوشی سے ملے۔) تو یہ ہیں وہ جن کے بیٹے کی شادی ہے (۔ زمل نے سوچا۔

آپ کو بیٹے کی شادی کی بہت بہت مبارک ہو شگفتہ بہن۔ تحریم نے کہا اور ان کی جانب وہ شاپنگ بیگ بڑھا دیا جس میں ان کیلیے تحائف تھے اس بیگ کو بہت ہی لمبی بحث کے بعد قبول کیا گیا جس میں زیادہ تر حصہ یہ ہی تھا کہ اس کی کیا ضرورت تھی۔ تکلف کیا آپ نے تحریم۔

اب وہ لوگ آپس میں رسمی باتیں کرنا شروع ہو گئے۔ ایک چیز جس نے زمل کو مزید حیران کیا تھا وہ یہ تھی کی تحریم نے اپنا نقاب اتار دیا تھا اور رفیق صاحب بہت آرام سے وہاں کھڑے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

زمل کو یاد تھا کہ جب ایک مرتبہ اس کی ماما نے اپنے بھانجے کی شادی پر نقاب کے بغیر گاڑی میں سفر کیا تھا تو رفیق صاحب ان کو میکے چھوڑ کر چلے آئے تھے کہ ایسی آوارہ شریک حیات ان کو نہیں چاہیئے۔ پھر گھر کے بڑوں نے دخل

دے کر معاملہ کس طرح رفع دفع کروایا وہ الگ کہانی ہے لیکن یہاں تو جیسے ان کے چہرے پر ذرا بھی بیزاری نہیں تھی
۔تحریم نے زمل کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس کا وہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا جس میں اس نے چادر کا کونہ تھاما ہوا تھا
) یہ ایک اشارہ تھا کہ نقاب اتار دو (پھر وہ شگفتہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور بولیں یہ میری بیٹی ہے زمل ۔
زمل بھی بڑھ کر ملیں تو انہوں نے اسے اپنے گلے لگا لیا۔ان خاتون کے کپڑوں سے اٹھنے والی تیز خوشبو اف خدایا۔ بدقت
مسکراہٹ قائم رکھی ۔

بہت خوبصورت نام ہے آپ کا۔ مطلب کیا ہے اس کا؟

خانہ کعبہ کا تحفہ اور عورت کو ڈھانپنے والی چادر..... اس سے پہلے کہ حریم جواب دیتی رفیق صاحب نے جواب دے دیا۔
مطلب بھی آپ کی طرح پیارا ہے۔زمل نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ پھر رفیق صاحب سالار صاحب کے ساتھ
ڈرائنگ روم میں چلے گئے اور ہمایوں بھی ان کے ساتھ چل دیا۔شگفتہ نے اپنی بیٹی کو آواز دی۔
عالیہ ......عالیہ !...اتنے میں ایک زمل کی ہم عمر لڑکی اسی لڑکے لڑکیوں کے جھرمٹ سے جگہ بناتی ہوئی آئی۔
اس نے نہایت ہی خوبصورت کام دار لہنگا پہن رکھا تھا۔جس کا دوپٹہ گلے کی زینت بنا ہوا تھا۔
السلام علیکم آنٹی۔اس نے آکر خوشدلی سے سلام لی۔عالیہ یہ تحریم آنٹی ہیں رفیق انکل کی مسز اور یہ ہیں زمل ......
اپ نے ان کو کمپنی دینی ہے ٹھیک۔
جی ٹھیک ہے مما۔اس نے مسکرا کر زمل کی جانب دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔
زمل مجھے اپنی چادر دیدو۔زمل مڑنے ہی لگی تھی کہ تحریم نے روک لیا۔عالیہ بھی شاید کسی ملازم کو کچھ کہنے لگ گئی۔
لیکن ماما ....بابا! زمل نے اتنا آہستہ بولا کہ صرف وہ ہی سن سکیں۔
تمھارے بابا نے ہی بولا تھا۔انہوں نے بھی اتنی ہی دھیمی آواز میں جواب دیا۔زمل نے حیران ہوتے ہوئے چادر
اتار کر دی اور عالیہ کے ساتھ چل پڑی۔تحریم کو شگفتہ لیگئیں۔
آپ کیا کرتی ہیں زمل؟ عالیہ نے پوچھا۔ میں بی ایس سی کر رہی ہوں۔زولوجی میں۔
زمل نے مسکرا کر جواب دیا۔ ارے واہ ! سیم سیم لیکن میں بی ایس کر رہی ہوں دوسرا سمیسٹر ہے میرا۔اتنے میں وہ
دونوں ڈھولک کے پاس آگئیں۔عالیہ نے دو تالیاں بجائیں اور سب کو متوجہ کر کے زمل کا تعارف کروایا۔اور جگہ بنا
کر بیٹھ گئیں۔زمل پہلے تو جھجھکتی رہی لیکن بعد میں ان کے ساتھ تھوڑا گھل مل گئی اور تالیاں بجانا شروع کر دیا۔اتنے
میں ڈھولک والی آپی نے ڈھولک پر لڈی کی دھن بجائی تو کئی لڑکیاں اور لڑکے لڈی ڈالنا شروع ہو گئے۔عالیہ نے
زمل سے بھی کہا لیکن اس نے تو صاف انکار دیا۔
مجھے تو بالکل بھی ڈانس کرنا نہیں آتا۔) مانا کہ بابا نے چادر اتارنے کی اجازت دی اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بدل

گئے ہیں۔بھئی مجھے میری ٹانگیں بہت عزیز ہیں (اپنی سوچ پر وہ خود ہی ہنس دی۔پھر زمل کو احساس ہوا کہ شاید اس کے بال کھل گئے ہیں۔تو وہ پریشان ہوگئی۔ عالیہ !

"ہاں بولو زمل۔

مجھے واش روم میں جانا ہے۔

اچھا......ایسا کرو میرے ساتھ آ۔ یہاں نیچے تو کوئی واشروم فارغ ہونا مشکل ہے۔تم ایسا کرو کے اوپر سفیان بھائی کے روم میں چلی جاو۔سفیان کی ہی شادی تھی۔

وہ مائنڈ نا کر جائیں عالیہ۔زمل نے اپنا حدشہ بتایا۔ارے..........اس میں مائنڈ کرنے والی کون سی بات ہے.......آ میں چھوڑ آں۔

پھر زمل عالیہ کے پیچھے پیچھے چل دی۔سیڑھیاں چڑھ کے وہ دونوں ایک کمرے کے سامنے آئے۔

تم بے شک آرام سے فارغ ہو جاو میں نیچے ہی ہوں۔زمل نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔اس نے ڈور ناب گما کر دروازہ کھولا تو خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔اندر آ کر اس نے لائٹس آن کیں تو کمرے کی خوبصورتی کا اعتراف کیے بغیر نا رہ سکی۔ بلاشبہ وہ کمرہ نہایت نفاست پسندی سے سجایا گیا تھا۔اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوکر اپنا حجاب کھولا تو سارے بال بکھر گئے۔ کمرے کی کھلی کھڑکی سے باہر لگے ڈیک سے گانے کی آواز آنا شروع ہوگئی۔

اتفاق سے وہ گانا زمل کا ان دنوں کا پسندیدہ بھی تھا تو اس کا دل کیا کہ وہ ساری حدیں بھلا کر ناچنا شروع کر دے پھر کیا تھا۔جب دل اپنی کرنے پر آئے تو نہیں دیکھتا کہ جگہ کون سی ہے وہ وہیں پر ڈانس کرنے لگ گئی اور ڈانس میں مگن ارد گرد سے لاعلم ہوگئی......اچانک اسے لگا کہ کمرے سے ملحقہ بالکونی میں کوئی نامانوس سی آواز سنائی دی ہے تو وہ چونک گئی۔جب وہ آواز دوبارہ سنائی دی تو ڈر کے مارے زمل کے ہاتھ پاوں پھولنا شروع ہو گئے۔اس نے جلدی جلدی اپنے کھلے بالوں کو جوڑے میں قید کیا اور حجاب کر کے باہر بھاگ گئی۔پھولے سانس کے ساتھ نیچے آئی تو عالیہ نے پوچھا۔

کیا ہوا.... خیریت تو ہے نا زمل؟ بیٹھو یہاں پر۔

اوپر سفیان بھائی کے کمرے میں کوئی ہے۔زمل نے پھولی سانس کے ساتھ کہا۔

اوہ ..... میرے خدایا ....وہ لیزا ہوگی۔سفیان بھائی کی بلی۔میں دیکھتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اوپر کی جانب چل دی۔اور زمل نیسکون کا سانس لیا کیونکہ وہ یہ تصور بھی نہیں کرنا چاہتی تھی کہ کسی نے اسے اس حالت میں دیکھا ہے پھر وہ تحریم کی جانب چل دی۔اس بات سے بے خبر کہ وہ آواز لیزا کی نہیں کسی اور کی تھی۔اس واقعے سے وہ محتاط ضرور ہوگئی۔اور کھانے تک کا سارا وقت تحریم کے ساتھ ہی گزارا۔

زمل بچے ذرا اپنے بابا کو فون تو کرلو اور پوچھو کہ وہ کہاں ہیں۔ گیارہ بج رہے ہیں..... تحریم نے فکرمندی سے زمل کو کہا تو اس نے فرضی جیب میں ہاتھ ڈالا) یہ اس کی عادت تھی کیونکہ وہ یونیورسٹی میں موبائل جیب میں ہی رکھتی تھی (

امی موبائل میرے پاس تو نہیں ہے۔ زمل کے ساتھ ساتھ تحریم بھی پریشان ہو گئیں۔ پھر کچھ یاد آنے پر زمل بولی۔

ماما میں واشروم گئی تھی وہاں نا رہ گیا ہو۔ میں دیکھ کے آتی ہوں۔ زمل نے تحریم سے اپنی چادر واپس لی اس کو بازو پر ڈالا اور عالیہ کی جانب آئی۔

عالیہ شاید میں اپنا موبائل سفیان بھائی کے کمرے میں بھول آئی ہوں کیا لے آؤں؟

ارے زمل اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے دیکھ لو جا کے۔ بلکہ میں یہاں کچن سے فارغ ہو کر اوپر ہی آ جاتی ہوں۔

عالیہ نے زمل کے ہاتھ میں وہ چھوٹا سا موبائل دیکھا تھا جب وہ واشروم میں گئی تھی . لہذا اس کی پریشانی سمجھ کر بولی ۔زمل اوپر آ گئی اوپر والے پورشن میں اب اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ سب نیچے دلہے کو مہندی لگا رہے تھے۔ زمل نے جب کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر گھپ اندھیرا تھا جبکہ وہ لائٹ جلتی چھوڑ کر آ ئی تھی۔

) عالیہ نے بند کر دی ہو گی لائٹ (اپنی سوچ کا خود ہی جواب دے کر آگے بڑھی کہ ڈریسنگ ٹیبل پر اسے اس کا موبائل نظر آ گیا۔ ابھی اس نے موبائل اٹھانے کیلیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ بند ہونے آواز آئی۔ وہ مڑی تو کسی نے لائٹ آف کر دی۔ زمل نے دوڑ لگانا چاہی لیکن دروازے کے پاس پہنچتے ہی کسی نے اسے بازو سے کھینچ کر دیوار کی جانب دھکیلا اور آگے بڑھ کر ایک بازو کی پشت زمل کی گردن پر رکھی جس سے اس کی آواز دب گئی۔ تو دوسرے ہاتھ سے زمل کے پیٹ پر اپنی پانچوں انگلیوں سے دباؤ ڈال کر اسے دیوار سے لگا دیا۔ زمل نے ڈر کے آنکھیں بند کر لیں۔

یہاں کیا کر رہی ہو؟ بھاری آواز میں پوچھا گیا۔

مممم...... میں..... مممم... میں اپنا سیل فون...... ل ل ل لینے آ..... آئی ہوں....... ووو... وہ وہاں ہے ۔گردن پر بازو ہونے کی وجہ سے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اس چور) ایسا زمل کو لگا کہ یہ چور ہے (کی توجہ دلوائی۔

اوہ.. اچھا !! تم.... نام کیا ہے تمہارا؟

زز... زمممل... زمل۔ بمشکل کہہ پائی۔

ہاں تو زمل اب اگر تم نے نیچے کسی کو بھی یہ بتایا جو یہاں ہوا ہے تو تمہاری عزت تو جائے گی ہی لیکن میں تمہارا حشر نشر کر دوں گا ...... آئی بات سمجھ میں؟

ججج.... جی۔ زمل کو نا جانے کیوں لگا کہ وہ شخص اپنی اصل آواز چھپا رہا ہے۔ لیکن اس کی دھمکی کا یہ اثر ہوا کہ زمل زور

زور سے کانپنے لگی۔اب اس شخص نے آہستہ آہستہ زمل کی گردن پر اپنے بازو کی گرفت ڈھیلی کی آیا یہ دیکھ رہا ہو کہ وہ چیخے نہیں اور جیسے ہی یقین آیا کہ اب وہ نہیں چیخے گی وہ بالکونی کی جانب بھاگ گیا۔جبکہ زمل اپنی پھولی ہوئی سانس بحال کرنے کی سعی کرنے لگ گئی۔دوبارہ دروازہ کھلا اور عالیہ اندر آئی۔ ارے .... زمل لائٹ تو جلا لیتی۔اور ایسے کیوں کھڑی ہو؟ عالیہ نے لائٹ آن کی تو اسے کانپتی ہوئی زمل دیوار کے ساتھ لگی نظر آئی۔

زمل .... زمل کیا ہوا...... سب ٹھیک تو ہے نا؟

عالیہ....... ووو.... وہ ابھی زمل نے بتانا شروع ہی کیا تھا کہ لیزا بالکونی سے اندر کمرے میں آ گئی۔

افو ...... زمل ایک بلی سے ڈر گئی۔"

لیزا اب زمل کے پاوں کیگر داٹھ کھیلیاں کر رہی تھی۔ آو لیزا تمہیں نیچے لے جاوں۔موبائل ملا زمل؟ عالیہ نے زمل سے پوچھا لیکن وہ کسی اور ہی دنیا میں تھی۔

زمل !! اب کی بار عالیہ نے کچھ اونچا بولا تو زمل ہوش میں آئی۔

ہ۔۔ہ۔۔۔ہاں کیا ہوا؟ اس نے بوکھلاتے ہوئے پوچھا۔

زمل میں موبائل کا پوچھ رہی ہوں۔ملا کیا؟ عالیہ بھی حیران ہوئی۔

ہاں۔۔۔ہاں مل گیا۔پھر وہ خود پر گزری قیامت پر قابو پاتے ہوءڈریسنگ ٹیبل کے سامنے گئی اور موبائل اٹھا لیا۔اب وہ جلد از جلد یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

عالیہ میں نیچے چلتی ہوں ماما میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔عالیہ کو دیکھ کر اس نے خود پر کافی حد تک قابو پاتے ہوئے کہا ہاں چلو میں بھی آتی ہوں .... آو تم بھی لیزا۔پھر اس نے لیزا کو بھی گود میں اٹھا لیا۔اور جب وہ نیچے آئیں تو زمل تقریباً دوڑ کر تحریم کے پاس گئی اور موبائل ان کی طرف بڑھا دیا۔

ماما ! بابا سے کہیں کہ جلدی چلیں۔مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے یہاں۔زمل نے تحریم کا بازو اپنی گرفت میں لیتے ہوے کہا۔

ہاں ہاں میں کہتی ہوں کیونکہ ان لوگوں نے تو ابھی رات گئے تک یہ شور شرابا جاری رکھنا ہے۔تحریم نے بھی زمل کی تائید کی۔پھر وہ لوگ وہاں پر سالار صاحب اور شگفتہ کے کہنے پر بھی نہیں رکے۔رفیق صاحب بھی باہر اتنا آزادانہ ماحول دیکھ کر بمشکل مسکراہٹ قائم کئے ہوئے تھے۔ٹیکسی میں بیٹھ کر زمل نے اپنی آنکھیں موند لیں۔اور ذہن میں ایک مرتبہ پھر سے سارا واقعہ چلنے لگا۔

ارے بھئی حد ہوتی ہے بے شرمی کی...... وہ تو سالار نے اتنا اسرار کیا تو میں آنے پر راضی ہو گیا مجھے کیا پتا تھا کہ یہاں تو کسی کو مذہب کی تمیز نہیں....... آج زندگی میں پہلی بار زمل کو رفیق صاحب کا چلانا برا نہیں لگا۔اس کا دل چاہ رہا تھا بس کسی طرح اس جگہ سے بہت دور چلی جائے، کبھی واپس نہ آنے کیلیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

رحما پچھلے آدھے گھنٹے سے زمل کو چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس پر کوئی اثر ہوتب نا۔اور زیادہ تر باتیں جو وہ رونے کے دوران کر رہی تھی ان میں اگر کوئی وہاں آجاتا تو؟

آیا تو نہیں نا زمل۔

اگر کوئی مجھے وہاں ایسے دیکھ لیتا تو؟

دیکھا تو نہیں نا زمل۔

اس نے کہا تھا کہ اگر میں نے کسی کو بتایا تو وہ میرے ساتھ اچھا نہیں کرے گا۔مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے رحما۔

رحما نے ایک بار پھر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور بولی، اس کو پتا نہیں چلے گا زمل بلکہ کسی کو بھی پتا نہیں چلے گا۔

اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے بہت بڑے نقصان سے میری دوست کو بچا لیا ہے۔پتا نہیں وہ شاید کوئی چور تھا اور کچھ چرانے آیا ہوگا ۔زمل بس اللہ کا شکر ادا کرو اور اس پر معاملہ چھوڑ دو۔

رحما نے خلوص سے اسے سمجھایا تو اس کا رونا دھونا سوں سوں میں بدل گیا۔رحما نے سکون کا سانس لیا کہ اب زمل بہتر ہوئی ہے۔

وہ ایک ایسے گھر سے تعلق رکھتی تھی جو کہ اس کے بابا کی دقیانوسی سوچ پر چلتا تھا۔وہ گھر میں مکمل چپ رہنے والی لڑکی تھی جو اپنے دن کو کالج میں ہی جی لیتی لیکن اب مسلہ یہ تھا کہ اس کا تعلیم کا یہ آخری سال تھا۔جیسے تیسے رفیق صاحب نے بی ایس سی کی اجازت دی تو ساتھ ہی کہہ دیا۔

اس کے بعد یہ لڑکی مجھے نہ کہے کے آگے پڑھنا ہے۔بچیاں گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں۔اور تم کالج جاتے وقت برقع لو گی اور اگر مجھے کبھی کسی بھی ایسی بات کا پتا چلا جو مجھے پسند نا آئی تو اسی دن تمہارا گھر سے باہر نکلنا بند .... آئی سمجھ۔

درحقیقت جو کچھ سالار صاحب کی طرف ہوا رحما ابھی بھی وہی سوچ رہی تھی کہ کوئی ایسا کیوں کرے گا لیکن مطمئن تھی کہ اب زمل اس واقعے کو بھلا دے گی۔

☆☆☆☆

السلام علیکم چندا!

زمل جب کالج سے گھر آئی تو اپنے موبائل پر موصول ہونے والے غیر شناسہ نمبر سے آئے میسج پر حیران رہ گئی۔

یہ کس کا میسج ہوسکتا ہے بھلا؟ وہ صرف سوچ کے ہی رہ گئی۔کیونکہ اس کے جاننے والوں میں سے کوئی بھی اسے "چندا" نہیں کہتا تھا۔جب وہ جی بھر کے حیران ہولی تو اس سوچ میں پڑ گئی کہ یہ کون ہوسکتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ رحما نے نیا نمبر لیا ہو۔

لیکن وہ مجھے چندا تو کبھی نہیں کہتی۔

تو کیا کسی نے غلطی سیکر دیا ہے۔

لیکن اگر وہ چندا کہہ رہا ہے تو مطلب جس کو میسج کیا ہے اسے جانتا بھی ہے۔

جب اپنی سوچوں سے تنگ آ گئی تو جھنجھلا کر موبائل بیڈ پر پٹخ دیا بھاڑ میں جائے جو بھی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

جب وہ رات کا کھانا کھا رہے تھے تو بالکل خاموشی تھی اور رفیق صاحب کے ہاتھ میں زمل کا موبائل تھا۔ جسے وہ ابرو اچکا کر چیک کر رہے تھے جیسے اس میں انڈین آرمی کے بلو پرنٹس ہوں اور وہ پاکستانی فوجی ..... ہنہ۔

زمل نے اپنی سوچوں کو جھٹک کر کھانا کھانے پر فوکس کیا۔

یہ کیا بیہودگی ہے؟ رفیق صاحب کی آواز پر اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ اسے لگا کہ ہمایوں نے پھر کوئی شرارت کی ہے لیکن وہ تو اس کی ہی طرف دیکھ رہے تھے تو وہ گڑبڑا گئی۔

ک .... کیا ہوا بابا؟ وہ ابھی تک سمجھ نہیں پائی کہ اس پر کیوں غصہ ہو رہے ہیں جبکہ زمل نے تو ایسا کچھ کیا ہی نہیں۔ تو انہوں نے موبائل سکرین زمل کی جانب کر دی جس پر صبح موصول والا میسج جگمگا رہا تھا۔ ایک لمحے کیلیے تو زمل کا سر ہی گھوم گیا لیکن بظاہر خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

بابا۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ یہ رحما کا نیا نمبر ہے آج وہ یونی نہیں آئی تھی اس لیے کام پوچھنے کیلیے فون کیا۔ اور آج پہلی دفعہ جھوٹ بولتے ہوئے آخری دفعہ اس کی آواز کپکپائی۔

اس سے بول دو تم کہ آئیندہ ایسے القاب سے تمہیں نا بلائے۔ زہر لگتی ہیں مجھے وہ لڑکیاں جن کو بات کرنے کی تمیز بھی نا ہو۔ یہ پڑھتے ہو تم لوگ اداروں میں۔ یہ تمیز سکھائی جاتی ہے وہاں۔ یہ سب پڑھنا ہوتا ہے تو پھر بیٹھو .... زمل نے سب باتوں کو سنا ان سنا کیا اور جلدی سے کھانا کھا کر کمرے میں آ گئی۔ آج خلافِ معمول موبائل اس کے پاس تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر زمل نے غصے سے دروازہ بند کیا اور لمبے لمبے سانس لیکر اپنا غصہ کم کرنے کی سعی کرنے لگی۔

اسی غصے کے زیرِ اثر زمل نے میسج کا جواب دیدیا۔

کون ہے؟ اور موبائل کو بیڈ پر پٹخ کر کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔ ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ جواب آ گیا۔

وعلیکم السلام!

میں نے پوچھا ہے کہ کون ہے؟ غصے سے کہا۔

سلام کا جواب دینا فرض ہے۔

زمل نے پڑھا تو اسے لگا کہ رحما ہے کیونکہ رحما ہمیشہ اس کی اس غلطی کو ٹوک دیا کرتی تھی، تو جواب دیا۔

رحما آج یونی کیوں نہیں آئی ؟ یاد کیا تم کو میں نے ۔زمل نے بغیر تصدیق کئے جواب دیدیا۔

آج طبیعت خراب تھی اس لیے۔

موصول ہونے والے جواب نے اس کے شک کی تصدیق کر دی کہ وہ رحما ہی ہے۔

مت کیا کرو یوں چھٹی ۔محبت سے گلہ کیا گیا۔

او کے جناب اب نہیں کروں گی ۔ساتھ ہی جواب آ گیا۔

اور ہاں رحما مجھے میسیجز پر "چندا "مت کہا کرو۔آج بابا نے اتنی باتیں سنائی ہیں۔زمل کا غصہ نکل ہی گیا......اور وہ رات کافی دیر تک اس انجان شخص کو رحما سمجھ کے باتیں کرتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆

****چھ مہینے بعد****

زمل نے رات کو اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو ایک عجیب سی خوشی اس میں سرایت کر گئی ۔ہونٹوں پر بناوٹی مسکراہٹ کی جگہ حقیقی مسرت نے لے لی۔وہ اپنی کپڑوں کی الماری کے سامنے آئی اور اس کو کھول کر اندر سے کپڑوں کی تہہ کے نیچے سے ایک موبائل نکال لیا ....اس کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح زمل کو یاد آیا کہ کس طرح اس کا پہلا موبائل بابا نے توڑ دیا تھا۔بات یہ تھی کہ اس کے ایک ٹیسٹ میں ۷۰ % سے کم نمبر تھے جس پر وہ غصہ تھے اور دوسرا ان کو پتا چل گیا تھا کہ زمل رات کے وقت موبائل اپنے پاس رکھتی ہے۔

بابا ٹیسٹ میں کم مارکس بخار کی وجہ سے آئے تھے , قسم لے لیں آئیندہ ایسا نہیں ہوگا۔زمل نے روتے ہوئے ان سے کہا لیکن وہ اس کی آنکھوں میں چھپی سچائی کو نہ دیکھ پائے۔زمل کو ٹیسٹ والے دن واقعی بخار تھا لیکن انہوں نے موبائل کو ہوا میں بلند کیا اور ایک جھٹکے سے اسے زمین پر دے مارا۔وہ موبائل کسی اچھی کمپنی کا تھا بھی نہیں لہذا کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

اس دن صرف موبائل نہیں تھا جو ٹوٹا تھا بلکہ اس دن زمل کا اپنے بابا کے ساتھ مان کا جو رشتہ تھا وہ بھی ٹوٹ گیا تھا۔

مجھے آئیندہ اس لڑکی کے ہاتھ میں یہ خرافات نظر آئی تو میں اس کے ہاتھ توڑ دوں گا۔ساتھ تمہارے پاں بھی توڑ دوں گا تحریم ! تمہارے کہنے پر میں نے اس کو یہ لے کر دیا تھا .....ایسی ہوتی ہیں اچھے گھروں کی لڑکیاں....زمل نے ایک نظر ان ٹوٹے پرزوں کو دیکھا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔اس عزم کے ساتھ کہ آئیندہ کبھی رفیق صاحب کو مخاتب نہیں کرے گی۔

یہ اس دن کے ایک ہفتے کی بات ہے جب وہ رات میں کمرے میں سونے آئی تو تکیے کے نیچے سے "زوں زوں" کی آواز پر چونک گئی۔اس نے تکیہ ہٹا کر دیکھا تو وہاں ایک خوبصورت سا موبائل تھا۔زمل تو اسے دیکھ کر سکتے میں

آ گئی۔دوڑ کر نیچے تحریم کے پاس آئی۔

ماما میرا موبائل... وہ حسبِ معمول باورچی خانے میں ہی تھیں جب زمل نے پوچھا۔

زمل میری جان ...... تمہارے بابا کا غصہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا۔میں ابھی ان کو نئے موبائل کیلیے نہیں کہہ سکتی۔

زمل کئی لمحے ٹکٹکی باندھے تحریم کو دیکھتی رہی پھر بولی، نہیں ماما مجھے موبائل نہیں چاہئیے۔ویسے بھی پیپرز قریب ہیں ۔آپ بابا سے مت کہیے گا،ابھی ضرورت نہیں۔

یہ کہہ کر وہ اوپر کمرے میں آ گئی۔آ کر دروازہ اچھی طرح سے بند کیا۔بیڈ پر آ گئی۔اب موبائل وائبریٹ نہیں کر رہا تھا۔اس نے اپنے ہاتھ میں موبائل پکڑا اور اسے دیکھنے لگی۔ابھی وہ اس کو پلٹ کر دیکھ ہی رہی تھی کہ وہ پھر سے وائبریٹ کرنے لگ گیا۔زمل نے ڈرتے ڈرتے کال اٹھالی۔

وہ "زی " کی کال تھی وہ اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کیسی ہے؟اس کو بتا رہا تھا کہ اس نے پلمبر کے ہاتھوں موبائل وہاں رکھوایا ہے) زمل نے یقین بھی کرلیا (وہ اسے بتا رہا تھا کہ زمل سے ایک ہفتہ بات نہ کر کے وہ بے سکون رہا تھا۔اور اس وقت زمل کو وہ اپنا سب سے بڑا غم گسار لگا۔

آج بھی الماری سے موبائل نکالتے ہوئے زمل کو وہ پہلی رات یاد آئی جب اس کو موبائل دیا گیا تھا۔زمل نے مسکرا کر موبائل آن کیا تو ڈھیروں تحریری اطلاعات کو اپنا انتظار کرتے پایا۔جو کہ اس بات کی گواہ تھیں کہ "زی "اس سے کافی ناراض ہے۔زمل نے کال ملائی تو دوسری بیل پر ہی فون اٹھالیا گیا۔

السلام علیکم !زمل نے بہت خوشگوار موڈ میں کہا تو زی کو تو آ گ ہی لگ گئی۔

کیا مطلب السلام علیکم؟اتنے دنوں کے بعد تم نے کال کی ہے اور میں جو کہ مرنے کے قریب ہوں اسے تم سلامتی کیسے بھیج سکتی ہو....اتنی ظالم کیسے ہوسکتی ہو زمل؟ زی کا زمل کو نام سے بلانے کا مطلب تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے ورنہ وہ اسے کہتا ہی"چندا "تھا۔زمل نے کئی مرتبہ منع بھی کیا تھا لیکن وہ کہتا کہ مجھے یہ نام پسند ہے میں تو یہ ہی کہوں گا۔

زی !آپ کو پتا ہے کہ میرے فائنلز تھے۔زمل نے بہانہ گڑھا۔

میرے خیال سے زمل بی بی آپ کے امتحان تین دن پہلے ختم ہو چکے تھے۔زی بھی باخبر تھا۔جب وہ اس کے گھر میں فون رکھوا سکتا تھا تو امتحانات کی آخری تاریخ پتا کروانا تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

امممم وہ .....دراصل......زمل سے بہانہ نہیں بن پا رہا تھا۔

جھوٹ مت بولنا زمل۔زی نے وارنگ دی۔

میں ماما کے ساتھ گاوں شادی پر گئی ہوء تھی،شادی چونکہ چچا ابو کے بیٹے کی تھی تو پھر ٹھہرنا پڑا۔موبائل پاس نہیں تھا، لے کر جانا یاد نہیں رہا۔زمل نے اقرار کرہی لیا۔

پورے سات دن کیلیے ۔زی کو ابھی بھی یقین نہیں آیا۔

ہم..... زمل نے آہستہ سی آواز میں کہا۔

اچھا چلو پھر تصویریں تو لی ہوں گی نہ؟

جی! زمل نے جیسے ہی کہا، کہہ کر پچھتائی۔

چلو پھر دکھاو مجھے...... ساتھ ہی زی نے وہ فرمائش کر دی جس سے وہ بچنا چاہتی تھی۔

آپ جانتے ہیں زی .... زمل نے آہستہ سے کہا۔

کیا......؟ زی جانتا تھا لیکن اس کے منہ سے بار بار سننا اچھا لگتا تھا۔

میں پردہ کرتی ہوں۔ہلکی سی معصوم آواز میں اس نے دفاعی پل باندھا، جانتی تھی یہ کام کر جائے گا۔

میں جانتا ہوں۔

پھر بھی بار بار پوچھتے ہیں۔زمل نے گلہ کیا۔

کیونکہ مجھے بار بار سننا اچھا لگتا ہے۔

زمل خاموش ہی رہی۔

تم حجاب کیوں کرتی ہو چندا؟)چندا کہنے کا مطلب تھا کہ اب وہ ناراض نہیں ہے لیکن آج سے پہلے اس نے ایسا سوال نہیں کیا تھا(

زمل نے سوچنے کیلیے چند لمحے لیےاور بولی۔

میں حجاب اس لیے کرتی ہوں تا کہ میں خود کو اس کے احترام کے نتیجے میں باحیا رکھ سکوں۔ مجھے فرق نہیں پڑتا کہ کوئی میری طرف بری نگاہ سے دیکھے یا نہیں، کیونکہ بہت بار ایسا ہوا ہے کہ آپ نقاب کر کے بھی لوگوں کی غلیظ نگاہوں سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔لیکن میں صرف اپنی نظر کی حفاظت کی جوابدہ ہوں.....

اور جب میں حجاب کر کے باہر جاتی ہوں تو خود بخود نظریں جھک جاتیں ہیں، کیونکہ اگر میں حجاب کر کے بھی اپنی نظر کی حفاظت نا کر پاوں تو مجھے لگتا ہے کہ دہرا گناہ ہوگا، ایک پردے کی بیحرمتی کرنے کا اور دوسرا نگاہ کی حفاظت نہ کرنے کا۔اور آج بھی ہر مرتبہ کی طرح زمل نے زی کو خاموش کروادیا، وہ واقعی کئی لمحے بول نہ سکا۔

تم اچھی لڑکی ہو زمل، اب سو جا، اچھی لڑکیاں زیادہ دیر تک جاگا نہیں کرتیں۔زمل نے مسکرا کر ہاں میں ہاں ملائی اور فون رکھ دیا۔

زمل نے فون تو رکھ دیا لیکن کافی دیر تک یہ سوچتی رہی کہ اسلامی بنیادوں پر لیے جانے والے ملک کی زیادہ تر شادیوں میں حجاب قبول کیوں نہیں کیا جاتا تھا؟ وہ حال ہی میں جس شادی سے لوٹی تھی بلاشبہ وہ ایک گاوں میں تھی

لیکن وہاں پر بھی دوپٹے کو سر کی زینت بنانے کی بجائے گلے کا ہار بنایا جا رہا تھا....... اور بات صرف یہاں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جب تک حجابی لڑکیوں کو طنز بھری کی نگاہوں سے دیکھ نہ لیا جائے یا ان کی حجاب پر سوال نہ کر لیا جائے خود کو ماڈرن خیال کرنے والی لڑکیوں کا مقصد پورا نہیں ہوتا ..... اور تو اور افسوس زیادہ ان لڑکیوں کے حصے میں آتا ہے جو حجاب لینا صرف اس لیے چھوڑ دیتی ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے؟

اور اس معاملے میں زمل رحما کو بھی قائل نہیں کر پائی تھی۔

یہ ان کی الوداعی تقریب کی بات تھی , جب رحما سٹیج پر کھڑی الوداعی غزل پڑھ رہی تھی:

"سرِ شام سورج کے ڈوبنے پر

آج عجب سی اداسی چھائی ہے

ہوا کے جھونکوں کی مانند

آج پھر تیری یاد آئی ہے

تم مانو یا نہ مانو میری دوستو

وجہ اداسی تیری جدائی ہے"

وہ چند لمحے رکی پھر بولی، اب شاعرہ خنسا کی زبانی میں اپنی دوستوں سے کہنا چاہوں گی:

"بس اتنا ہی تھا ساتھ ہمارا

ناممکن سا لگتا ہے یہ کہ

دوستی کو میں بھول جاں

وہ دن جب ساتھ تھے سارے

تھیں چھوٹی چھوٹی شرارتیں بھی

بے وفا نکلے کچھ دوست

چھوڑ کے تنہا بچھڑے کچھ دوست

بس یادیں ہیں اور اداس شام

یادیں بھی سرمایہ ہیں

بچھڑے کچھ دوستوں کی

باتیں بھی سرمایہ ہیں

باتیں بھی سرمایہ ہیں"

سارا ہال تالیوں کی گونج میں جھوم اٹھا۔ رحما نے دوبارہ آ کر اپنی نشست سنبھالی۔ وہ ہمیشہ سے غیر نصابی سرگرمیوں میں مہارت رکھتی تھی۔ زمل نے بھی سر جھکا کر اسے داد دی۔ جسے رحمانے مسکرا کر وصول کیا۔

زمل کو آج جو واحد بات پسند نہیں آئی تھی وہ یہ تھی کہ رحما جس نے کالج کے چار سال سر سے دوپٹہ نہیں اتارا تھا آج بال کھولے پھر رہی تھی۔ اور کئی اساتذہ اور وہاں کام کرنے والے بھی مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔

رحما ایک دوست ہونے کے ناطے میں تمہیں یہ بتانا اپنا حق سمجھتی ہوں کہ تم نے مجھے آج مایوس کیا ہے۔

زمل میں نے جب یونس بھائی کی شادی پر سکارف لیا تھا تب سب نے کتنا مزاق اڑایا تھا .... اس لیے آج میں نے... رحمانے ہلکی سی آواز میں کمزور سی دلیل دی۔ جس پر زمل تو غصہ ہی ہوگئی اور بولی، مطلب حد ہے کہ آپ شادیوں میں صرف اس لیے حجاب نا کریں کہ لوگ کیا کہیں گے، اور کھلے بال اس لیے چھوڑ دیں کیونکہ لوگ کچھ نہیں کہیں گے .... لوگ لوگوں سے ڈرنا کب چھوڑیں گے .....

زمل نے اس سے زیادہ رحما سے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ اس کے بعد اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی کیونکہ وہ اس خاص دن کو خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح زمل باورچی خانے میں ایک نئی ترکیب سے کباب بنا رہی تھی، جب پلیٹ سجالی تو شریر سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی ایک تصویر کھینچی کہ رات میں زی کو بھیج کہ اس کا دل جلائے گی اور پھر ساتھ ہی موبائل کو بند کر کے سویٹر کی اندرونی جیب میں چھپا لیا۔ ابھی وہ پلیٹ لے کر اپنے دوپٹے سے بے خبر باورچی خانے سے نکلی ہی تھی کہ باہر لاونج میں ہارون کو کھڑے دیکھا، وہ ہمایوں کا دوست تھا اور اس سے کتاب لینے آیا تھا، زمل کے ہاتھ میں کباب دیکھ کر بولا، زمل باجی آج گھر میں کوئی دعوت ہے کیا؟

تو وہ ہنس کر بولی نہیں، نہیں دعوت تو نہیں ہے۔ لیکن تم بڑے خوش قسمت ہو، ادھر ہی رکو میں پلیٹ میں لے کر آتی ہوں جب وہ دوبارہ باورچی خانے میں آئی اور دروازے پر لٹکا دوپٹہ دیکھا تو اپنی بے خبری پر خود کو جی بھر کے کوسا، پھر دوپٹہ ٹھیک کر کے پلیٹ میں ہارون کے لیے کباب نکال کر اسے دیے اور اس کے کھانے تک وہیں بیٹھی رہی، کیونکہ ابھی ہمایوں گھر پر نہیں تھا، پھر جب وہ چلا گیا تو زمل بھی اپنے کمرے میں واپس جانے لگی کہ رفیق صاحب کی غصے سے بھرپور آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

زمل !!!! زمل کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب پر گیا جس میں موبائل تھا، وہ آج رفیق صاحب کے گھر پہ ہی ہونے سے بے خبر تھی۔ وہ وہیں رک گئی، پھر مڑی اور رفیق صاحب کو غصے سے سیڑھیاں اترتا دیکھ کر ان کی جانب بڑھی۔

بابا یہ چکھ کر دیکھیں، میں نے کباب بنائے ہیں آج ہی دیکھے ـ ـ ـ ـ ـ زمل کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ رفیق

صاحب نے ہاتھ مار کر پلیٹ گرادی۔ جو کہ سیڑھیوں میں گرتے ہی چکنا چور ہوگئی، زمل ابھی حیرانی سے ان کی طرف دیکھ ہی رہی تھی کہ انہوں نے ہاتھ ہوا میں بلند کیا جو دیکھتے ہی دیکھتے زمل کے بائیں گال پر انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا، تکلیف کی لہر اس کے وجود میں سرایت کر گئی۔

زمل نے بے اختیار اپنا ہاتھ گال پر رکھا جہاں اب اس کے آنسو ابل ابل کر گر رہے تھے، رفیق صاحب کچھ بولتے کہ اس سے پہلے تحریم آ گئیں اور انہوں نے زمل کو اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

کیا کر رہے ہیں آپ؟ زمل پر اٹھتا ہاتھ دیکھ کر ان کا کلیجہ ہی کٹ گیا۔

پوچھو اپنی اس بے حیا بیٹی سے کیسے غیر مردوں کے سامنے دندناتی پھر رہی تھی وہ بھی بغیر دوپٹے کے، کسی باہر والے نے دیکھا تو کیا کہے گا یہ تربیت دی ہے میں نے اپنی بیٹی کو، میری محلے میں ایک عزت ہے، میں کہتا ہوں رشتا دیکھو اس کا اور اپنے گھر کا کرواسے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ تو جانے اور کیا کیا بولتے لیکن تحریم بول پڑیں۔

میں سمجھا دوں گی اسے، آپ۔۔ آپ فکر نا کریں۔ " فکر نہ کروں، میں تو جان سے مار دوں گا اسے اگر دوبارہ اس طرح دیکھا بھی تو، اور تم۔ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا میں، تم نے ہی ایسی تربیت کی ہے اس کی۔۔۔۔۔۔

زمل اس ساری گفتگو کے دوران خاموش سامع کا کردار ادا کرتی اپنے گال پر ہاتھ رکھی سسکیاں لیتی رہی، تھپڑ کی تکلیف سے کہیں زیادہ تکلیف ان الفاظ کی تھی جو وہ اپنے لیے اپنے باپ کے منہ سے سن رہی تھی، اور اسی غم و غصے میں اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے بابا سے ان کی عزت کا غرور اور تکبر چھین لے گی، پھر چاہے اس کیلیے اسے کسی بھی حد سے گزرنا پڑے۔

☆☆☆☆☆☆☆

تحریم کے پہلو سے نکل کر زمل چلتی ہوئے اپنے کمرے تک آئی، اندر آ کر اس نے موبائل نکالا اور زی کو کال ملائی، اس وقت اس کا دماغ بالکل کام کرنا چھوڑ چکا تھا، دوسری ہی بیل پر زی نے فون اٹھا لیا۔

زہے نصیب، آج سورج کہیں جنوب یا شمال سے تو نہیں نکل آیا کیونکہ خبر تو قیامت سے بھی بڑی ہے۔ زی اپنی ہی دھن میں بولے جا رہا تھا اور زمل کا دل کیا کہ ساری دنیا تھم جائے اور وہ بس اسی کی آواز سنتی رہے، وہ یوں ہی بولتا رہے۔

زمل ! تم فون پر ہو، زمل !۔۔۔؟ اب وہ صحیح میں پریشان ہوا کیونکہ وہ کچھ بول ہی نہیں رہی تھی۔

ہ ہ ہ ہاں۔۔۔۔ زی۔ زمل نے روتے ہوئے اتنا کہا، کیونکہ اس تھپڑ کے ساتھ کہے گئے جملوں کی تکلیف کم ہو ہی نہیں رہی تھی۔

چندہ ہوا کیا ہے؟ اور اور تم رو کیوں رہی ہو؟ کیا ہوا ہے؟ جب دوسری طرف سے کوئی جواب نا ملا تو وہ پھر بولا۔

زمل ! خدارا کچھ تو بولو، کیوں میری جان سولی پر اٹکا رہی ہو؟۔۔۔۔ زمل !!!! اب کی بار زمل بولی میں جینا نہیں

چاہتی زی، مجھ تک کوئی بہت اچھا زہر بھجوادو پلیز۔۔۔۔۔۔

بکواس بند کرواپنی، خبردار آئیندہ جو کبھی اپنی جان لینے کی بات سوچی بھی تو، ہوا کیا ہے بتاؤ مجھے۔ اچھا خاصہ ڈانٹ کر وہ آخر میں نرم ہو گیا۔

زی۔۔۔۔۔ وہ بابا۔۔۔ بابا نے۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی تحریم دروازے پر دستک دیے بغیر اندر آ گئیں، زمل نے دیکھا تو گڑبڑا کر موبائل تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

زمل بات کیا ہوئی ہے، اور تمہارے بابا اتنے غصے میں کیوں گئے ہیں؟ تحریم نے زمل کا گھبرانا نوٹ نہیں کیا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

زمل ! کچھ بتا گی مجھے کہ نہیں؟ کون ہے وہ لڑکا؟ کس لڑکے کی بات کر رہے تھے رفیق؟ لیکن ان کے سوال پر اس کا ضبط جواب دے گیا اور وہ دھاڑ کر بولی، وہ لڑکا !! لڑکے کا پوچھ رہی ہیں امی۔ آپ !! یہ آپ پوچھ رہی ہیں تو سنیں وہ لڑکا ہارون تھا۔

ہارون !!؟ تحریم بھی حیران رہ گئیں۔

جی ہاں ہارون، ہمایوں کا دوست، میرے چھوٹے بھائی جیسا ہے وہ امی۔۔۔ اور جان بوجھ کر نہیں گئی تھی میں وہاں بلکہ وہ میرے سامنے آ گیا تھا، جب پتا چلا کہ دوپٹہ باورچی خانے میں ہے تو لے لیا تھا میں نے۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ امی ایک کام کریں۔۔۔ خدارا۔۔۔ خدارا مجھے زہر دے دیں۔ تحریم نے آگے بڑھ کے اسے سینے سے لگا لیا تو اس نے ان کو جھٹک دیا۔

نہیں چاہیئے یہ سب مجھے، مجھے آپ کی ندامت بھی نہیں چاہیئے، امی نہیں رہا جاتا اب مجھ سے اس طرح، پہلے تو وہ صرف بے جا روک ٹوک کرتے تھے اور میں صرف یہ سوچ کر کہ وہ بابا ہیں میرے، کچھ نہیں کہتی تھی۔۔۔ لیکن امی اب بس۔۔۔ اب وہ کہہ رہے ہیں کہ میں بے حیا ہوں۔۔۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے امی۔۔۔؟ زمل روتے ہوئے ان کے ساتھ لگ گئی۔

مجھے میرا گناہ بتا دیں۔۔۔۔ مجھ سے ایسے گھٹ گھٹ کے جیا نہیں جاتا، میں آپ کے اور لوگوں کے سامنے خوش رہنے کی اداکاری کر کر کے تھک چکی ہوں، مجھے اس طرح کی زندگی نہیں چاہیے۔

انہوں نے زمل کو خود سے الگ کیا، اٹھیں اور دروازہ بند کر کے نیچے چلی گئیں، حقیقت میں آج وہ بھی اپنی بیٹی سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔ جب وہ چلی گئیں تو زمل اٹھی اور آ کر دروازے کو کنڈی لگا کر دوبارہ بیڈ پر آ گئی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل نکالا تو جس بات کا ڈر تھا وہ ہی ہوئی، زی نے فون ڈِسکنیکٹ نہیں کیا تھا۔ مطلب کہ وہ زمل اور تحریم کی ساری باتیں سن چکا ہے۔ اور اب اس نے ڈرتے ڈرتے فون کان سے لگایا، دوسری طرف وہ

زمل کے سانس لینے سے پہچان گیا کہ یہ زمل ہے۔۔۔۔۔۔۔چند لمحوں کے بعد زی کی آواز گونجی۔

مجھ سے شادی کرو گی چندا؟

☆☆☆☆☆☆

زمل کو تو جیسے اب چپ سی لگ گئی تھی، سب کام وہ اسی طرح کرتی جیسے پہلے کرتی تھی، لیکن وہاں کے رہنے والے زمل کی آواز سننے کو ترس گئے۔وہ زی سے بھی بات نہیں کر رہی تھی۔رفیق صاحب تو حسبِ معمول اپنی زندگی میں گم تھے لیکن زمل کی چپ کو انہوں نے بھی محسوس کیا تھا۔مگر وہ ازلی لاپرواہی کا مظاہرہ کر رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں سچ بات تو یہ ہے کہ والدین کا اعتماد اولاد کے کردار کی بلندی کیلیے ایک کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔زیادہ تر جو بچے بغاوت کرتے ہیں ان میں اکثریت اپنے والدین کے بیجا رویے کی وجہ سے یہ انتہائی قدم اٹھاتی ہے۔لیکن اس کے برعکس جو والدین اپنی اولاد کو یہ حوصلہ دیں کہ ہاں ان کو اپنے بچوں پر اعتماد ہے تو پھر وہ اولاد بھی اپنی ہر ممکن کوشش کرتی ہے کہ ان کی وجہ سے ان کے والدین کا سر شرم سے نا جھکے۔

لیکن رفیق صاحب جیسے والد یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آج کا دور ان کے دور سے قطعی مختلف ہے، آج کے دور میں بچوں پر سختی کر کے ان کو دبانا بہت مشکل کام ہے۔عقلمندی تو یہ ہے کہ والدین اپنے اور اپنی اولاد کے درمیان دیوار کو گرا دیں اور ان کیلیے اپنے وقت میں سے وقت نکالیں، ان کی زندگی کی ترجیحات کو سمجھیں اور پھر ان کی راہنمائی کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆

آپی مجھے یہ والا سوال بھی کروا دو۔ہمایوں دسویں کی حساب کی کتاب لے کر صوفے پر خاموش بیٹھی زمل کے پاس آیا ،تو اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔

ا۔۔۔ہاں۔۔۔دکھاؤ۔ہمایوں نے کتاب اور کاپی اس کے سامنے رکھی اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔زمل نے جب سوال سمجھا دیا تو بولی، اب اس مشق کے باقی تین سوال کر کے دکھاؤ مجھے۔

جی اچھا۔پتا ہے کیا آپی؟ ہمایوں نے کتابیں اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔۔کیا؟

ہارون کہہ رہا تھا کہ اس دن جو کباب آپ نے بنائے تھے وہ بہت مزے کے تھے، اگر دوبارہ بنائے تو ان کو ضرور بلوائیے گا۔یہ سن کر زمل کا زخم پھر سے ہرا ہو گیا۔پھر سے رفیق صاحب کے الفاظ ذہن میں گردش کرنے لگ گئے۔

جب اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تو اٹھ کے باورچی خانے میں چلی آئی۔

تحریم جو ابھی باورچی خانے میں آئیں تو اس کو وہاں کھڑے آنسو بہاتا دیکھا۔

زمل میری جان آخر کب تک اس طرح رہو گی، اب شاباش اپنا موڈ ٹھیک کر لو۔تحریم نے اسے سینے سے لگاتے

ہوئے کہا۔

میں ٹھیک ہوں ماما۔ یہ کہتے ہوئے اس نے گندے برتن دھونا شروع کر دیے۔

زمل تمہارے لیے تمہارے بابا کے دوست کا رشتہ آیا تھا۔۔۔زمل کا برتن دھوتا ہاتھ تھما، اور اس نے تحریم کی جانب دیکھا اور انہوں نے ہاں کر دی ہے، وہ لوگ۔۔۔۔۔۔ ہفتے کی شب کو آئیں گے تمہیں دیکھنے۔ تحریم نے جب اپنی بات مکمل کی تو زمل کے ہاتھوں سے صابن لگی پلیٹ پھسل کر گر گئی۔ چند لمحے وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی کہ شاید۔۔۔۔وہ کہہ دیں کہ میں مزاق کر رہی ہوں۔ لیکن اس نے ان کی آنکھوں میں چھپی سچائی اور دکھ دیکھ لی۔۔۔۔ پھر وہ ہنسی تو ہنستی ہی چلی گئی، تحریم نے پریشانی سے اسے دیکھا، ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

زمل میری بچی۔۔۔میری جان۔۔۔۔انہوں نے آگے ہو کر اسے اپنے ساتھ لگانے کی کوشش کی تو زمل نے جھٹک دیا۔

ماما مت کریں ایسا۔۔۔خدارا ایسا مت کریں۔ مجھے کسی گائے بھینس کی طرح زبح مت کریں، بلکہ ہاں ذبح کر دیں لیکن ایسا سلوک مت کریں۔ بابا نے۔۔۔مجھ سے پوچھنا تو بہت دور۔۔۔۔خود بتانا بھی گوارہ نہیں کیا۔

زمل ہچکیوں سے رو دی۔

زمل میری جان ! تمہارے بابا کہہ رہے تھے وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ بہت بڑا گھر ہے۔۔۔۔تم بہت خوش رہو گی وہاں پہ۔ زمل نے حیرت سے تحریم کی جانب دیکھا، چند لمحے اپنے آپ کو قابو میں لانے کیلیے لیے پھر بولی ماما کافی دن پہلے میں نے ایک بیان سنا تھا: جب حضرت علی حضرت فاطمہ کا رشتہ لے کر آئے تو یہ جانتے ہوئے کہ رشتہ پہلے ہی آسمان پر بن چکا ہے، آپ ؐ نے ہاں نہیں کی، بلکہ کہا ان شا اللہ، اور اٹھ کر فاطمہ کے پاس آئے اور کہا "بیٹی علی رشتہ لے کر آیا ہے تو کہے تو ہاں کر دوں؟ "ماما کاش کہ۔۔۔۔۔کاش کہ۔۔۔کچھ نہیں، آپ یہاں میری رائے لینے نہیں آئی ہیں۔۔۔۔۔ابھی کیلیے پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ تحریم تو باورچی خانے سے باہر آ گئیں لیکن زمل نے اگلا قدم اٹھانے کے متعلق سوچ لیا۔ زمل کمرے میں آئی تو الماری میں سے موبائل نکال کر کافی دیر تک اسے دیکھتی رہی، جو قدم وہ اٹھانے کا سوچ چکی تھی اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا آسان کام نہیں تھا۔

گھر چھوڑ کے جانے کی جو ازیت ہے اسے وہی محسوس کر سکتا ہے جو اس پر سے گزر ا ہے۔ اور جو ایسا قدم اٹھاتے ہیں ان کے خلاف فتووں کی ایک لمبی فہرست موجود ہے لیکن کبھی کسی نے یہ نہیں سوچا کہ آخر ایسے کیا حالات تھے، ایسی کیا پریشانی تھی، ایسی کیا مجبوری تھی جس نے بچی کو یہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ لڑکی کے اپنے گھر میں ایسے کیا حالات تھے کہ اس نے باہر کی ننگی بھوکی دنیا کو ترجیح دی، حقیقت یہ ہے کہ جب ہم تصویر کے دونوں رخ دیکھنا شروع کر دیں تو وہ لوگ جن سے ہم نفرت کرتے ہیں ان میں سے آدھے ہماری محبت کے حقدار ٹھہریں گے۔

زمل نے دھڑکتے دل کے ساتھ زی کا نمبر ملایا، بیل جا تو رہی تھی لیکن کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ زمل کی دھڑکن ہر گزرتی

بیل کے ساتھ تیز ہوتی جارہی تھی، آخرکار چھٹی بیل پرفون اٹھالیا گیا۔۔۔۔وہ دونوں کئی لمحے کچھ بول ہی نہ پائے، یہ اس دن کے بعد اب ان کی پہلی گفتگو تھی۔

زی! زمل نے بڑی ہمت کر کے بولا۔

بولو چندا۔اور زمل بتا نہیں سکی کہ اس لفظ نے اسے کتنی ہمت دی تھی۔

زی۔۔۔مجھے یہاں نہیں رہنا۔۔۔مجھے اب اس گھر میں نہیں رہنا۔۔۔مجھ سے۔۔۔مجھ سے نہیں۔۔۔

زمل زاروقطار رونا شروع ہوگئی۔

زمل !۔۔۔میں کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کروں گا۔۔۔میں تمہارے ساتھ مخلص ہوں۔میں جھوٹ نہیں بولوں گا شروع میں میں نے تمہیں اپنے صرف اپنے لیے تفریح کا سامان سمجھا۔۔۔۔۔۔لیکن گزرتے وقت کے ساتھ میں خود حیران ہوں کہ آخر میں تم سے بات کیئے، تمہاری آواز سنے اور تمہاری خیریت جانے بغیر بے سکون کیوں رہتا ہوں۔

زمل منہ پر ہاتھ رکھے اس کو سن رہی تھی، وہ اس لمحے خود کو کسی اور ہی جہان میں محسوس کر رہی تھی، جیسے اس کی سانس لینے کی آواز سے بھی وہ طلسم ٹوٹ جائے گا۔

زمل میں۔۔۔میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں، اگر ایک دو دن تک تمہاری کال نہ آتی تو میں خود کر لیتا۔میں یہ جان کر بہت کرب میں ہوں کہ تم وہاں پر خوش نہیں ہو، اگر تم کہو تو میں اپنا رشتہ بھجواوں؟ زی نے پوچھا تو زمل گھبرا گ ءکہ کیا کہے۔ زمل؟

زی !بابا کبھی بھی نہیں مانیں گے، وہ میرا رشتہ اپنے کسی دوست کے بیٹے کے ساتھ کر چکے ہیں۔

زمل !!میں اگر کہوں کے میرے ساتھ چلو؟ کہاں؟

اس سب سے بہت دور۔میں جاب کرتا ہوں، ممی اور ڈیڈا اگر ناراض ہوئے بھی تو زیادہ دیر تک نہیں رہیں گے، وہ جلد ہی مان جائیں گے، ہم کسی دوسرے شہر میں شفٹ ہوجائیں گے یا کسی دوسرے ملک میں۔۔۔زمل۔۔۔تم سن رہی ہونا چندا؟ ہاں۔

تم چلوگی؟

پتا نہیں۔کتنی ہی دیر خاموشی چھائی رہی، پھر زی نے کہا، زمل یہ فیصلہ بہت بڑا ہے، میں جانتا ہوں، لیکن تم ایک مرتبہ سوچ لو پھر بتا دینا۔جی۔

زمل۔۔۔۔میری طرف سے تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اس کی گارنٹی میں خدا کو گواہ بنا کر دیتا ہوں۔۔۔) زمل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (مجھے تمہارے فیصلے کا انتظار رہے گا۔یہ کہہ کر زی نے فون بند کر دیا اور زمل نے

آنکھیں بند کر کے سر پیچھے کو لگا دیا۔زندگی کس دوراہے پر لے آئی تھی اسے۔

☆☆☆☆☆☆☆

زمل میں نے تمہارے رشتے کی بات کی تھی نا،آج وہ لوگ تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں شام کو،تمہارے بابا بھی وہیں پر ہوں گے۔تحریم نے ہفتے کی صبح آ کر اسے بتایا،اس وقت وہ اپنا بستر درست کر رہی تھی۔جب زمل کی جانب سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ پھر سے بولیں، وہ لوگ تو لڑکے کو بھی ساتھ لانا چاہ رہے تھے،تاکہ بچے ایک دوسرے کو جان لیں لیکن تمہارے بابا نے منع کر دیا،وہ کہہ رہے تھے کہ پہلے ماں باپ پسند کر لیں تو پھر لڑکا بھی مل ہی لے گا۔زمل نے حیرت سے اپنی ماما کی طرف دیکھا جو ایسے ظاہر کر رہی تھیں جیسے زمل نے خود کہا ہو کہ وہاں پر اس کی شادی کی جائے۔

ماما کیا ان کو منع کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے؟زمل نے جواب سے آگاہی ہوتے ہوئے بھی سوال کر ڈالا۔

زمل ! بچے ان سے مل تو لو،ہوسکتا ہے وہ لوگ اچھے ہوں۔۔۔۔۔

ماما میں جان گئی کہ وہ کتنے اچھے ہوں گے،آخر پسند جو بابا کی ہے۔وہ استہزانیہ ہنسی۔

آج تم اپنا وہ میرون سوٹ پہن لینا جو اپنی پارٹی پر پہنا تھا۔

جی ٹھیک۔زمل یہ کہہ کر پھر سے کام کرنے میں مصروف ہوگئی،تو تحریم بھی نیچے باورچی خانے چلی آئیں۔زمل نے جب تصدیق کر لی کہ اب وہ دوبارہ نہیں آئیں گی تو اس نے موبائل نکال کر زی کو میسج کیا۔

میں آں گی۔

توقع کے عین مطابق اسی وقت جواب آ گیا۔

میں کس آوں لینے؟

آج۔

آج؟تصدیق کرنا چاہی۔

ہاں آج رات میں،شام میں لوگ مجھے دیکھنے آ رہے ہیں۔ان کے جانے کے بعد ماما اور بابا کو خالہ کی برسی میں شرکت کیلیے مظفر آباد جانا ہے۔تقریبا دس بجے میں باہر آ جاوں گی۔زمل نے اسے ساری ترتیب بتائی۔

ٹھیک دس بجے تمہارے گھر کے باہر ایک سفید کورولا موجود ہوگی۔میں انتظار کروں گا۔زی نے بھی ہامی بھر لی۔

زی؟

ہاں۔

مجھے ڈر لگ رہا ہے۔زی کو لگا جیسے کوئی معصوم سا بچہ اندھیرے سے ڈر گیا ہو۔

ابھی ڈر لگنا فطری ہے،میں کوشش کروں گا کہ اس ڈر کو کم کرنے میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں۔زی نے اسے تسلی دی

زی؟

ہاں۔

آج تو اپنا پورا نام بتا دیں؟ زمل کو وہ وقت یاد آیا جب پہلی بار وہ اس کے نام پوچھنے پر بولا کہ اس کا نام زی ہے تو وہ جی بھر کے حیران ہوئی۔

یہ میرا نک نیم ہے مجھے اچھا لگتا ہے کہ تم مجھے اس نام سے بلاو۔

زی بلا اختیار ہنسا پھر جواب دیا۔

اب نکاح کے وقت ہی بتاں گا، رات تک کا انتظار کرو۔

اور زمل بھی مسکرا دی، کافی دنوں بعد سہی لیکن آج وہ پر سکون تھی۔

☆☆☆☆☆☆

شام میں جب وہ لوگ اسے دیکھنے آئے تو وہ خاموشی سے تیار ہو کر ان کے درمیان بیٹھ گئی۔ اس نے کسے بھی چیز میں دلچسپی نہ دکھائی، نہ ہی تب جب زارا) لڑکے کی ماں (نے اسے اپنے ساتھ لگایا اور بولیں، بھئی بھائی صاحب میں نے اپنی بہو نہیں بلکہ بیٹی چن لی ہے، آج ہی ضارون کو سرپرائز دیں گے کہ اس کی ہونے والی بیوی مل گئی۔

نہ ہی تب جب صبور شاہ نے اس کے ہاتھ پر چند ہزار ہزار کے نوٹ رکھ دیے تو اس نے منع کرنا چاہا لیکن مزاحمت کام نہ آئی۔

پھر جب صبور شاہ نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے یہ پوچھا، زمل یہ رشتہ آپ کی مرضی سے تو ہو رہا ہے نا؟

تو یک دم زمل کے ہاتھ پاں پھولنا شروع ہو گئے، وہ اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی لہذا اس نے جھوٹ بولنے سے بہتر وہاں سے اٹھ کر اندر چلے جانا زیادہ مناسب سمجھا۔ اپنے پیچھے اس نے رفیق صاحب کی آواز سنی، زمل کی رضامندی شامل ہے اس رشتے میں، تحریم نے خود پوچھا تھا اس سے، تبھی تو یوں شرما گئی ہے۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد رفیق صاحب اور تحریم بھی مظفر آباد جانے کیلیے تیار ہونے لگے۔ زمل ہی ان دونوں کو دروازے تک چھوڑنے آئی، رفیق صاحب نے اس کے سر پر پیار دیا جو کہ اس بات کی نشانی تھا کہ اب وہ اس سے ناراض نہیں ہیں۔ وہ بے اختیار تحریم سے لپٹ کر رو دی) شاید آج کے بعد آپ سے کبھی نہ مل سکوں (انہوں نے اسے خود سے پیار سے الگ کیا اور اس ماتھے پر بوسہ دیا اور بولیں، بہادر بنو، ہمایوں ساتھ ہی ہے تمہارے، اسے دیکھ لینا رات میں ڈر جاتا ہے، اور ہم لوگ کل شام تک آنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے محبت سے دوبارہ زمل کو ساتھ لگایا اور ٹیکسی میں بیٹھ گئیں جہاں رفیق صاحب پہلے ہی ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد زمل کا دل بھر آیا۔ نا جانے کس طرح وہ اپنے کمرے تک گئی پھر جا کر ایک بیگ نکالا، اس میں چند عام سوٹ رکھے، ایک ڈائری ساتھ لی اور ایک بڑی سی چادر لیے باہر آ گئی) کسی بھی قسم کی رقم یا جیولری ساتھ لانے سے زی نے سختی سے منع کیا تھا (۔

گھر کی دہلیز پر قدم رکھے تو وہ من من کے محسوس ہوئے۔ایک آخری نگاہ اپنے گھر پر ڈالی اور پھر باہر قدم رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆

باہر قدم رکھا تو ویرانی نے اس کا استقبال کیا۔باہر کوئی گاڑی نہیں تھی ،بلا اختیار موبائل پر موصول ہونے والا پیغام دیکھا۔

گلی تنگ ہونے کی وجہ سے میری گاڑی نہیں آ سکی ، میں بالکل گلی کے کارنر پر ہوں۔۔۔۔زمل نے کوئی جواب نہ دیا ۔وہ گلی کے آخر تک جانے کیلیے چل پڑی۔ہاتھ میں اٹھایا بیگ اسے اس وقت بہت وزنی لگ رہا تھا، بار بار آنکھوں میں آنسو آ جاتے جن کو وہ بڑی مشکل سے روکے ہوئے تھی۔

ایک لمحہ بھی نہ سوچا کہ کسی ایسے شخص پر اعتبار کرنا ٹھیک ہوگا بھی یا نہیں جس کا اصل نام تک وہ جانتی نہیں ہے۔۔۔۔

۔اس وقت اپنی گلی اسے پل سراط جیسی لگی ، اپنی ساری زندگی وہ اپنی آنکھوں کے سامنے چلتی دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔

اور صرف ایک سوال اس کے ذہن میں تھا۔

کیا وہ صحیح کر رہی ہے؟

گلی سے گزرتے وقت زمل کی نظر ایک بھکاری پر پڑی جو کے سنسان گلی میں ٹھٹھر رہا تھا، نا جانے کیوں زمل کو اسے قریب سے دیکھنے کا اشتیاق ہوا، زمل نے دو تین قدم اس بھکاری کی طرف بڑھائے تو معلوم ہوا کہ وہ بھکاری اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کی چھ سات سالہ بیٹی بھی تھی جو کہ دنیا بھر کا سکون چہرے پر سمیٹے ایک گندی سی چادر میں اردگرد سے بے خبر مزے سے سو رہی تھی ، زمل نا جانے کتنی دیر ان دونوں کو دیکھتی رہی۔اسے وہ وقت یاد آیا جب وہ ایک مرتبہ بیمار ہوئی تو رفیق صاحب رات کے ڈھائی بجے اسے لیے سڑکوں پر پھرے تھے، اسے وہ وقت بھی یاد آیا جب وہ سیڑھیوں سے گری تھی تو اس کے زخم دیکھ کر رفیق صاحب کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھر گئیں تھی۔۔۔

۔۔۔آنکھیں تو زمل کی بھی برسنا شروع ہوگئی تھیں ،اور اب وہ ایک تلخ فیصلہ کر چکی تھی۔اس کی سوچوں کے تسلسل کو موبائل فون کی زوں زوں نے توڑا۔اس نے اپنا موبائل سامنے کیا تو "زی کالنگ " لکھا آ رہا تھا۔زمل نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل اٹھایا۔

چندہ تم کہاں ہو؟ میں انتظار کر رہا ہوں۔دوسری جانب زی کی پریشان آواز سنائی دی۔

زی۔۔۔بمشکل بول پائی۔

زی۔۔۔۔میں۔۔۔

زمل تم ٹھیک تو ہو نا اور کیا گلی میں ہو، میں آؤں؟ زی نے پوچھا۔

نہیں زی، مت آنا۔۔۔۔۔۔میں نہیں آ سکتی۔۔۔۔زمل نے رونا شروع کر دیا۔دوسری جانب خاموشی ہی رہی

۔

زی مجھے بابا کی محبت نے روک لیا، وہ میرے بابا ہیں۔۔۔۔۔میں کیسے۔۔۔۔۔کیسے آ سکتی ہوں ان کو دھوکا دے کر۔۔۔۔۔۔۔مجھے معاف کر دینا زی۔۔۔۔۔لیکن میں نہیں آ سکتی۔۔۔۔آ ئی ایم سوری۔۔۔آ ئی ریئلی ایم۔

۔دوسری جانب اب بھی خاموشی ہی تھی۔

زی!

ہاں۔

کچھ کہو گے نہیں؟

کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟

وہ ہا۔۔ہاں۔۔زمل رو دی۔

پھر رومت، پلیز مجھے تکلیف ہوتی ہے، میں دعا کروں گا کہ۔۔۔۔۔کہ تم جس کے ساتھ بھی رہو۔۔خوش رہو۔

زی کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔زمل کو لگا جیسے وہ بھی رو رہا تھا۔وہ بمشکل کہہ پائی۔

اللہ حافظ۔

اللہ حافظ۔۔۔۔۔۔۔۔۔زمل نے فون بند کیا، اس میں سے سم اور میموری کارڈ نکال کر توڑا، وہ موبائل اس بھکاری کی جھولی میں ڈال دیا اور خالی ذہن لیے واپس پلٹ آئی۔اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اسے لگا جیسے پہلی مرتبہ وہاں قدم رکھ رہی ہو۔

اندر آ کر باہر کا دروازہ بند کیا، ہمایوں کو اس کے کمرے میں دیکھا اور اپنے کمرے میں آ گئی، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی وہ الماری کے پاس آئی اس میں بیگ رکھا، واش روم سے وضو کر کے آئی اور جائے نماز بچھالیا۔اس پر کھڑے اور نماز پڑھتے ہوئے زمل کو احساس ہوا کہ وہ زندگی میں پہلی بار نماز پڑھ رہی ہے، جیسے اس کی زندگی شروع ہی اب ہوئی ہے۔۔۔۔جیسے پہلی زندگی ایک سراب تھی۔۔۔۔زمل کو اپنی ساری زندگی کبھی نماز پڑھتے رونا نہیں آیا تھا نہ ہی کبھی دعا کے دوران آنسو اس کی آنکھوں سے چھلکے تھے لیکن وہ اس کی پہلی نماز تھی، جس میں آنسوؤں سے اس کی آنکھیں خشک نہ ہوئیں۔وہ پہلی نماز تھی جس میں وہ ہچکیوں سے روئی اور وہ پہلی دفعہ تھا جب دعا مانگتے ہوئے زمل کے آنسو برابر کے شریک تھے۔

اللہ !۔۔۔۔۔اللہ !۔۔۔۔۔مجھے سکون دے دیں۔۔پلیز اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔میں نہیں جانتی میں نے جو کیا ۔۔۔جو میں ابھی کر آئی وہ ٹھیک تھا یا نہیں، میں نہیں جانتی وہ بھکاری، اس کی بیٹی۔۔۔۔وہ سب آپ کی طرف سے کوئی اشارہ تھا یا۔۔۔۔میں نہیں جانتی کہ میں نے آج ہی اس کو وہاں کیوں دیکھا۔

اللہ مجھے سکون دے دیں، میرے اندر برپا طوفان کو تھما دیں۔زمل کی ہچکیاں دعا میں رکاوٹ بن رہی تھیں لیکن اس

وقت وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دعا کے طریقوں میں سے ایک اپنائے ہوئے تھی۔
اللہ مجھے اس گناہ کیلیے معاف کردیں جس کا میں نے ارادہ کیا تھا۔۔۔۔۔اللہ میرا پردہ رکھیئے گا، اللہ زی کی محبت کو میرے دل سے نکال دیں۔۔۔۔۔ پلیز اللہ۔۔۔۔ پلیز مجھ سے ایسے نہیں جیا جائے گا۔۔۔۔۔ مجھے سکون دے دیں۔۔۔۔۔۔اور اسی طرح آنسو بہاتے ہوئے وہ سجدے کی حالت میں سو گئی۔
اگلی شام تحریم اور رفیق صاحب آئے تو زمل کو بخار میں تپتا ہوا پایا، تحریم تو صحیح معنوں میں پریشان ہو گئیں۔زمل کو ہاسپٹل میں داخل کرنا پڑا، تین دنوں کے بعد اس کی حالت کچھ سنبھلی۔اتنے میں صبور شاہ اور ان کے گھر والوں کی طرف سے بھی رشتہ منظور ہو گیا، انہوں نے اتوار کی شام کو رفیق صاحب کو اپنے گھر کھانے پر بلوا لیا۔زمل اس سب کے دوران خاموش سامع کا کردار ادا کرتی رہی شاید اسے سکون مل ہی گیا تھا، تحریم نے اس خاموشی کو اس کی زندگی میں آنے والی تبدیلی سمجھا اور ان کو امید تھی کہ زمل شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆
اس وقت وہ سب لوگ صبور شاہ کے گھر کھانے پر مدعو تھے، تحریم ضارون کے بالکل سامنے تھیں اور رفیق صاحب اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔تحریم کو ضارون بہت پسند آیا تھا، وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے رفیق صاحب کی کسی بات کا جواب دے رہا تھا جب زارا بولیں، ہم اتنی لیٹ آپ لوگوں کو آگاہ کرنے پر معذرت خواہ ہیں، دراصل پچھلے ہفتے ضارون کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، جیسے ہی اس کی حالت بہتر ہوئی ہم نے آپ سے رابطہ کیا۔اتنے میں رفیق صاحب بولے، نہیں معذرت والی تو کوئی بات نہیں ہے، اس طرح کے کاموں میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے ضارون بیٹا ! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ تحریم نے ضارون کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔
اللہ کا شکر ہے پہلے سے بہتر ہے، بس ٹانگ میں وقفے وقفے سے درد ہوتا ہے لیکن پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے۔ ضارون نے سلجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔
اب زمل کی طبیعت کیسی ہے تحریم؟ بخار ٹھیک ہوا اس کا اب؟ زارا نے تحریم سے پوچھا تو ضارون کی آنکھیں زارا سے ہوتے ہوئے تحریم تک آئیں ان آنکھوں میں پریشانی تھی جسے تحریم نے جواب دیتے ہوئے محسوس کیا۔
اب زمل بہت بہتر ہے، اس دن گھر میں صرف وہ اور ہمایوں تھے، ڈر گئی تھی وہ اس لیے بیمار پڑ گئی، دراصل اکیلے رہنے کی عادت نہیں ہے اسے۔تحریم نے انہیں تفصیل سے آگاہ کیا۔ہمایوں ضارون کی چھوٹی بہن کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ضارون کی بہن کا نام ہنال تھا وہ میڈیکل کے پہلے سال میں تھی۔
بھائی آپ ہمایوں کو پیرٹس دکھالائیں گے؟ ہنال نے ضارون سے پوچھا جو کہ اب پریشان دکھائی دے رہا تھا، اس نے ہمایوں کو دیکھا جو کہ اسے ہی دیکھ رہا تھا تو مسکرا کر اضطراب کم کرنے کی کوشش کی اور ہمایوں کو لے کر باہر چل دیا

ضارون کوطوطے پسند ہیں کیا؟ رفیق صاحب نے صبور صاحب سے پوچھا۔
پہلے تو نہیں تھے لیکن یہ پچھلے پانچ مہینوں سے ہی شوق ہوا ہے اسے، بہت لگا سا ہو گیا ہے ہم سب کو ہی ان سے۔
صبور صاحب نے بتایا۔ پھر اس کے بعد ضارون اور زمل کے نکاح کی تاریخ طے کی گئی، کیونکہ رفیق صاحب کے نزدیک منگنی کی کوئی شرعی حیثیت نا ہونے کی وجہ سے انہوں نے صاف صاف کہا کہ وہ لوگ نکاح کریں گے، اس بات کو صبور صاحب نے بھی سراہا۔
طے ہوا کہ اگلے ہفتے دونوں کا نکاح کر دیا جائے اور پھر اس کے ایک مہینے کے بعد رخصتی کی تاریخ بھی طے کر دی گئی ۔جب تحریم گھر آئیں تو وہ مطمئن تھیں کہ ان کی بیٹی بہت اچھے لوگوں میں بیاہ کر جا رہی ہے۔
گھر آ کر وہ سب سے پہلے زمل کے کمرے میں گئیں۔ وہ بیڈ پر بیٹھی ڈائری لکھ رہی تھی۔ اس کے پاس جا کر اس کا ماتھا چوما اور اپنے ساتھ لگا لیا۔ زمل کو لگا کہ شاید رشتے سے انکار ہو گیا ہے، امید کی ایک کرن سی جاگی۔
میری زمل تو اب بس کچھ ہی ہفتوں کی مہمان ہے یہاں، زمل بیٹا میرا یقین کرو وہ لوگ بہت اچھے ہیں، خاص طور پر ضارون مجھے بہت پسند آیا ہے۔ دونوں طرف سے رضا مندی کے بعد تمہارے بابا نے کہا کہ جلد شادی کرنی ہے تو وہ بھی بولے کہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ زمل چپ کا کلمہ پڑھے ان کے ساتھ لگی رہی۔
زمل اگلے ہفتے تمہارا نکاح ہے۔ زمل نے سر اٹھا کر تحریم کو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
پھر اگلے مہینے کی سات تاریخ کو رخصتی ہے۔ اب کی بار زمل باقاعدہ ان سے لپٹ کر رونا شروع ہو گئی۔ تحریم نے بمشکل اسے چپ کروایا۔
آپ آج یہاں میرے پاس سو جائیں ماما پلیز۔
میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔ وہ جب چلی گئیں تو زمل نے ڈائری دراز میں رکھ دی اور سر پیچھے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔
اللہ مجھے دل سے اس رشتے کو قبول کرنے کی ہمت اور توفیق عطا کر دیں۔۔۔ آمین۔ دل ہی دل میں وہ یہ دعا کرتی کب سو گئی اسے پتا نہیں چلا۔
☆☆☆☆☆☆
نکاح کا فنکشن ایک میرج ہال میں ترتیب دیا گیا تھا۔ لڑکے والوں کی طرف سے تو بہت سارے مہمان تھے لیکن لڑکی والوں کی طرف سے صرف زمل کے گھر والے اور زمل کے ایک ماموں تھے۔ زمل برائیڈل روم میں لمبی سی آف وائیٹ کام والے بڑے گھیرے والی میکسی میں نہایت ہی خوبصورت لگ رہی تھی، آج سے پہلے اتنا میک اپ نا کرنے کی وجہ سے بھی اس کے حسن میں بہت نکھار آیا تھا۔ لیکن اس کا دل اتنا ہی ویران تھا اور یہی ویرانی آنکھوں سے چھلکتی ہوئی اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہی تھی۔

نکاح کے وقت زمل کو لگا اس کا دل بند ہو جائے گا، لیکن جب اس نے "قبول ہے" کہا تو کچھ نہ ہوا۔ دستخط کرتے وقت زمل کے ہاتھ کانپ رہے تھے، لیکن دستخط بھی ہو گئے۔ اب سب لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے، کسی نے زمل کو گلے لگایا تو کسے نے ماتھا چوما، لیکن وہ خالی ذہن لیے وہیں چپ چاپ بیٹھی رہی۔ آہستہ آہستہ سب لوگ باہر چلے گئے کیونکہ مہمانوں کیلیے کھانے کا انتظام دیکھنا تھا، جبکہ ہنال کمرے میں زمل کے پاس ہی رک گئی۔

زمل بھابھی ! بھائی آج اتنے خوبصورت لگ رہے تھے کہ ہال میں آنے سے پہلے تک تو میں شیور تھی کہ آج میرے بھائی سے زیادہ اچھی کسی کی پرسنیلیٹی نہیں ہوگی۔۔۔لیکن آپ کو دیکھنے کے بعد تو مجھ پر عیاں ہوا کہ بھائی تو حسن میں پیچھے رہ گئے آپ سے۔۔۔ ہنال کی باتوں پر زمل بیاختیار مسکرادی، واللہ آپ مسکراتے ہوئے بہت خوبصورت لگتی ہیں، اسی طرح مسکراتی رہا کریں۔ زمل کو سمجھ نہ آئے کہ وہ اب کیا کہے تو بولی شکریہ۔

پتا کیا بھابھی ! ضارون بھائی نے آپ کی تصویر دیکھی تو کہا بس ڈیڈی لڑکی آپ نے کرلی پسند اب جلدی سے شادی کردیں میری۔ آپ کے بابا نہ کہتے تو ڈیڈی نے جلدی شادی کا کہہ دینا تھا، اور دیکھو تو بھائی کو۔۔۔ مجھے تصویر نہیں دکھائی تھی، بولا کہ براہ راست دیکھنا۔

زمل کی مسکراہٹ ایک دم ماند پڑ گئی۔

اور دیکھیں اب مجھے کہہ رہے ہیں کہ کمرے سے باہر آ و۔ ہنہ۔ ہنال نے منہ پھلا کر کہا۔

کیوں۔۔؟ زمل نے بمشکل آواز نکالی۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، زمل سیدھا ہو کر بیٹھ گئی، جبکہ ہنال آنکھوں میں شرارت لیے دروازے کی طرف آئی۔

کون ہے؟ ہنال نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

ہنال دروازہ کھولو میں ہوں۔ زمل نے ضارون کی گھمبیر آواز سنی۔

میں تو کسی "میں" کو نہیں جانتی۔ نہ ہی میرا کوئی دوست "میں" ہے، نہ ہی فیملی میں۔۔۔

ہنال اب کھول بھی دو دروازہ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ ضارون کی آواز سے غصہ چھلکنے لگا۔

نہ نہ بھائی، پہلے اتنی پیاری بھابھی کی تصویر نہیں دکھائی اور اب بھی ٹھیک سے ملنے نہیں دیا۔ ہنال نے کسی غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

ہنال مل تو لیا ہے اپنی بھابھی جان سے، اب جا کر کھانا کھا۔ ضارون نے لفظ بھابھی جان پر زور دیا۔

بھائی جان، ہم یہاں کھا چکے ہیں۔ ہنال نے بھی اسی طرح لفظ جان پر زور دیا، جس پر ضارون کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

اچھا بتا کہ کیا کروں تو آنے دو گی اندر؟ ضارون نے جیسے ہار مانتے ہوئے کہا۔

آپ پہلے پرمٹ دکھائیں۔ ہنال نے ہنسی دبائے کہا۔

ہنال میری جان، میرے خیال سے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ غریب کا ہی نکاح ہوا ہے۔ضارون نے ہنسی دبائے کہا

کیا ثبوت ہےآپ کے پاس۔ ہنال نے اسے مزید تنگ کرنا چاہا۔

ثبوت تو اس وقت ڈیڈ کے پاس ہے، بلکہ تمہارے ساتھ کمرے میں جیتا جاگتا ثبوت بھی ہے۔ضارون کا اشارہ سمجھتے ہوئے ہنال نے قہقہا لگایا جبکہ زمل کا دل سینہ پھاڑ کر باہر آنے کی تیاریوں میں تھا، وہ چاہ کر بھی مسکرا نا سکی۔

اچھا چھوڑیں ثبوت کو ایک ڈیل کرتے ہیں۔ ہنال نے نئی تجویز دی۔

بولو۔ضارون بھی گھٹنے ٹیک چکا تھا۔

ایک ڈائمنڈ نیکلیس۔ ہنال نے فرمائش کر ڈالی۔

تم اب زیادہ مہنگی نا پڑو۔ضارون نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

ٹھیک ہے اگر آپ کو بھابھی سے نہیں ملنا تو۔ ویسے آج آف وائیٹ میں وہ لگ کمال کی رہی ہیں۔ ہنال نے مزید تنگ کیا۔

ڈائیمنڈ نیکلس کے ساتھ ایک رنگ بھی، اب خوش۔ جیسے ہی ہنال کی فرمائش ڈن ہوئی کلک کی آواز آئی اور ضارون کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ زمل کو لگا کہ اس کا دل بند ہونے کو ہے۔ وہ اس وقت برائڈل روم کے صوفے پر بیٹھی تھی، ضارون کے اندر آنے پر وہ مزید سکڑ گئی، ضارون نے آنکھ کے کونے سے منظر دیکھا اور محظوظ ہوا۔

بھابھی آپ گواہ رہیئے گا بھائی کے اس وعدے کا۔ ہنال نے اتنا کہا اور باہر چل دی۔اس کے جانے کے بعد ضارون نے دروازہ لاک کیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا زمل کے عین سامنے کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔۔ . چند لمحوں کی خاموشی کے بعد زمل نے ایک آواز سنی جس کو سننے کے بعد اس کی دنیا تھم گ ء، یہ وہ آخری آواز اور الفاظ تھے جن کو سننے کا تصور وہ آج کر سکتی تھی۔

السلام علیکم چندا!!!!

☆☆☆☆☆☆

زمل کا دل یکدم بند ہو گیا۔ حیرانی سے اس نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا۔تو وہاں وہ مکمل مردانہ وجاہت لیے کھڑا تھا، وہ بالکل اس کے سامنے تھا۔۔۔۔۔ہاں وہ وہی تھا۔۔۔۔۔۔۔زمل کے دل نے گواہی دی کہ وہ زی ہے ز۔۔۔ز۔۔۔زی۔۔۔ی۔۔۔آواز نے زمل کا ساتھ چھوڑ دیا، بمشکل اتنا کہہ پائی، آنکھوں میں بے یقینی، حیرانی اور پتا نہیں کیا کچھ تھا۔

اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔زمل اپنے ہوش سے بیگانا ایک جھٹکے سے اٹھی اور اٹھ کر زی کے دونوں ہاتھ

تھام لیے۔

زی۔۔۔زی مجھے یہاں سے لے جاو، یہ۔۔۔۔یہ یہاں۔۔۔انہوں نے میرا نکاح کر دیا زی، مجھے یہاں سے لے جاو۔زمل نے روتے ہوئے زی کے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا،زی مسلسل مسکرا رہا تھا لیکن زمل نے دیہان ہی نہیں دیا۔

زی۔۔۔تم سن رہے ہونا؟ زمل کو لگا کہ وہ یہاں نہیں ہے بلکہ زمل کا گمان ہے،تو اس نے یقین کرنا چاہا۔

ہاں میں سن رہا ہوں؟ یہ وہی آواز تھی،زی کی آواز،وہ اس کے اتنے پاس کھڑا تھا۔

زی مجھے یہاں نہیں رہنا، میں نے اس دن نہ آ کے غلطی کی تھی، مجھے لے جاو۔۔۔مجھے ابھی لے جاو۔زمل نے اس کے ہاتھوں پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

خدا کا خوف کرو چندا ! تم وہ پہلی بیوی ہو جو کہ اپنے ہی شوہر سے کہہ رہی ہے کہ اسے بھگا کے لے جائے وہ بھی نکاح والے دن۔زی نے ہنستے ہوئے کہا،اب کی بار زمل جیسے ہوش میں آئی،کئی لمحے وہ ضارون کو پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتی رہی۔ضارون نے بھی آنکھیں نہ جھپکائیں جیسے وہ اس کے شک کو یقین میں بدل رہا ہو۔

ا۔ا۔آ۔۔۔آپ ضارون ہی۔۔ز۔۔۔زی ہیں؟ نا جانے کس طرح یہ سوال کیا۔

ہاں چندا ! میں ہی ضارون،تمہارا زی۔ضارون نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا،زمل ابھی تک بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی،جیسے آنکھیں بند کر کے کھولے گی تو وہ غائب ہو گا۔

ویسے مجھے اچھا لگے گا اگر تم مجھے زی ہی کہو،وہ کیا ہے نا اپنی چندا کے منہ سے زی سننے کی عادت سی ہو گئی ہے۔

ضارون ایک بار پھر بولا لیکن زمل اسی طرح ہنوز چپ تھی، اچھا تو مجھے اس وقت تمہارا یوں اپنے ہاتھوں کو پکڑنا بھی لگ رہا ہے۔ضارون نے اپنے ہاتھوں کو تھوڑا سا بلند کرتے ہوئے کہا۔پھر جیسے زمل ہوش میں آئی اور جھٹکے سے ہاتھ پیچھے کر دیے جن کو ضارون نے نہایت آہستگی سے دوبارہ تھام لیا،دونوں کو ساتھ ملا کر اپنے ہونٹوں تک لے کر گیا اوران کو نہایت نرمی سے چوما،پھر دونوں کو نیچے اپنے دل پر رکھا۔اس سب کے دوران وہ زمل کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔زمل کے ہواس جیسے لوٹے وہ ضارون کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ضارون پہلے تو گبھرا گیا۔اسے خود سے لپٹا لیا اور مسلسل اس کی کمر پر تھپکی دیتے ہوئے اپنے ہونے کا یقین دینے لگا۔

آہستہ آہستہ جب زمل کی ہچکیاں کم ہوئیں تو ضارون بولا، آج کے دن واٹر پروف میک اپ نے بچا لیا،ورنہ ڈر کر میں تو ضرور بھاگ جاتا۔

اس کی بات کا مطلب سمجھ کر زمل ہنس دی،جس پر ضارون نے شکر کا سانس لیا۔

آپ۔۔۔آپ زی کیسے۔۔۔؟ زمل نے ضارون سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

یہ سوال واقعی بہت اچھا ہے لیکن اس کا جواب بہت لمبا ہے۔۔۔سو یہ پھر کبھی بتاوں گا۔ضارون نے سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا، ابھی تو مجھے ملاقات کے دس منٹ ملے تھے جن میں سے سات آلریڈی گزر چکے ہیں، اب تم اپنا تحفہ لے لو۔

کون سا تحفہ؟ زمل نے ناسمجھی سے پوچھا۔

ہائے۔۔۔لگتا ہے دوبارہ نکاح کروانا پڑے گا تا کہ تمہیں یقین تو آئے، نکاح کا تحفہ۔ضارون نے مصنوعی خفگی سے کہا، جس پر زمل نے قہقہہ لگایا اور سر اثبات میں ہلانے لگی۔ضارون نے مسکرا کر زمل کا ایک ہاتھ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے کوٹ کی جیب سے ایک ڈائمنڈ بریسلیٹ نکال کر زمل کو پہنائی۔

یہ۔۔یہ بہت خوبصورت ہے۔زمل نے اپنائیت بھرے لہجے میں تعریف کی۔ضارون نے دوبارہ ہاتھوں کو بلند کر کے بریسلیٹ پر بوسہ دیا۔

چلو آنکھیں صاف کرو، اب ان آنکھوں میں آنسو نہ آئیں۔ضارون نے اس نے سر کو ہلکا سا تھپک کر کہا۔

اتنے میں دروازہ پر دستک ہوئی اور ضارون نے جا کر اسے کھولا تو تحریم اندر آئیں۔زمل کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے اس کی آنکھوں کو ہلکا سا گلابی دیکھا تو پریشان ہو گئیں۔

زمل تم روئی ہو۔زمل کے قریب آتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

ارے نہیں آنٹی، پلک کا ایک بال آنکھ میں چلا گیا تھا، میں نے نکال دیا تھا، بھلا میرے ہوتے ہوئے یہ رو سکتی ہے۔ضارون نے بات سمبھال لی۔تحریم نے زمل کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا کر نیچے دیکھنے لگی۔تحریم نے اتنے عرصے کے بعد زمل کے ہونٹوں پر حقیقی مسکراہٹ دیکھی تو وہ بھی مطمئن سی ہو گئیں۔

زمل کو لا کر سٹیج پر ضارون کے ساتھ بٹھایا گیا۔سب لوگ ہی اس جوڑے کی بہت تعریف کر رہے تھے۔

چندا! ضارون نے تھوڑا سا جھک کر کہا۔زمل ہچکچاتے ہوئے تھوڑا سا جھکی۔

جی۔

واپسی پر تم میری گاڑی پر گھر جاگی۔ضارون نے بم پھوڑا۔

لیکن آج رخصتی نہیں ہے۔۔۔۔زمل نے ناسمجھی سے کہا۔ضارون نے پہلے ایک بھرپور نگاہ ڈال کر اسے دیکھا پھر بولا وہ کیا ہے آج تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو تو میں نے سوچا کیوں نہ انکل سے رخصتی کا کہہ دوں۔ضارون نے اداکاری میں جھنڈے گاڑتے ہوئے کہا۔

پھ۔۔۔پھر؟ زمل کی آواز کانپی۔

پھر کیا وہ مان گئے۔ضارون نے ایسے کہا جیسے بہت آسان کام تھا۔مگر زمل روہانسی ہو گئی۔

ایسا کیسے کر سکتے ہیں بابا۔۔۔۔اور ماما۔۔۔پھر وہ سٹیج پر تحریم کو ڈھونڈ نے لگی جب ضارون بولا، ہاہاہا یار مذاق کرر ہا ہوں، تمہارے گھر ہی چھوڑوں گا ابھی لیکن واپسی پر تم میرے ساتھ جا گی۔زمل پہلے اسے دیکھتی رہی پھر غصے سے اپنی ہیل کی نوک اس کے پاں پر ماری لیکن ضارون کو فرق نہیں پڑا۔

اچھا چلو نکال لیا غصہ، اب بتا و چلو گی؟

آپ ماما سے پوچھیں۔زمل نے آہستہ سے کہا۔دراصل وہ خود ضارون سے بات کرنا چاہتی تھی۔

تحریم آنٹی سے میں نے پوچھ لیا، انہوں نے کہا۔۔۔اس طرح مت دیکھو واقعی پوچھا تھا، وہ کہہ رہی تھیں اگر تم مان جا و تو کوئی اعتراض والی بات نہیں۔اتنے میں زارا آ کر زمل کے پاس بیٹھ گئیں۔

زمل بچے !ضارون کہہ رہا تھا کہ فنکشن کے بعد آپ دونوں لانگ ڈرائیو پر جار ہے ہو۔زارا نے سوالیہ نظروں سے زمل اور ضارون کو دیکھا۔

جی مما، کیوں سب ٹھیک ہے؟ ضارون نے فکرمندی سے پوچھا۔

ارے ہاں سب ٹھیک ہے، میں بس کہنا چاہ رہی تھی کہ اگر آپ لوگوں نے جانا ہے تو ابھی چلو، تاکہ تھوڑا جلدی گھر آ جا۔زارا نے زمل کے بالوں کی ایک لٹ کو کان کے پیچھے اڑساتے ہوئے کہا۔

جی مما، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔میں ذرا ڈیڈ سے مل لوں۔ضارون یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

زمل میری جان اتنے خوبصورت لگ رہے ہو تم دونوں کہ بیان سے باہر ہے، بس اسی طرح ہنستے مسکراتے رہو ہمیشہ ۔زارا نے کھلے دل سے تعریف کی اتنے میں عالیہ سٹیج پر آ گئی۔پہلے وہ زمل کے گلے لگی، اسے مبارک دی پھر بولی، "ضارون بھائی بہت ہی نائیس ٹائیپ کے انسان ہیں۔زمل نے ناسمجھی سے اسے دیکھا کیونکہ وہ عالیہ کا ضارون سے رشتہ نہیں جانتی تھی۔

ضارون بھائی، سفیان بھائی کے دوست ہیں، ان کی شادی پر بھی آئے تھے۔میرے خیال سے انہوں نے وہیں تمہیں دیکھا۔بہرحال بہت بہت مبارک ہو، اب ہم لوگ بھی بس جانے والے ہیں۔یہ کہہ کر وہ تو چلی گئی لیکن زمل سفیان کی مہندی کی رات ہونے والے واقعے میں اتنا کھوگئی کہ دوبارہ ضارون کے آنے کی خبر نہ ہوسکی۔

کہاں کھو جاتی ہو بار بار چندا؟ ضارون نے چٹکی بجاتے ہوئے پوچھا تو وہ واپس لوٹی۔

ایسے مت دیکھو یار، نہیں تو قسم سے ابھی تمہارے گھر چھوڑنے کی بجائے اپنے گھر لے چلوں گا۔

آپ نے مجھے سب سے پہلے کہاں دیکھا تھا؟ زمل نے سپاٹ چہرہ لیے پوچھا۔

آپ نے کہا تھا کہ آپ نے مجھے کہیں دیکھا ہے۔کہاں دیکھا ہے یہ نہیں بتایا۔

ارے یار اس بارے میں پھر بات ہوگی، ابھی تو چلو سب باہر گاڑی کے پاس ویٹ کر رہے ہیں۔زمل نے نگاہ

دوڑائی تو واقعی وہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔زمل کھڑی ہوگئ۔

مجھے ابھی بتائیں۔اس نے ضد کی۔

زمل بے جا ضد نہیں کرو، چلو اب شاباش۔پہلے تو وہ تھوڑا تیز بولا لیکن پھر اس نے زمل کا ہاتھ تھام لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔

آپ مجھے سب بتائیں گے، سچ سچ۔زمل نے سرگوشی کی،ضارون محفوظ ہوا اور پھر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

سچ سچ۔لیکن یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب سے احساسات تھے جن کو زمل پہچان نا پائی۔ہال کے باہر سب لوگوں نے ان کو گاڑی تک چھوڑا۔اور جب ضارون کی گاڑی چل پڑی پھر سب نے اپنے گھروں کی راہ لی۔

☆☆☆☆☆☆

ہاں جی جناب، کیا کھائیں گی اب آپ؟ ضارون نے زمل کو تھوڑا ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جو کہ تب سے سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔

آپ مجھ سے بات مت کریں۔زمل نے ونڈو کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ کیوں؟ ضارون نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

کیونکہ میں آپ سے ناراض ہوں۔زمل نے اسی طرح کہا۔

اچھا۔۔چلو پھر بتا کہ مانو گی کیسے؟ ضارون نے محفوظ ہوتے ہوئے کہا۔

ابھی سوچنے دیں مجھے کہ میں کیسے مانوں گی۔زمل کی اس بات پر ضارون کا قہقہہ گاڑی میں سنائی دیا۔

اچھا چلو سوچ لو۔

آپ مجھے آئیس کریم کھلا دیں۔زمل نے حل بتایا۔

میں صرف تمہیں آئیس کریم نہیں بلکہ سنیکس بھی کھلاؤں گا۔اس نے ضارون کو کہتے سنا تو اسے دیکھنے لگی، مجھے پتا ہے کہ تم نے کھانا نہیں کھایا میں نے بھی نہیں کھایا۔

مجھ سے کھایا ہی نہیں گیا۔

جانتا ہوں۔پھر ان دونوں نے ڈونٹس لیے اور ساتھ میں ضارون نے کولڈ کافی لی جبکہ زمل نے آئیس کریم۔واپسی پر وہ دونوں لائٹ سا میوزک سنتے رہے اور دونوں میں کوئی بات نا ہوئی، جب گاڑی گھر کے قریب پہنچی تو ضارون نے ایک ڈائری زمل کی جانب بڑھائی۔

زمل میں ڈائری نہیں لکھتا لیکن یہ میں نے لکھی اور صرف تمہارے لیے، کیونکہ میں ان سب سوالوں کے جواب آمنے سامنے کبھی نہیں دے سکتا۔۔۔۔۔۔مجھے لگا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوگا۔

زمل نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر ڈائری لے لی۔ زمل کو گھر چھوڑا تو رفیق صاحب نے اسے چائے کیلیے روک لیا۔ زمل وہاں نہیں رکی۔ اسے جلدی تھی کہ وہ ڈائری پڑھے لہذا وہ کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں آ کر اس نے کپڑے تبدیل کیے اور اچھے سے منہ پر سے سارا میک اپ اتارا۔

اتنے میں تحریم اندر آ ئیں، وہ ضارون سے ملنے کے بعد سے لے کر زمل کے چہرے پر مسکراہٹ کو دیکھ کر مطمئن تھیں۔

آ ج میری بیٹی بہت خوبصورت لگ رہی تھی، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہ ہی زمل ہے۔۔۔۔۔۔بس اب اللہ میری بچی کے نصیب کو ہی اتنا ہی خوبصورت بنا دے۔ دعا کرتے آ خر میں وہ رو دیں، تو زمل ان کے پاس آ ئی اور ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر بولی۔

ماما آ پ روئیں تو نہیں نہ۔ اور تحریم نے اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا اور بولیں، مجھے معاف کر دینا زمل میں نا کبھی خود اپنے لیے ہمت کر پائی اور نا ہی تمہارے معاملے میں کبھی تمہارے بابا کے آ گے بول پائی۔۔۔۔۔لیکن ضارون بہت اچھا لڑکا ہے۔۔۔۔وہ تمہارے بابا جیسا نہیں ہے۔

ماما ایسا مت بولیں، میں خوش ہوں۔۔۔۔آ پ پلیز معافی مت مانگیں۔۔۔۔۔مجھے آ پ کا فیصلہ قبول ہے۔۔۔بابا کا فیصلہ بھی دل سے قبول ہے، اور ہاں ضارون اچھے ہیں، وہ بہت اچھے ہیں۔ زمل نے ہر ممکن ان کو اطمینان دلانا چاہا اور وہ مطمئن ہو بھی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد زمل نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈائری کھولی اور اسے پڑھنا شروع کیا۔

السلام علیکم چندا۔۔۔۔۔۔ایک گزارش ہے کہ یہ ڈائری پڑھنے کے دوران کوئی حتمی رائے مت دینا جب تک مکمل نا ہو جائے۔۔۔۔تو سنو بھئی۔۔۔۔۔۔۔

سفیان کی شادی پر میرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، مجھے آ فس میں کام تھا۔ لیکن اس کے بے حد اسرار پر میں چلا گیا۔ اور وہاں جا کر میں بور ہی ہو رہا تھا جب میں نے مین گیٹ سے ایک سیاہ لباس میں ملبوس بڑی سی چادر لیے ایک لڑکی کو ایک عورت کے پیچھے پیچھے چلتے دیکھا، بے شک وہ پہلی لڑکی نہیں تھی جسے میں چادر میں دیکھ رہا تھا۔ لیکن ہاں وہ پہلی لڑکی تھی جو کہ لائٹنگ کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے کوئی سات آ ٹھ ماہ کا بچہ ہو۔۔۔۔اس کو شاید پتا چل گیا کہ میں دیکھ رہا ہوں تو رک کر ارد گرد دیکھنے لگی لیکن میں نے رخ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے اندر چلے جانے کے بعد میرا دل کیا کہ اسے دوبارہ دیکھوں، عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں اندر چلا آ یا، ارد گرد نگاہ دوڑائی تو وہ سفیان کے دوستوں اور کزنز کے دمیان یوں بیٹھی نظر آ ئی جیسے کوئی ہرن کا بچہ شیروں کے جھرمٹ میں ہو۔۔۔۔۔میں اسے ہی دیکھ رہا تھا کہ ملازم مجھ سے ٹکرا گیا اور مجھ پر جوس گر گیا۔ شگفتہ آ نٹی نے مجھے واش روم کے باہر گندی شرٹ لیے انتظار کرتے دیکھا تو بولیں۔

سفیان کے روم میں چلے جاو بیٹا یہاں رش میں کہاں انتظار کرو گے واش روم کے فارغ ہونے کا۔ میں اوپر سفیان کے کمرے میں آ گیا۔ شرٹ صاف کرنے کے بعد میں وہیں کمرے میں بنے ٹیرس پر کھڑا اسموکنگ کر رہا تھا جب دروازہ

کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی، میں نے بلا اختیار اندر کو جھانکا تو چند لمحے یقین نا کر پایا کہ وہ وہی تھی۔۔۔۔۔۔ .ہاں وہ وہی تھی، وہ اپنا حجاب اتار رہی تھی، یقیناً وہ یہاں میری موجودگی سے بے خبر تھی، میں اسے ہی دیکھ رہا تھا جب نیچے لان میں گانا بدلا تو میں نے اسے ڈانس کرتے دیکھا۔۔۔۔میں کئی لمحے نظر نہیں ہٹا سکا، ہاں وہ پہلی لڑکی نہیں تھی جسے میں ڈانس کرتے دیکھ رہا تھا، ہمارے گھروں کی شادیوں میں یہ عام بات ہے لیکن ہاں وہ پہلی لڑکی تھی جسے میں نے حجاب میں دیکھا اور بعد میں وہ ڈانس کر رہی تھی۔ مجھے اشتیاق ہوا کہ اسے قریب سے دیکھوں، میں جیسے ہی آگے بڑھا تو پاس رکھے گملے سے میرا پاؤں ٹکرا گیا اور درد کی شدت کی وجہ سے ہلکی سی آواز آئی۔۔۔۔لیکن جب دوبارہ سامنے دیکھا تو وہ لڑکی اپنا حجاب درست کر رہی تھی، وہ بہت جلدی میں دکھائی دی اور پھر وہ اپنا موبائل بھی وہیں بھول کر نیچے چل دی۔اور میں وہیں بیٹھا رہا سب سے پہلے میں نے اس کے موبائل سے اپنے موبائل پر بیل کی اور اس کی چند تصویریں اپنے موبائل میں ٹرانسفر کیں، میں نہیں جان سکا میں نے ایسا کیوں کیا۔۔۔۔اب وہی لڑکی آدھے گھنٹے کے بعد آئی وہ شاید اپنا موبائل ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ اندر آئی تو میں نے پہلے دروازہ بند کیا اور پھر لائٹ، میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے پہچانے، مجھے صرف اس کا نام جاننا تھا۔وہ بھاگنے لگی تو میں نے اسے بازو سے کھینچ کر دیوار کے ساتھ لگا یا، ایک بازو میں نے اس کی گردن پر رکھ کر اس کی آواز کو دبانا چاہا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے میں نے اسے دیوار کے ساتھ لگائے رکھا۔وہ بالکل رونے والی تھی، مجھ سے ان آنکھوں میں زیادہ دیر نا دیکھا گیا۔نام پوچھنے پر اس نیا اپنا نام "زمل "بتایا۔میں نے اسے آخری وارننگ دی اور ٹیرس سے ہوتے ہوئے ساتھ والے کمرے کے ٹیرس اور پھر نیچے چلا گیا۔پھر چند دن بعد میں نے تمہیں میسج کیا، پہلے تو ریپلائے نا آیا لیکن جب آیا تو وہ بھی کیا کہ رحما مجھے چندامت کہا کرو۔۔۔۔تم مجھے اپنی دوست سمجھ کر باتیں کرتی رہی اور میں نے بھی نا بتایا، لیکن خیر جب تمہیں پتا چلا کہ میں رحما نہیں کوئی اور ہوں تو۔۔۔۔۔۔۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ کتنی قسمیں دی تھی تمہیں کہ بندہ میں شریف ہوں، ہاں اس شریف بندے نے تمہیں اپنا اصل نام نہیں بتایا کبھی۔ مجھے اچھا لگتا تھا کہ تم مجھے "زی " کہو۔پھر جب ایک ہفتہ تم سے بات نا ہو پائی وہ وقت کافی برا تھا میرے لیے، میں کافی چڑچڑا ہو گیا تھا ان دنوں، سفیان نے یہ بات نوٹ کی تو میں نے بتایا۔

زمل میسج کا ریپلائے نہیں کر رہی۔

وہ اس لیے کیونکہ رفیق انکل نے اس کا موبائل توڑ دیا ہے۔سفیان نے بتایا۔

وہ کیوں؟ میں نے پہلی بار سنا کہ کسی باپ نے اپنی بیٹی کا موبائل توڑ دیا اور وجہ سننے پر تو مجھے اور غصہ آیا کہ وہ مارکس اچھے نہیں لے سکی۔۔۔۔میں نے سفیان سے پوچھا، تمہیں کیسے پتا ہے؟

رفیق انکل نے خود ڈیڈ کو بتایا ہے، رات میں ڈنر کے وقت گھر پر یہ ٹاپک بھی ڈسکس ہوا تو چل گیا پتا۔

سفیان ایک کام کرو گے؟ کیا؟

زمل تک موبائل پہنچاؤ کسی بھی طرح۔
دیکھو ضارون زمل میری بہن جیسی ہے،تم اس کے ساتھ سیریس ہوتو باقائدہ رشتہ بھیجو اس کیلیے۔
اس نے میری تمہارے لیے بدلتی حالت دیکھ لی تھی۔ پہلے تو میں سنجیدہ نہیں تھا پر پھر ہو گیا۔
میں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ موبائل میں نے کسی پلمبر کے ہاتھوں بھجوایا ہے،وہ سفیان نے رکھا تھا جب وہ تمہارے گھر آفس کی کوئی بات کرنے انکل سے ملنے آیا تھا۔
اور پھر مجھے تم سے محبت ہو گئی تم سے بات نہ ہوتی تو پریشان ہو جاتا تھا پھر جس دن انکل نے حد کر دی مجھے لگا اب بس ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔۔اور پھر تم مان گئی میرے ساتھ چلنے کو، مجھے لگا میری دنیا مکمل ہو گئی ہے۔۔۔ لیکن اس رات تم نہیں آئی۔۔۔۔۔میں نے انتظار کیا تم نے منع کر دیا۔۔۔۔۔۔میں محبت کرتا تھا تم سے سو تمہارے فیصلے کو مان لیا۔۔۔لیکن یہ دل نہیں مانا یار واپس جانے کی بجائے رات ۲ بجے تک وہیں بیٹھا رہا پھر واپسی پر ایکسیڈنٹ ہو گیا۔۔۔۔تین دن بعد گھر آیا میں۔۔۔۔۔۔وہ پہلی رات تھی جب میں نے اللہ سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا مانگی تھی۔۔۔۔۔
اگلے دن ممی نے کہا کہ وہ میرے لیے لڑکی دیکھ چکی ہیں، میں نے کچھ نا کہا۔۔۔۔انہوں نے سمجھا شاید تکلیف کی وجہ سےمیں کچھ بول نہیں پا رہا، وہ تمہاری تصویر ٹیبل پر رکھ کر چلی گئیں۔۔۔۔۔۔ہاں میں تھا تکلیف میں لیکن وہ تکلیف جسمانی نہیں تھی وہ دل کی تھی۔نا جانے کس دل سے تصویر اٹھائی، میں پھاڑنے ہی والا تھا لیکن وہ سیدھی رکھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔وہ پہلی تصویر نہیں تھی جو مجھے مما نے کسی لڑکی کی دکھائی لیکن ہاں وہ اس لڑکی کی پہلی تصویر تھی جس سے مجھے محبت ہے۔۔۔۔۔۔زمل اللہ نے ہمیں یوں ہی ملانا تھا۔۔۔۔تم بنی ہی میرے لیے تھی۔۔۔وہ تمہیں کسی اور کو کیسے سونپ دیتا۔۔۔۔۔۔اور زمل ہم انشااللہ شادی کے بعد حج کرنے جائیں۔۔۔۔اس رب کا شکر ادا کرنے جس نے ہمیں عزت کی راہ پر چلا دیا۔۔۔جب تم نے کہا کہ تم نہیں آ گی مجھے لگا زندگی ختم ہو گئی،لیکن بے شک اللہ بہتر کرنے والوں میں سے ہے۔۔۔۔۔۔۔اور اب میں اس رات تمہارے نہ آنے کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔۔۔۔۔۔شکریہ زمل۔۔۔
۔۔
تمہارا زی
ڈائری پر سیاہ تحریر ختم ہوئی تو زمل کا چہرہ آنسوں سے بھیگا ہوا تھا،وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی وہ اللہ کا جتنا شکر ادا کرتی وہ کم تھا۔وہ دبے قدموں کمرے سے نکلی،اس وقت ڈھائی بج رہے تھے۔۔۔بنا آواز پیدا کیے وہ فون سیٹ تک آئی اور ضارون کا نمبر ملایا،اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس وقت جاگ رہا ہو گا یا نہیں لیکن وہ اس وقت ہی اس سے بات کرنا چاہتی تھی، دوسری ہی بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔
السلام علیکم چندا ! دوسری طرف فون اٹھاتے ہی زی نے سلام کی۔

آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں ہوں؟ زمل نے آہستہ سے پوچھا۔

میرے پاس تمہارے گھر کا نمبر سیو ہے اور اس وقت اور کوئی فون کرنے سے تو رہا۔ضارون نے کہا۔

ضارون !

جی مسز ضارون۔

مجھے ایک بات پوچھنا یاد ہی نہیں رہا۔

کیا بات؟

آپ کیسے ہیں؟

میں۔۔۔۔میں بالکل ٹھیک، مجھے کیا ہونا ہے۔ضارون کیلیے سوال غیر متوقع تھا۔

آپ کی ٹانگ کیسی ہے اب، درد تو نہیں ہو رہا۔زمل نے فکرمندی سے پوچھا۔

اوہ۔۔۔ٹانگ۔۔۔اب بالکل ٹھیک ہے۔دوسری طرف خاموشی ہی رہی۔

چندا !اور کیا پوچھنا ہے؟ ضارون نے نہایت آہستگی سے پوچھا۔اور اسے بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی کہ وہ کس طرح اس کے دل کی بات جان گیا ہے۔

زی آپ نے اللہ سے کیا دعا مانگی تھی؟

ہم م م م پہلے تم بتاو،اس رات واپس جا کر کیا کیا تھا تم نے؟ ضارون نے الٹا سوال کیا۔

میں نے آ کر نماز پڑھی تھی اور لگا کہ وہ پیدا ہونے کے بعد میری پہلی نماز ہے۔زمل نے بتانا شروع کیا۔

اور؟

اور میں نے اللہ سے دعا کی تھی۔

کیا دعا کی تھی؟ ضارون نے پوچھا۔

م م م مجھے یاد نہیں۔زمل نے کترانا چاہا۔

پھر یاد کر کے بتاو، کیا دعا کی تھی۔ضارون تو جان چھوڑنے والوں میں سے تھا ہی نہیں اور زمل جان گئی لہذا بولی، میں نے دعا کی کہ اللہ مجھے سکون دے دیں۔

دوسری جانب طویل خاموشی کے بعد ضارون نے کہا، میں نے دعا کی تھی کہ اللہ مجھے "زمل " دے دیں۔

☆☆☆☆☆☆

دو سال بعد

زمل حیان کو اٹھائے ایک کان سے موبائل لگائے اور دوسرے میں دو فیڈرز لیے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں پر ضارون

کو دیکھا جو کہ زیان کو اٹھائے چپ کروانے میں مصروف تھا۔ باہر کا درجہ حرارت منفی تین تھا جبکہ کمرے میں ہیٹر کی وجہ سے سکون کا احساس ہوا۔

جی ماما زیان اب ٹھیک ہے۔ اب تو اس کے پیٹ میں بھی درد نہیں۔۔نہیں اب تنگ نہیں کرتا۔۔۔۔ضارون کے پاس آ کر ایک فیڈر اسے دیا، حیان سو چکا تھا اسے ضارون کو دیا اور ضارون سے زیان کو لے لیا۔

جی ماما ضارون بھی ٹھیک ہیں، میرے سامنے ہی بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔۔ابھی تک تو سیٹ کنفرم نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔آپ انہی سے پوچھ لیں۔ زمل نے موبائل ضارون کو دیا جو کہ اب بیڈ پر بیٹھ چکا تھا اور حیان کے اوپر کمبل درست کر رہا تھا۔ زمل کمرے میں چکر لگاتے ہوئے زیان کو دودھ پلانے لگی۔

جی آنٹی پرسوں کی سیٹ بک ہوئی ہے۔ زمل نے تشکر بھری نظروں سے ضارون کو دیکھا جو کہ اسے ہی دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

آنٹی یہاں لندن میں تو بہت سردی ہے اور اوپر سے حیان اور زیان کم دوڑیں تو نہیں لگواتے، کیا تھا جو زمل پر چلے جاتے کم از کم معصوم تو ہوتے لیکن نہیں ممی کہتی ہیں یہ دونوں مجھ پر ہیں۔

بالکل ابھی ہے دونوں ایک سال کے اور نخرے ان کے ساتویں آسمان پر ہیں۔

زمل آہستہ سے چلتی ہوئی بیڈ پر ضارون کی گود میں آ کر بیٹھ گئی جبکہ زیان ابھی بھی زمل کی گود میں ہی تھا، ضارون نے اس کے گرد بازں کا بند بنایا اور زیان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ زمل کو لے کر پچھلے ایک مہینے سے لندن لے کر آیا ہوا تھا۔۔۔۔زمل کو برف باری دیکھنے کا شوق تھا اور اب وہ لوگ واپس جانے والے تھے کیونکہ زیان کی طبیعت تھوڑی خراب ہو گئی تھی۔

او کے جی اللہ حافظ آنٹی۔۔۔۔جی ٹھیک ہیا للہ حافظ۔ اب ضارون سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا کیونکہ زمل بالکل اس کی گود میں تھی، ضارون نے موبائل بند کیا اور زمل کو اپنے بازں کا گھیرا تنگ کیا۔

کیا ہوا ہے میری چندا کو؟ اس کے ماتھے پر سے بالوں کو ہٹاتے ہوئے بولا۔

کچھ نہیں۔

کوئی فرمائش ہے؟

ابھی تک تو نہیں۔

پھر؟

وہ۔۔۔مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔

اوہ۔۔۔اچھا کہو پھر۔

مجھے آپ کو تھینک یو کہنا تھا۔

چلو کہہ دو۔ضارون نے مسکراہٹ دبائے کہا۔

تھینک یو۔زمل نے سر ضارون کے کندھے پر ٹکاتے ہوئے کہا۔

ویسے یہ تھینکس تھا کس لیے؟

ہر چیز کیلیے۔"زمل نے اسے بتایا۔

چلو پھر میں بھی تمہیں تھینکس کہتا ہوں۔

وہ کس لیے؟زمل نے سر اونچا کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔ضارون تھوڑا جھکا،اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بولا ہر چیز کیلیے۔زمل نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

اچھا آ چندا ایک سیلفی لیں۔ضارون نے اپنا موبائل نکالتے ہوئے کہا۔

زیان بھی سیلفی لے گا۔زیان آپ لو گے سیلفی؟زمل زیان کو گود میں بٹھاتے ہوئے بولی۔

تو پھر حیان کے ساتھ کیسے لیں گے پک۔اب یہ مسئلہ بن گیا۔

فکر نہیں کرو چندا،اس اینگل پر آو۔ضارون نے حل بتاتے ہوئے موبائل کے فرنٹ کیمرے کو اس اینگل پر سیٹ کیا جہاں پر سے وہ چاروں با آسانی تصویر میں آ سکتے تھے اور پھر اس نے کلک کیا اور ایک خوبصورت سے لمحے کو اپنے موبائل میں قید کر لیا بالکل اسی طرح جس طرح وہ پہلے بہت سے لمحات کو قید کر چکے تھے اور بہت سے لمحات ان کے منتظر بھی تھے۔

چندا ایک بات کہوں۔زمل جب کھینچی جانے والی تصویریں دیکھ رہی تھی تو ضارون بولا۔

جی کہیں۔

باہر پھر برف گر رہی ہے۔

کیا واہ۔۔۔۔چلیں آئیں ٹیرس پر چلتے ہیں۔زمل نے زیان کو بیڈ پر لٹاتے ہوئے کہا۔

نا بھئی،سردی بہت ہے،میں یہیں ٹھیک ہوں،بلکہ تم بھی یہیں رہو۔ضارون نے جان چھڑوانی چاہی۔

مجھے نہیں رکنا یہاں اور ویسے بھی پرسوں تو ہم واپس جا رہے ہیں۔

تم ہو آ۔

پکا آپ نہیں آ رہے؟زمل نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا۔

پکا۔ضارون کو لگا کہ وہ ساتھ چلنے کو منائے گی،لیکن وہ ٹھیک ہے کہہ کر چل دی۔

ٹیرس میں کھڑے وہ شہر کی روشن زندگی کو دیکھنے لگی۔برف کے چھوٹے چھوٹے گالے گر رہے تھے،زمل ان کو پوروں پر رکھنے کی کوشش کرنے لگی،وہ جانتی تھی کہ ضارون ضرور باہر آئے گا اور وہ آ بھی گیا۔

****

ادھوری محبت

عاتکہ جعفری:

وہ آج اتنی خوش تھی کہ اسے اپنی خوشی میں اپنے سامنے سے آتی ہوئی بس بھی دکھائی نہ دی اور وہ زوردار ٹکر کھانے کے بعد سڑک پر ہی بے سدھ گر گئی

اس کی آنکھوں میں کچھ دیر پہلے فرحان سے ہونے والی ملاقات کی لہر دوڑ گئی

آج وہ اس مقام پر تھی کہ اپنی خاموش اور کب سے دل میں دبائے جانے والی محبت کا کھلے عام اظہار کرتی ..

فرحان نے اسے کل شام چائے پر ہوٹل پر بلایا تھا .. اس وقت کا وہ شدت سے انتظار کر رہی تھی لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ جو ہم چاہیں وہی ہمارا مقدر ہو .. اتنی محنت کرنے کے بعد وہ کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ، تمام اخراجات کو برداشت کر کے بھی اپنا سٹیٹس فرحان کے بالمقابل لائی تھی ..

ندا کے والد فوج میں بہت ادنی درجے پر کام کرتے تھے لیکن ہمیشہ اپنی فیملی کو حلال رزق کھلایا ... کبھی بھی کسی غلط طور پر کمانے کی کوشش نہیں کی اور یہی بات انہوں نے اپنی اولاد کو بھی سکھائی ... ندا کو بچپن سے ہی چاقو چوند بہت متاثر کرتی تھی لیکن وہ کسی بھی چیز کی ڈیمانڈ نہیں کرتی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے والد کے سکھائے گئے اصولوں پر عمل کرتی اور اپنی ننھی

ننھی خواہشات بھی دل میں دبا لیتی ...

وقت کی سیڑھی چڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ عمر کی سیڑھی بھی طے کر رہی تھی اور کالج لیول تک جا پہنچی ...اس کے والد کی خواہش تھی کہ وہ بہت اچھی ڈاکٹر بنے اور اپنے باپ کی طرح ملک کے لوگوں کو تحفظ دے ...

وہ اس دن کینٹین میں بیٹھی سموسے کھا رہی تھی جب اسکی نظر فرحان پر پڑی ...اس نے زندگی میں پہلی بار اپنا دل بیقابو ہوتے پایا ... پتہ نہیں کیوں لیکن فرحان اسے بہت اچھا لگا ... سرخ ہونٹ، بڑی بڑی آنکھیں، ریشمی بال، لمبی لمبی پلکیں اور چوڑا سینہ ..یوں وہ کسی سلطنت کے شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا..

اسکی نظر کا تسلسل تب ٹوٹا جب اسکے موبائل پر اسکی امی کی کال آئی ...اس نے جیسے ہی کال اٹینڈ کی اگلے ہی پل اسے لگا جیسے وہ ابھی گر کر بے ہوش ہو جائے گی..

بیٹا بیٹا جلدی گھر آ تمھارے ابو شہید ہو گئے ہیں کسی دشمن نے فائرنگ کی اور تمھارے بابا موقع پر ہی جان ہار گئے ...ان کے ساتھی میت لاتے ہی ہونگے ... تم جلدی گھر آ ....یہ الفاظ سنتے ہی ندا وہیں ڈھے گئی ..بڑھی مشکل سے خود کو دلاسہ دے کر اٹھی اور گھر کی جانب روانہ ہوئی ...اسکے گھر پہنچتے تک میت بھی پہنچ چکی تھی اور خاندان کے سب لوگ اسکے گرد کھڑے رو رہے تھے ..جب ندا کو گھر آتے دیکھا تو اسکی ماں اس سیلپٹ کر رونے لگی ..یہ وہ وقت تھا جب اسے خود سے زیادہ اپنی ماں کو سنبھالنا تھا . خاندان کے زیادہ تر افراد تو تدفین کے بعد ہی رخصت ہو گئے بقول انکے سب کے حالات بہت خراب چل رہے ہیں اور انکو اپنے پیشے کی طرف لوٹنا ہے..

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جاننے والوں نے آہستہ آہستہ مدد کا ہاتھ بھی اٹھانا شروع کر دیا اور بھری دنیا میں ندا اور اس کی والدہ تن تنہا رہ گئیں جہاں انہیں ایک دوسرے کا سہارا خود بننا تھا.

ندا نے کالج جانا بھی شروع کر دیا اور ایک دکان پر سیلز گرل کی پارٹ ٹائم جاب بھی سٹارٹ کر دی..

اس تمام عرصے میں وہ فرحان کو تو مکمل فراموش کر چکی تھی اور دوبارہ اس کے خیالوں میں آنا تب شروع ہوا جب وہ اس دکان سے خریداری کرنے آیا جہاں وہ کام کرتی تھی..

اپنے سامنے اسے دیکھ کر تو وہ جیسے کھو سی ہی گئی اور خیالوں کی دنیا سے تب واپس آء جب اسے زور سے جھنجھلایا گیا لیکن تب تک وہ کسی اور سیلز گرل سے خریداری کر کے دکان سے باہر جا چکا تھا.

ندا کی اگلی ملاقات اس سے کالج میں ہی ہوئی . فرحان ندا کا سینیئر تھا تو اس نے نوٹس کا بہانہ کر کے اس سے بات چیت کی ..اس شام وہ جب گھر آئی تو بہت خوش تھی ..اسکی ماں نے اسے باپ کی وفات کے بعد اب پہلی دفعہ یوں مسکراتے دیکھا تو انہیں بہت اچھا لگا.

ہونہی دو چار بار فرحان سے مل کر ندا نے اسکی فیملی کے متعلق معلومات حاصل کر لی

فرحان کے والد ایک فرم میں کلرک کے طور پر مامور تھے .. فرحان چونکہ انکی اکلوتی اولاد تھی اس لیے انھوں نے اس کی تعلیم کے لیے بہت محنت کی اور اسے کامیاب دیکھنا چاہتے تھے

فرحان خود بھی بہت ذہین، دانشور اور اچھے اخلاق کا مالک تھا وہ اپنے والدین کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا اس لیے وہ فضول کاموں اور برائیوں سے دور ہی رہتا جن میں اس عمر میں بچے کشش محسوس کرتے ہیں اور یہی بات ندا کو بہت بھاتی تھی کہ وہ اسکی طرح بلند ارادوں کا مالک ہے

وقت گزرنے لگا ندا اور فرحان کی دوستی کو دو سال بیت گئے

صبح فرحان کی سالگرہ تھی اور ندا نے سوچا کہ وہ ضرور اس سے اپنی محبت کا اظہار کر دے گی ..

سالگرہ منانے کے وقت فرحان اور ندا کے سب دوست اکٹھے تھے اور انہوں بہت ہلا گلا کیا .. ندا فرحان کے قریب آء اسے سالگرہ کی مبارک دی .. وہ اس سے اظہار کرنے ہی والی تھی کہ فرحان نے اسے شام چائے پہ ملنے کی دعوت دے دی یہ کہ کر کے وہ اس سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے

یہ بات سن کر وہ خوش بھی ہوئی اور کنفیوز بھی .. اسی خوشی میں وہ باہر آء اور بس سے ٹکرا گئی .

وہ ہوش کھونے لگی اور سر پر زوردار چوٹ کھانے کی وجہ سے وہ زیادہ دیر سانس نہ لے سکی اور وہیں جان کی بازی ہار گئی ..

سڑک کے درمیان وہ اپنی تمام خواہشات اور امیدوں میں گھری بے سدھ پڑی تھی

جب محبت کو پایہ تکمیل پہنچانے کا وقت آیا تو زندگی نے ہی ساتھ چھوڑ دیا

ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہر حد اور مشکل کو عبور تو کر لیتے ہیں لیکن بعض دفعہ ہم چاہ کر بھی اس محبت کو اپنا نہیں سکتے .. کیونکہ شاید خدا نے وہ ہمارے حصے میں رکھی ہی نہیں ہوتی .. پھر ہم چاہے جتنی جان مار لیں جان ہار جاتے ہیں لیکن خدا کے فیصلوں کے آگے سر خم کرنا ہی پڑتا ہے ..

شاید یہی ہماری منزل کی انتہا ہوتی ہے .

چاہتوں کے نام

صبغہ احمد (لیہ)

یہ تم کب کہو گے
مبادا تب کہو گے
رہینِ یار کا موسم بدل جائے
گلوں کا رنگ اڑ جائے
بن بادل بارش برس جائے
کیا تم سب کہو گے۔۔۔؟
محبت اور چاہت کو
نیا عنوان بھی دو گے
مجھے لگتا تھا کہ تم
اب کہو گے۔۔۔
جب تری منتظر آنکھوں کے
ڈورے سرخ پڑ جائیں
خدارا ! کہہ بھی دو
کہہ دو گے تو کیا
عجب کہو گے
کہ یہ قصہ پرانا ہے
یہ تو ایک فسانہ ہے
لیکن۔۔۔
مجھے معلوم ہے
جو بھی کہو گے
غضب کہو گے

آسیہ مجید (صادق آباد)

"تم کہتے ہو
تو اب ہم مان لیتے ہیں
یہ رنگ روپ سارا
شوخ چینچل ادائیں
یہ برکھا، یہ بادل
رم جھم برستا یہ ساون
یہ جگنو، یہ تارے
سرخ گلاب سارے
بس تیری محبت کا ہیں
پیش خیمہ
یہ دبی مسکراہٹ
یہ پلکیں جھکانا
چپکے سے پھر
تجھ سے نظریں ملانا
تیری محبت کے
ہیں رنگ سارے
چلو!...
تم کہتے ہو
تو اب ہم
مان لیتے ہیں"

جیا زبیری (اسلام آباد)

میرے دل میں ہے الفتِ اہلِ بیت
میری آنکھوں سے بہتا ہے غمِ حسین
کیا وہ منظر تھا
کرب و بلا میں ظلم کا عالم تھا
پیاس کی شدت تھی
لیکن جذبہ جوان تھا
بھوک کا عالم تھا
لیکن t
خون میں جوش جوان تھا
وہ شوقِ شہادت تھا
وہ جامِ کوثر کی تمنا میں
اک اک کر کے
جانفشانی سے
اپنی جانیں قربان کر گئے
وہ آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اسلام کی بقا پہ
گردنیں کٹا گئے
وہ نواسہ رسول
وہ جگر گوشہ بتول
وہ ابنِ حیدر
وہ امامِ عالی مقام
وہ جنت کے
نوجوانوں کے سردار
بے کسی کے عالم میں
بھوکے پیاسے
تن تنہا برائی سے
نبرد آزما تھے
سجدے میں سر تھا ان کا
لبوں پہ کلامِ الٰہی تھا جاری
اس شانِ رسول کا
لباسِ اطہر خون سے تر تھا
برائی کے خلاف ان کا
جہاد جاری تھا
سینے میں انی تھی نیزے کی
زمین رو رہی تھی
آسمان سسک رہا تھا
وہ منظر دیکھا نہیں کبھی
اس دور کو پایا نہیں کبھی
پھر بھی
دل خون کے آنسو روتا ہے
وہ قیامت سا عالم تھا
جب نیزے پہ سرِ حسین لے کے چلے
وہ سفاکیت سہی نہیں جاتی
وہ بربریت کی داستان سنی نہیں جاتی
آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ نثار جاں
اس پاک گھرانے پہ نثار جاں
نثار جاں میں زہرا کے لال پہ
اس قربانیِ بے مثال پہ
اس داستانِ لازوال پہ

فرح نوشین زہرا ملک

یوں تو مطمئن ہوں
اپنی جگہ ہاں
مگر اک نام پر
تشنگی ہے اپنی جگہ
لاکھ چاہوں اسے بھول جاں"" نشو""
مگر حوصلہ اپنی جگہ
بے بسی اپنی جگہ

سلمان بشیر (بہاولنگر)

کسی اور کے حوالے سے جب جانے جائیں گے
ہم سے بھی کہاں، وہ پھر پہچانے جائیں گے

ہم ہیں وہ آدم جو اک سجدہ محبت کے عوض
ہر بار ہی جنت سے نکالے جائیں گے

ہم تو اپنی بھی دسترس میں آئے نہیں کبھی
اور تم سے بھی کہاں ہم سنبھالے جائیں گے

ہماری بیماری پہ تواضع ہے دودھ سے لیکن
ہماری جنازگاہ پہ پیمانے اچھالے جائیں گے

سنا ہے کہ سانپ کی طرح بل کھاتی ہے وہ
تو کسی روز چلو ان سے ہم ڈسوانے جائیں گے

ماریہ

ناغم کی سمجھ ناخوشی کی
نامرہم کی نہ زخم کی
ناپھول کی ناکانٹوں کی
نابارش کی نابجلی چمکنے کی ناٹوٹنے کی ناجوڑنے کی
نااپنوں کی سمجھ ناغیروں کی
نازہر کی سمجھ نامیٹھے کی
اس قدر دنیا نے مار ڈالا نااپنی سمجھ نادل کی

آرزو...

حمدہ طارق

کتابِ آرزو کی نوک کے اِک تلخ رستے پہ
میری بیزار چشمِ تر کے وہ بکھرے ہوئے آنسو
مجھے ہر راہ کی تلخی کی آمد کی خبر دے کر
میرے قلبِ تماشائی کو اک انجام دیتے ہیں
میری الجھی ہوئی خاموش روحِ بیقراں کے ہر
منافق موڑ کے پتوں کو گہرا نام دیتے ہیں
میں ان سے دور رہتا ہوں
میں ان سے کچھ نہیں کہتا
مگر وہ توڑ کر مجھ کو میرے خالی سے ورقوں پر
میرا ہر حرف لکھتے ہیں میرا ہر سانس گنتے ہیں
مجھے تنہا نہیں کرتے
مجھے مجھ سا نہیں کرتے
میرے ذہنِ آوارہ کی ہر اِک آوارگی پر وہ
اسے طعنے نہیں دیتے اسے انعام دیتے ہیں
ہر اک بیکار موتی کو میری آغوشِ مخمل میں
جگہ دے کر میرے گھر کی اسے زینت بناتے ہیں
میں ان سے لڑ نہیں سکتا
میرے خالی مکانوں کو
وہی تو گھر بناتے ہیں

سارہ عمر

کل وہ ملا
تو کہنے لگا
بہت بدل گئی ہو تم
کیا تمہیں پتہ ہے
تمہاری پلکوں پہ ستارے ٹمٹماتے ہیں
تمہاری آنکھوں میں سمندر ڈوب جاتے ہیں
تمہاری آنکھوں میں موتی جھلملاتے ہیں
جگنو جگمگاتے ہیں
تمہاری آنکھیں جھیل سی گہری لگتی ہیں
تمہیں کیا معلوم
یہ کتنوں کو کتنی پیاری لگتی ہیں
تمہارے قدموں کے ساتھ کتنوں کی سانسیں چلتی ہیں
تمہارا ندامت سے پین کو ہونٹوں میں دبا لینا
ہنستے ہوئے اپنے چہرے کو چھپا لینا
کبھی گھبرا کے دھیرے سے نظریں جھکا لینا
یہ سب انداز تمہارے ہیں
اور کتنے پیارے ہیں
تمہیں کیا معلوم
تم فقط ایک ہوا اور کتنے لوگوں کی دھڑکن ہو
تمہارا وجود صحرا ہے مگر پھر بھی ساون ہو
تم ایک چمکتا ستارا ہو
یا کائنات کا حسن سارا ہو
تمہیں کیا معلوم
مجھے معلوم ہے سب کچھ
بہت بدل گئی ہوں میں
وہ ہنستے ہوئے بولی
یہ مکالمے تمہارے
مجھے یاد ہیں سارے
جو ہر لڑکی کو سناتے ہو
پھر اس کا دل دکھاتے ہو
مجھے معلوم ہے سب کچھ
بہت بدل گئی ہوں میں
مگر!!
شاید
تمہیں معلوم نہیں
تم بالکل بھی نہیں بدلے

امرینہ سہیل (گجرات)

درد ہر کسی سے نہیں اپنا کہا کرتے ہیں ہم
چاند سے باتیں بھی نہیں کیا کرتے ہیں ہم

لے جاتی ہے نارسائی کی نگری میں
دل کی راہ پہ آخر کیوں چلا کرتے ہیں ہم

خوشی ہو ،غمی ہو ، یا اذیت ،یا دکھ
زندگی کے ہر نصاب کو پڑھا کرتے ہیں ہم

دیتا ہے وہ جو دکھ بڑے مان کے ساتھ
سمجھ کر اپنا،خاموشی سے سہہ لیا کرتے ہیں ہم

فاصلوں کی دیوار کو نہیں پھلانگتے اے دوست
اسکے سائے میں بیٹھ کر انھیں یاد کر لیا کرتے ہیں ہم

تحریم امان اللہ بخاری

میرے دل کے پتھریلے خطوں میں
امید کے تلوے بین کرتے ہیں
لیکن پھر بھی وہ برہنہ پاں لیے
چھالوں کا سہاگ اوڑھتی ہے
اور فشارِ بے یقینی میں
اپنے مفہوم کی صورت کھوجتی ہے
ہاں مگر کبھی جو یہ
عہد گذشتگاں کو کھوج پائی
تو وعدہ ہے
میرے دل کے پس پردہ
صرف اک جان جلاتا ہوا زنداں ہوگا
جہاں پہنچنے کے لیے
تمہیں حبس کی راہ میں بہنا ہوگا !!

اشارانی

میں ہنس دوں ! مگر کوئی جواز دے مجھے
اداس سی مسکراہٹ کا سنگھار دے مجھے

یوں تو ہیں دھڑکن و سانسیں رواں دواں
مگر کوئی جینے کی پیاس دے مجھے

ہنس ہنس کے گزاروں گا تجھے اے زندگی !
بھلے ہی غم بیشمار دے مجھے

یا رب !میں ہوں اپنی ظلمتوں کا مارا ہوا
میں زخمی ہوں بہت، نکھار دے مجھے

خوشیوں کی راہ میں جو ہیں غم کی رکاوٹیں
میں عبور کر سکوں، پرواز دے مجھے

میرے اختیار میں نہیں قضا و قدر
اے زندگی !تو ہی ہار دے مجھے

انتظار

وردہ مکاوی

اشک آنکھوں میں ہیں
کچھ لوگ لپٹے ہوئے میری لاش سے
پر مجھے انتظار تیرا ہے۔۔۔
کفن کا تحفہ بھی دیا ہے لوگوں نے
میرے آخری سفر کی تیاری بھی جاری ہے
پر مجھے انتظار تیرا ہے۔۔۔
میت میری اٹھی ہے لوگوں کے کاندھوں پر
پر اس میں تیرا کاندھا نہیں
مجھے انتظار تیرا ہے۔۔۔۔
کوئی روکو میرے جنازے کو
کہ وہ ابھی آیا نہیں ہے
کہ مجھے انتظار جس کا ہے۔۔۔۔
آخری سفر میرا ہو چلا شروع ہے
پیچھے کھڑے سبھی کی آنکھ نم ہے
پر تو وہاں بھی تو نہیں ہے
کہ مجھے انتظار تیرا تھا۔۔۔
تو آج بھی نہ آیا میرے وقتِ رخصت میں
مجھے رخصت کرنیکے لیے
تجھے اتنی بھی فرست نہ تھی
اور میں جو ساری عمر کرتی رہی
وہ انتظار تو تیرا تھا۔۔۔
اے لوگو سن لو۔۔۔۔
وہ آئے تو اسے خبر دینا
اسے بتا دینا یہ جتا دینا
کہ وہ معصوم سے لڑکی
تڑپتی رہی روتی رہی
اور اسکی وجہ
انتظار تیرا ہے
کہ مجھے انتظار تیرا تھا
کہ مجھے انتظار تیرا ہے۔۔۔

گل زہرہ شاہ

تمھیں معلوم ہے جاناں
بہت تکلیف ہوتی ہے
خاموشی جب زباں ہوتی ہے
تیری چاہ کی خواہش ہونٹوں پہ مچلتی ہے
زبان خاموش رہتی ہے
لفظ لبوں پہ آ کر دم توڑ جاتے ہیں
دل میں درد کی لہر سی اٹھتی ہے
محبت چپ چاپ کہیں روتی ہے
بہت تکلیف ہوتی ہے؟
تمھیں معلوم ہے جاناں؟
اگر نہیں نہیں معلوم
کسی سے محبت کر کے دیکھو تم
کسی پہ مر کے دیکھو تم۔
تمھیں معلوم ہوگا
بہت تکلیف ہوتی ہے

فرزانہ کنول

آج ہم ٹوٹ چکے ہیں
وہ ہم سے روٹھ چکے ہیں

لوگ ہم کو تلاش کر کے کیا کریں گے
ہم تو خود ہی خود میں ڈوب چکے ہیں

سکونِ دل میسر نہیں آج بھی
ہم تو خود ہی خود سے روٹھ چکے ہیں

بڑی آرزو تھی طوافِ کعبہ کرتے ان کے ساتھ
تمام راز اب پھوٹ چکے ہیں

کتنے بے رحم تھے تم "اے کنول"
اب ہم خود کو خودی میں ڈھونڈ چکے ہیں

"عورت "

الصی محبوب احمد

تمہارا گھر بساں تو میں ایک عورت ہوں
تمہاری نسل بڑھاں تو میں ایک عورت ہوں
تمہارے عیب چھپاں تو میں عورت ہوں
تمہیں سکون پہنچاں تو میں ایک عورت ہوں
تمہیں سنواروں تو میں ایک عورت ہوں

تمہیں دھتکاروں تو نیچ ذات کہلاں
حق کی آواز اٹھاں تو نیچ ذات کہلاں
تمہارے سوالوں کا منہ توڑ جواب دے جاوں تو نیچ ذات کہلاؤں
مرد عورت کو برابر کا کہہ جاں تو نیچ ذات کہلاں
قلم اٹھاں تو نیچ ذات کہلاں

گھر دیر سے آؤں تو غلط ٹھہروں
باپ کا بوجھ گھٹاں تو غلط ٹھہروں
خود کو سنواروں تو غلط ٹھہروں
خواہش آسمان کو چھونے کی کر جاؤں تو غلط ٹھہروں

تمہارا بوجھ اٹھاں تو میں ایک عورت ہوں
اپنا آپ مٹاں تو میں ایک عورت ہوں
ہر ظلم ہنس کر سہہ جاں تو میں ایک عورت ہوں
اپنے جسم کے نشانات چھپا جاں تو میں ایک عورت ہو
خوشی سے اشک پی جاں تو میں ایک عورت ہوں
اف تک بھی نہ کر پاں تو میں ایک عورت ہوں

تمہاری محفل نا سجا پاں تو بری عورت
تمہارا کھلونا نا بن پاں تو بری عورت
جہیز زیادہ نا لا پاں تو بری عورت
تمہیں بیٹا نا دے پاں تو بری عورت
آج تجھ سے مخاطب ہے وہی عورت
وہی نیچ، غلط، بری عورت

میں وہ عورت ہوں جسکا محافظ خدا ہے
میں وہ عورت ہوں جسکے رازوں سے رب آشنا ہے
میں وہ عورت ہوں جو ظلم سے نا گھبراں
میں وہ عورت ہوں جو ٹھان لوں پھر کر جاں

میرا وجود تیرے لفظوں کا محتاج نہیں
یہ نہیں کہتی کہ تو میرے سر کا تاج نہیں
ایک بیماری ہے جو تیری رگ رگ میں بس چکی ہے
وہ بیماری ہے تیری "میں "جسکا کوء علاج نہیں

ظلم کے آگے نا جھکے گی اب یہ عورت
حق کے لیے لڑے گی اب یہ عورت
سر اٹھا کر چلے گی اب یہ عورت
چپ رہ کر نا سہیگی اب یہ عورت . .

منیبہ تبسم

میرے کوزہ گر!

میرے کرچیوں میں بٹے وجود کو

کچھ اس طرح سے جوڑ دے

نہ کرچیوں کا بیاں

نہ ٹوٹنے کی داستاں

میری جبیں پہ ہو لکھی ہوئی

نہ لہجے میں ہو چھپی ہوئی

میرے چارہ گر!

یا ایسا کر

میرے کرچی کرچی وجود کو

تو ریزہ ریزہ کر دے

سکون ہی سکون تو

میرے اندر تک بھر دے

مجھے فنا کر دے

مجھے فنا کر دے

مریم صدیقی

زندگی کی راہوں میں

کبھی جو مشکل آئے

لے کر تم نام میرا

بند آنکھیں اپنی کر لینا

جو اترے تصویر میری

تمہارے ذہن کے پردے پر

کندھے پر سر رکھ کر میرے

ہر دکھ اپنا کہہ دینا

سنا کر حال دل اپنا

جب آنکھیں تم کھولو گی

مجھے اپنے پاس پاؤ گی

کہہ کر مجھ سے ہر دکھ اپنا

اپنی ہر الجھن پھر تم بھول جاؤ گی

میں تو تمہارا سایہ ہوں

جو ہر حال میں ساتھ رہتا ہے

خوشی اور غم کا ہر ہر لمحہ

ساتھ تمہارے جیتا ہے

رمشاہ اشرف

ضبط کی مالا جب کہیں ٹوٹ جاتی ہے
کاغذ پہ سیاہی یونہی پھیل جاتی ہے
ہوتی ہیں کوتاہیاں بہت سی لیکن
افسوس کہ نمازیں بھی قضا ہوجاتی ہیں

دعائیں قبول ہوتی ہیں تو کبھی نہیں بھی ہوتی
مصلحت ہی ہوتی ہے , کوئی سفارش نہیں ہوتی
بہشتوں میں غنیمت جانو گے جب تم
کہو گے کاش کہ کوء دعا قبول ہی نہ ہوتی

رختِ سفر باندھ لو , کہ ٹھکانہ کوئی اور ہے
منزل یہی نہیں صرف , وہ جہاں تو کوئی اور ہے
بندگی کی میراث پر پہنچو گے تو جانو گے
وہ رب ہی سب ہے , نہیں جہاں میں کوء اور ہے

سجدوں میں سر رکھتے ہیں پر دلوں کو جدا رکھتے ہیں
ابنِ آدم اب اِک دوسرے سے فاصلے بڑھا رکھتے ہیں
دیتے ہیں اپنی ذات سے دوسری ذاتوں کو اذیتیں
انجانے میں یہ رب کو اپنے خفا رکھتے ہیں

کوئی جنت تو کوء دنیا کی آسائش مانگتے ہیں
یہ دنیا والے اپنی اپنی چادر کے پیوند مانگتے ہیں
جو مانگنا ہے مانگو , کچھ برا نہیں اس میں
ہم کبھی روحانیت , تو کبھی دیدارِ مصطفیٰ مانگتے ہیں

ماتھا ٹیکتی، کچھ ادھوری

تمام ناتمام، دم توڑتی،

خواہشوں کے پورا ہونے کی

موہوم سی امید لئے

چڑھاوے چڑھائے جاتی ہوں

اور میں اس سہاگن سی

جو نہ بسائی جاتی ہوں

سادھو، جوگی، عبداللہ یا فقیر

مادھو، بلھے، فرید و میاں میر

سب ہی کے در سے دربدر ہو کے

میں دیوتائے محبت کو پانے کے لئے

تیرے قدموں میں بلی دان کرتی ہوں

نہ ہی کافر ہوں اور نہ ہی منکر مگر

میں تیرے عشق میں سدھ بدھ کھو کے

تجھے اپنی محبت کا بھگوان کہتی ہوں

حرا شاہد اقبال

کبھی کبھار ایسا لگتا ہے

کہ میری ذات ایک مندر ہے

جس میں تیری یاد کی گھنٹیاں

بجتی ہیں اور میں کھلی زلفوں سے

بند آنکھیں لئے، دبے پاں،

رقص کرتی ہوں

اور تم اس مندر میں مثلِ دیوتا

سجا دئے گئے ہو

میں اس دیوتا کے چرنوں میں

اروشمہ خان عروش (بہاول پور)

محبت اب نہیں ہو گی

محبت ابھی کچھ دن پہلے ہی تو ہوئی تھی

اس سے بچھڑنے سے پہلے

اس سے ملنے سے تو ڑا بعد

جب اسنے نظر بھر کے دیکھا تھا

جب اسنے مسکرا کے بات کی تھی

محبت تب ہی تو ہوئی تھی

جب اسنے ہاتھ تھاما تھا

محبت جتائی تھی جب اسنے

محبت اب شاید کبھی ہو ہی نہ

کیوں کہ وہ ابھی

کچھ دن پہلے ہی تو ہوئی تھی

محبت یونہی تو نہیں ہو جاتی

راہ چلتے کسی سے

بات کرتے کسی سے

محبت تو ایک ایسا جذبہ ہے

جو ہر کسی کے لئے نہیں ہوتا

جب کوئی دل کو چھو جائے

جب کوئی دھڑکن چھیڑ جائے

کوئی اچھا لگ جائے

پر اب تو دل کو کوئی اچھا نہیں لگتا تو

محبت اب نہیں ہو گی

یہ اب ہی تو ہوئی تھی

بس کچھ وقت پہلے

از وردہ مکاوی

تم کہیں نہیں ہوتے

وقت کے اندھیروں میں

روشنی کی کرنوں میں

فرق صرف اتنا -- ہے

تم کہیں نہیں ہوتے

جب بھی بات ہوتی ہے

کائنات ہوتی ہے

سب ہی بات کرتے ہیں

اپنی اپنی چاہتوں کی

کوء گنگناتا ہیکوء مسکراتا ہے

سسکیاں بھی ہوتی ہیں

قہقے بھی ہوتے ہیں

مشکلیں بھی ہوتی ہیں

راستے بھی ہوتے ہیں

خاموشی بھی ہوتی ہے

رابطے بھی ہوتے ہیں

فرق صرف اتنا ہے

تم کہیں نہیں ہوتے

تم کہیں نہیں ہوتے

سیدہ زخرف

مجھ سادہ سی لڑکی کو
اک ساحر سے محبت ہے
سب کچھ بے معنی ہے بس
تیری سنگت کی چاہت ہے
جیسے سورج کی کرنوں سے
زمیں بھی چمک جاتی ہے
تیری اک نظر سے جاناں
ایسے ہی مجھ کو الفت ہے
کوئی رنگ نہ مجھے بھائے
بس اک ہی رنگ دلکش ہے
پیا کے نام کا وہ رنگ
میری آنکھوں میں پیوست ہے
اب تم چاند کو کہہ دو
اسے نہ کوئی دیکھے گا
پیا جب سامنے آئے تو
کس کو اس سے فرصت ہے
نہ مجھ کو ہیر کہنا تم
نہ ہی لیلی کہو مجھ کو
کہ مجھ کو اس سے نسبت ہے
مجھے جس سے محبت ہے
ہے زیادہ کچھ نہ کہنے کو
بس اک جذب چاہت ہے
مجھ سادہ سی لڑکی کو
اک ساحر سے محبت ہے!!

حریم فاطمہ

آسان نہیں ہوتا کسی کی یاد کی ازیت کو سہنا
میں نے سمجھا تھا کہ میں بھلا چکی اس کو
لیکن شاید ایسا نہیں تھا، میں بھول گ ٔ تھی
جو ایک بار دل میں بس جائے وہ کبھی نہیں نکلتا
محبت،انسیت، چاہت یہ احساس ہوتے ہی ایسے
آج گزرے دنوں کی یادیں جو میرے ہاتھ لگیں
میں پھر ٹوٹی، میرا دل پھر کرچی کرچی ہوا
میرے احساسات اتھل پتھل ہو گے۔
میں خود کو آج بھی نہیں سنمبھال پاء
میں تم سے کچھ مانگنے کا حق تو کھو چکی شائد
پر ایک بار پکارتی ہوں تمہیں
مجھے تم نہیں چاہیے ہو، مجھے اب بس ایک جواب چاہیے
ایک بار مجھے میرا قصور بتا جا
مجھے یاد ہے تم سے بات کیے بنا دن نہیں گزرتا تھا
تم بن سانس لینے کا تصور بھی نہیں تھا
مجھے یاد ہے وہ تمہارا روٹھنا، وہ میرا منانا
مجھے یاد ہے تمہارا استحقاق میرے لیے
مجھے یاد ہے وعدے تمہارے
مجھے یاد ہو تم، مجھے یاد ہیں باتیں تمہاری
ایک بار میرا قصور بتا جا
اب تمہارے سنگ زندگی نہیں چاہیے
اب تم نہیں چاہیے ہو
اب تم سے دور رہنے میں مزہ ہے
بس بتا دو ایک بار قصور میرا
جس کی سزا خود سے دوری دی
بس ایک بار بتا دو نا

کچن کارنر

ویجیٹیبل نگٹس

Vegetable Nuggets

اجزا

-1 لوکی / کدو ایک کپ کدوکش کر کے ابالا ہوا

-2 آلو ایک کپ ابال کر میش کیئے ہوئے

-3 گاجر کدوکش کر کے ابالی ہوئی ایک کپ

-4 مکئی کے دانے آدھا کپ ابالے ہوئے

-5 پالک باریک باریک کٹی ہوئی چوتھائی کپ ہلکا سا ابال لیجیے

-6 چقندر باریک باریک کاٹ کر ابالا ہوا چوتھائی کپ

-7 ہرا دھنیا باریک باریک کٹا ہوا ایک کھانے کا چمچ

-8 سبز پودینہ باریک باریک کٹا ہوا ایک کھانے کا چمچ

-9 لہسن کی ایک تری / جوا باریک پیس لیجیے

-10 چیز / پنیر کدوکش کیا ہوا آدھا کپ

-11 کالی مرچ پسی ہوئی آدھا سے ایک چائے کا چمچ یا حسب ذائقہ، اس کی جگہ دکنی / سفید مرچ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

-12 نمک آدھا چائے کا چمچ یا حسب ذائقہ) نمک کے بغیر بھی بنا سکتے ہیں، کیچپ / چٹنی کے ساتھ کھاتے ہوئے نمک کی کمی محسوس نہیں ہوتی، یہ آپ کے بچوں کی پسند اور ضرورت پر منحصر ہے(

-13 بریڈ کرمبز ڈیڑھ کپ، آدھا آدھا کر لیجیے

-14 انڈے دو عدد

-15 کوکنگ آئل چوتھائی کپ فرائنگ کے لئے

ترکیب

باول میں ابلی ہوئی لوکی، آلو، گاجر، مکئی، پالک، چقندر، ہرا دھنیا، پودینہ، لہسن، پنیر / چیز نمک، کالی مرچ، دو انڈے اور پونا کپ بریڈ کرمبز ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کر لیجیے۔ ابلی ہوئی سبزیوں کے پانی کی وجہ سے الگ سے پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، لیکن اگر محسوس ہو تو آپ ایک آدھ چمچ پانی ڈال کر اچھی طرح مکس کر کے ہموار مکسچر بنا لیجیے -اب اس مکسچر کو من پسند نگٹس کی شکل دے لیجیے - کسی بھی شکل کے نگٹس بنا کر باقی بریڈ کرمبز کسی پیالے یا گہری پلیٹ میں رکھ کر اس میں نگٹس رکھ کر اچھی طرح کرمبز لگا کر گھی/

/ کوکنگ آئل گرم کرکے درمیانی آنچ پر نگٹس دونوں سائیڈز سے تین سے چار منٹ گولڈن فرائی کر کے کچن ٹشورول یا صاف اخبار پر رکھ دیجیئے تاکہ اضافی گھی / آئل جذب ہو جائے۔ ہر سرونگ ڈش میں نکال کر بچوں کی من پسند کیچپ / چٹنی کے ساتھ بچوں کو کھلائیں، خود بھی کھائیں، خوب لطف اٹھائیں

نوٹ:-

-1 موسم کے مطابق کوئی بھی من پسند سبزی شامل کر سکتے ہیں

-2 سبزیاں ابال کر پانی نچوڑ لینا ہے

-3 ان نگٹس میں حسب پسند ابال کر ریشہ کیا ہوا بون لیس چکن، بیف یا مٹن بھی شامل کر سکتے ہیں چوتھائی کپ کافی ہونگے۔

دعا گو 'طالب دعا شاھد محمود

********* لچھے دار ربڑی *********

اجزا

-1 دودھ ایک لیٹر

-2 چینی چار کھانے کے چمچ یا حسب ذائقہ

-3 کارن فلور آدھے سے پونا چائے کا چمچ

-4 ایک کھانے کا چمچ پستہ بادام باریک کٹا ہوا گارنش کے لئے

ترکیب

کڑاہی میں دودھ میں چینی ڈال کر ذرا تیز آگ پر پکائیں، جب دودھ میں ابال آنے لگے تو دودھ پر جو ملائی و جھاگ سی آئے گی اسے چمچے کی مدد سے دودھ سے ہٹا کر کڑاہی کی سائیڈوں پر لگانا شروع کر دیجئے۔ اب آنچ درمیانی کر لیں اور ہر ایک دو منٹ بعد دودھ پر آنے والی ملائی و جھاگ کو کڑاہی کی سائیڈوں پر جمع کرتے چلے جائیں۔ یہ عمل مسلسل کرنا ہوگا یہاں تک کہ دودھ کم ہو کر چوتھائی حصہ رہ جائے۔ اب ایک چمچ دودھ میں آدھے سے پونا چائے کا چمچ کارن فلور مکس کر کے کڑاہی میں بچ رہنے والے دودھ میں چمچ چلاتے ہوئے مکس کریں۔ چند ہی سیکنڈز میں دودھ گاڑھا ہو جائے گا۔ دودھ گاڑھا ہونے پر کڑاہی چولہے سے اتار لیجئے اور دودھ سرونگ ڈش میں نکال لیجئے اور کڑاہی کی سائیڈوں پر جمع کی جانے والی ملائی جو پکائی کے عمل کے دوران کڑھ کر خاصی گاڑھی و بادامی رنگ کی ہو چکی ہوگی، کو چھری کی مدد سے کھرچ کر اتار لیجئے۔ یہ لچھے کی صورت میں دکھائی دینے لگی گی، اس لچھے دار ملائی کو تیار کردہ دودھ میں مکس کر لیجئے۔ اور پستے بادام سے گارنش کر کے فرج میں ٹھنڈا کر کے لچھے دار ربڑی کھائیں، کھلائیں، خوب لطف اٹھائیں اور اللہ کریم کا شکر بجالائیں آمین۔

میرے بچپن کی یادیں

" گڑ والے چاول"

اجزا

-1 چاول ایک پاو دھو کر آدھے گھنٹے کے لئے بھگو دیجیے

-2 گڑ ایک پاو

-3 بادام کی گریاں سات عدد گرم پانی میں چند منٹ بھگو کر چھلکا اتار لیجیے

-4 کاجو سات عدد

-5 پستہ سات عدد

-6 ناریل خشک / کھوپرا باریک باریک کٹا ہوا دو کھانے کے چمچ

-7 لونگ پانچ عدد

-8 سبز الائچی تین عدد

-9 چھوارے سات عدد گٹھلیاں نکال کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیجیے

-10 کشمش دو کھانے کے چمچ

-11 سونف آدھا چائے کا چمچ

-12 زعفران اگر دستیاب ہو تو دو چٹکی

-13 خالص دیسی گھی دو کھانے کے چمچ

ترکیب

دیسی گھی گرم کر کے لونگ اور سونف کڑ کڑا ئیں پھر سارا ڈرائی فروٹ ڈال کر ہلکا سا فرائی کر کے ڈرائی فروٹ باہر نکال کر ایک طرف رکھ دیجیے۔ اب آدھا کلو پانی ڈال کر گڑ ڈال کر گڑ گھلنے تک پکائیں۔ جب گڑ پانی میں گھل جائے تو چاول، سبز الائچی اور زعفران ڈال کر اچھی طرح مکس کر کے ہلکی سے درمیانی آنچ پر پکنے دیجیے جب چاول پانی جذب کر لیں تو فرائی کیا ہوا ڈرائی فروٹ ڈال کر مکس کر کے ہلکی آنچ پر دس منٹ کا دم دیجیے اور پھر سرونگ ڈش میں نکال کر کھائیں، کھلائیں، خوب لطف اٹھائیں

شاہد محمود

تبصرہ: ابہام

ازطرف: میمونہ صدف

میرے وجود میں تو حبس ہے مقدر کا

یوں مر نہ جائے کہیں تیری آرزو مجھ میں
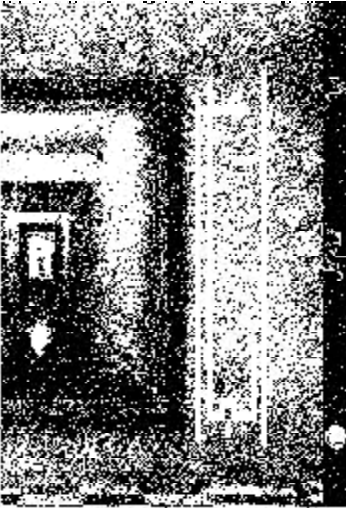
وسیم سہل کی کتاب ابہام کھلتے ہی پہلا شعر آپ کو خوش آمدید کہے گا، جس میں حبس، محبت، مقدر، ہجر سبھی کچھ چھلک رہا ہے۔ مختصر نثری نظموں پر مشتمل یہ کتاب اپنے ہر رنگ سموئے ہوئے ہے۔ ان رنگوں میں ست رنگی محبت بھی ہے تو سرمئی اداسی بھی، اگر سنہری خوشی ہے تو دکھ کا اندھیرا بھی ہے۔

انگریزی طرز کی یہ نظمیں عام فہم، آسان اسلوب لیے ہوئے ہیں۔ ابہام، محبت کا ایک ایسا استعارہ ہے جس میں بیک وقت وصالِ یار کا انتظار بھی ہے اور محبت اب نہیں ہوگی کا نعرہ بھی ہے۔

وسیم سہیل اپنی نظموں میں قاری کو مسمرائز کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ وہ فلسفیانہ زندگانی کے ابہام کو پرکھتے ہوئے قاری کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ فلسفہء زندگانی کے ابہام کو پرکھتے ہوئے قاری کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کسی بھی شاعر یا افسانہ نگار کی یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے کہ وہ قاری کو بھی سوچنے پر مجبور کر دے۔ کربِ تنہائی کے آسیب میں مبتلا آنسو صفحہ قرطاس پر بکھیرتے ہوئے وسیم سہیل انھیں خوبصورتی عطاء کر کے اپنے قاری کے دل کے تاروں کو چھو لیتے ہیں۔ اس کربِ تنہائی کو وہ اپنی نظم میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں

مجھ کو لگتا ہے

میں اکیلا ہوں

ساتھ میرے

جو بھی

جتنا بھی

وہ میری نظر کا دھوکا ہے

مجھ کو ڈستی ہے

یہ تنہائی

دھڑکنیں سہمی سہمی

دل کے کونے میں

چپ چاپ بیٹھ جاتی ہیں

کہیں افسوس ہے تو

فقط اتنا

کہ وہ بھی مجھ کو

پاس میرے

اب نہیں ملتا

وسیم بیک وقت محبت، تنہائی، حقیقت پسندی، گہرائی کا شکار نظر آتے ہیں اور اس کا اظہار وہ اپنی متعدد نظموں میں کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے گرد پھیلے رشتوں سے محبت کرتے ہیں بلکہ اس محبت کا برملاء اظہار بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ ماں باپ ہوں، بہن بھائی ہوں یا کوئی اور رشتہ وہ اظہارِ محبت میں کنجوسی کے قائل نہیں۔ قاری ان کی نظموں میں اپنے رشتوں کو ڈھونڈنے لگتا ہے تو کہیں اپنے اندر کے خلاء میں کھو جاتا ہے۔ کہیں محبت کی جلترنگ میں گم ہو جاتا ہے تو کہیں ہجر کے صحرا میں بھٹکنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ قاری وسیم کے دکھ، اس کی نظموں کی سادگی میں کھو کر اپنے دکھ نوچنے لگتا ہے۔

وسیم سہیل جہاں عشق و محبت کے موتیوں کو بکھیرتے نظر آتے ہیں وہاں ملک کے طول وعرض میں ہونے والی غارت گری کا نوحہ بھی ان کی نوکِ قلم سے لہو بن کر ٹپکتا ہے۔ وہ دہشت گردی کی جنگ میں جان دینے والوں کے لیے سینہ کوبی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ وسیم سہیل رومانیوت میں کھو کر اپنے گرد وپیش سے غافل نہیں۔

وسیم سہیل لفظوں کے ایسے جادوگر ہیں جو لفظوں کے لبادے میں قاری کو زندگی اور اس سے جڑے ہوئے دکھ سکھ کو روشناس کرواتے ہوئے لفظوں کا جادو بکھیرتے اور انھیں اپنی نظموں میں ڈھالتے نظر آتے ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت

رباب ثانی

مجھے ستمبر کو پروفیسر حافظ عدیل احمد گرجاکھی کے جمعہ کے خطبہ نے عقیدہ ختم نبوت قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے ۔۔۔۔۔!!!!

قادیوں کے خلاف سن ستمبر میں تحریک ختم نبوت چلی گئی۔ساری جماعتیں اورتم مسلک اکھٹے ہوکر۔اس بات پر متفق ہوئے کہ جوحضرت محمدﷺ کوآخری نبی اوررسول نہیں مانتا۔باتفاق وہ اس دین اسلام سے خارج ہےاور کفار ہے۔آج پھراس چیز کی ضرورت محسوس ہورہی ہےاورپیش آگئی ہے۔

ہم سب مسلمان بھائیوں کواب پھراس چیز پرمتفق ہونے کی ضرورت ہے۔تحریک ختم نبوت پھردوبارہ سے اگرنہ چلائی گئی تو ہمارے دین کو بہت بڑے خسارے کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔یہ وقت ہے ہم خود جاگنےاوراپنے سب مسلمان بھائی کو جاگنےنہیں تو وہ دین جو ہمارے نبی اورصحابہ اکرم نے اوراس کے بعد ہمارے آبا اجدا نے قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ ہماری ماں بہنوں نے اپنی عزتوں کولوٹ کرحاصل کیا ہے۔اگرہم سوئے رہےتو اس کا مطلب ہے۔اس قربانیوں کےاورعزتوں کےہم تماشائی ہیں۔قیامت والے دن اپنے دین کونہ بچانے کے ساتھ ساتھ خدا کے

سامنے جواب دہ ہونا ہےاس کے ساتھ ساتھ تماشائی ہونے پر ہماری دو دو باتوں پرخدا پکڑا کرے گا۔قیامت تو خیر بعد کی بات ہے۔

دنیامیں اس کے نتیجہ میں جوذلت آج فلسطینیوں کوفیس کرنی پڑرہی ہے۔ان فلسطنیوں سے کم حالت نہیں بلکہ اس سے بدتر ہوجائے گئی۔

ہمیں حالت کاادراک نہیں۔جوکچھ ہمارے پاکستان میں ہورہاہے،اورجس انداز کےاندرہورہا۔کس طرح قادیانی فرقے کوہوادی جارہی ہے۔ان کی باقاعدہ مدد کی جارہی ہے۔ان کومعاشرے میں مسلمان پیش کرنے کے لیےکوشش کی جارہی ہے۔قادیانی ایک ہوکرحکومت پاکستان کے انداراپناعمل دخل چاہتے ہیں۔وہ وقت دور نہیں اگروہ کامیاب ہوگئےتو جس طرح اسرائیل فلسطینیوں پرظالم کررہا۔وہ فلسطین کے مسلمان کےاس لیے مارتے ہیں کیونکہ مسلمان نزدکفرہیں۔اس طرح اگرقادیانیوں کی کتابوں کامطالعہ کیاجائےتو وہ کہتے ہیں احمد مرزا

قادیانی کو اگر آپ نبی نہیں مانتے تو وہ قادیانیوں کے نظر میں کفار ہے۔ تو اگر ان کا عمل دخل حکومت میں شروع ہو جائے تو کیا وہ ہمارے ساتھ مسلمان والا سلوک کریں گیا؟ جب ہم ہے ہی ان کے نزدیک کفار ہیں۔ وہ پاکستان جو اتنی محنت اور مشقت کے بعد حاصل کیا گیا وہ جس کو دین کے نام پر حاصل کیا۔ وہ دین جس کی سر بلندی کے لیے نبی کے نواسوں نے اپنی گردنیں کٹوادی۔ عمر نے اہل مشرک کو کعبہ کے صحن میں للکار دیا ہے کوئی ماں کا بیٹا جو چاہتا ہے میری ماں کی گود اجڑے اور چاہتا ہے میرے بچے کے سر سے سایا اٹھ جائے بیوی بیوہ ہو جائے ہے کوئی ہمت والا تو ان دو پہاڑوں کے پار میرے میرے مقابلے کو آ جائے۔ نہیں تو کعبہ چھوڑ دیں۔ سب کے سب ڈر کر مارے سسکی تک نہ لے سکے۔ اس دین کے حفاظت نہ کرنے کے بعد ہم کھو دیں۔ ہمارے مسلمان ہونے کا یہ ثابت ہے کیا؟

بات قابلِ غور ہے۔۔۔ !!!

سوال یہ کرتے ہیں کہ کیا پاکستان میں اقلیتوں کا کوئی حق نہیں؟

ہے بلکل حق ہے پر اقلیتوں کی حد تک نہ کے وہ حکومت میں عمل دخل کریں۔

اگر کریں بھی داخل اندازی پر اگر وہ عیسائی ہے، ہندو ہے، سکھ ہے، یہود ہے، کم سا کم دھوکا تو نہیں دیے گا نہ ہمیں پتا پر اگر وہ مسلمان نہیں۔ پر اگر کوئی مسلمان ہونے کا دعوہ کر کے دل میں چور لے کر مسلمان کے ساتھ غدرا ی تو نہیں کرے گا نہ۔ اگر کوئی کفر ہو کر کسی عہد پر فائز ہوتا وہ بات اور ہے۔ پر یہ قادیانی فرقہ مسلمانوں کے ساتھ منافقت کر رہا ہے۔ سب کو کہتے تو یہ ہیں ہم نبی ﷺ کو نبی تو مانتے ہیں۔ پر اللہ کے آخری نبی نہیں ہیں رسول ﷺ کے بعد نعوذ باللہ احمد قادیانی بھی اللہ کے رسول ہیں۔ جو انسان اس بات منکری ہیں کے اللہ ہے پر عیسی اللہ کا بیٹا ہے تو وہ مسلمان نہیں عیسائی کہلاتے ہیں۔ تو اگر جو انسان نبی ﷺ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا وہ کیسے مسلمان کہلائے گا؟ جب اللہ قرآن پاک سورہ بقرہ میں مومنوں کی صفات واضح کر دی ہے کہ اللہ پر ایمان، رسولوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان ہونا ضروری ہے۔ جس انسان کا ان میں اگر کسی ایک چیز پر ایمان نہیں تو وہ کافر ہے۔ جب پہلے رسول آتے وہ آنے والے نبی کی خوشخبری دیتے تھے کہ میرے بعد رسول آئے گا۔ جب کے محمد ﷺ نے کسی نبی کی بشرت نہیں دی بلکہ ختم نبوت کا اعلان کیا اور فرمایا میرے بعد کوئی چیز نہیں آئے گئی، اگر آ گئی صرف قیامت آئی گئی۔

آج سے سال پہلے ستمبر کو جب تحریک ختم نبوت چلی گئی تو دن قومی اسمبلی میں بحث و مباحث کے بعد یہ قانون پاس کیا گیا کہ قادیانی کفر ہیں۔ اب قادیانی فیصل آباد میں مسجد بنانا چاہ رہے تھے۔ جو پاکستان کے پاس کیے گئے قانون اور اسلام کے خلاف ہے۔ مسجد بنانے سے منع کیا گیا تو سوال اٹھایا گیا مسجد کیوں نہیں بنانے دیے رہے۔ قادیانی بھی تو مسلمان ہیں؟

میں ان سے سوال کرتی ہوں مجھے بتا۔۔۔۔۔!!!!

وہ کس قانون اور کس دین کی روح سے مسلمان ہیں؟

اقتصادی کمیٹی کا ممبر بنایا قادیانی کو جو امریکہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ کہا جاتا وہ علم اور دانائی والا، انسان پوچھے پاکستان میں سے کوئی پڑھ لکھا کوئی انسان ملے ہی نہیں؟

حصار

ش-م-دانش

جنگ شروع ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ ہر طرف توپیں گرج رہی تھیں اور گولے سنسناتے پھر رہے تھے , دشمن ملک نے 6 ستمبر کو رات کے اندھیرے میں اچانک حملہ کیا تھا اور ان کا ارادہ تھا کہ پاکستانی فوج کے سنبھلنے تک وہ پاکستان کے دل لاہور تک پہنچ جائیں گے لیکن نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا . پاکستان کے مٹھی بھر جوانوں نے دشمن افواج کا منہ توڑ جواب دیا تھا.

میجر جمنا داس اپنے چالیس سورماں کے ساتھ موجود تھا۔ وہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتے تھے لیکن پاک وطن کے جیالوں نے ان کے خواب چکنا چور کر دیئے تھے اور سارے منصوبے خاک میں ملا ڈالے تھے۔

انھیں سوائے ناکامی کے کچھ نہ ملا تھا , یہ چالیس سورمے ایک خاص مشن مکمل کرنے جا رہے تھے، وہ پاکستان کی ایک چوکی تباہ کرنا چاہتے تھے، اس چوکی پر پاک وطن کے صرف دس جیالے پاک وطن کی حفاظت کر رہے تھے لیکن ان دس جیالوں کے خلاف سینکڑوں بھارتی سورما بھی کامیاب نہیں ہو سکے تھے اور نہ ہی کامیاب ہو سکتے تھے کیونکہ

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اب وہ ان دس افراد سے چوکی چھیننے جا رہے تھے چوکی نزدیک آ گئی تھی اس لیے وہ چھپ کر اور رینگ کر آگے بڑھنے لگے، تھوڑی دیر بعد وہ رک گئے۔

اب جیسے ہی جمنا داس فائر کہتا، وہ فائرنگ شروع کر دیتے اور پھر چوکی پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے وہ سب جمنا داس کی طرف متوجہ تھے۔

کافی دیر خاموشی چھائی رہی پھر اچانک جمنا داس نے گھبرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ فائر!

اور بھارتی سورماں نے فائر کھول دیا۔ دوسری طرف سے بھی جوابی فائر کیا جانے لگا۔ جلد ہی چار بھارتی سورما چیختے ہوئے گر گئے۔ باقی ماندہ بھاگنے ہی لگے تھے کہ جمنا داس نے آواز لگائی۔

رک جا۔ آج ہم نے ان کا مقابلہ کرنا ہے۔ یہ دس ہیں اور ہم چالیس ہیں۔ آج انہیں پتہ چلے گا کہ جنگ کسے کہتے ہیں آج ہم ان سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک تم میں سے ایک بھی زندہ ہے۔ اگر تم سب مارے گئے تو میں ان سے اکیلا ان کا مقابلہ نہیں کروں گا اور بھاگ جاں گا۔ تم مجھے اپنے گھیرے میں لے لو۔ میرے گرد اس طرح حصار قائم کر دو کہ میں دشمن فوجیوں کو نظر بھی نہ آں سمجھ گئے تم؟

یس سر۔ بھارتی سور ماں نے کہا۔
فائرنگ ایک مرتبہ پھر شروع ہوگئی۔اس مرتبہ بھارتی فوجی بھاگے نہیں تھے۔فائرنگ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔
پھر مجاہدین کی طرف سے ایک چیخ سنائی دی.....
اور اس کے ساتھ ہی تین بھارتی چیختے ہوئے زمین پر گرے اور تڑپنے لگے۔تھوڑی دیر بعد پانچ مزید بھارتی جہنم رسید ہو چکے تھے۔

☆☆☆☆

اب فائرنگ وقفے وقفے سے جاری تھی۔ جمنا داس کے ساتھ صرف دس فوجی باقی رہ گئے تھے لیکن وہ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔اچانک پاکستانی جیالوں کی طرف سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ آئی اور پانچ بھارتی تڑپتے ہوئے نیچے جا گرے۔
بھاگو واپس! یہ آواز جمنا داس کی تھی۔اور پھر وہ سر پر پاں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔سپاہی اب بھی جمنا داس کے گرد موجود تھے اور اسے حصار میں لیے ہوئے تھے لیکن اب یہ حصار نامکمل تھا۔عقب سے فائرنگ جاری تھی۔
اچانک فرشتہ اجل تین اور سور ماں کی موت کا پیغام لے کر زمین پر اترا اور تین مزید بھارتی فوجی خاک وخون میں تڑپنے لگے۔اب حصار کہاں رہا تھا؟ بس دو فوجی تھے جو موت سے بھاگ رہے تھے لیکن بھلا موت سے کون بچ سکتا ہے؟ چند لمحوں بعد وہ بھی واصلِ جہنم ہو گئے اور حصار بالکل ٹوٹ گیا۔
اب میجر جمنا داس نے چھپ کر اور جھک کر دوڑنا شروع کر دیا۔اچانک گولیوں کی تڑتڑاہٹ فضا میں گونجی اور میجر جمنا داس چیختا ہوا نیچے گر گیا۔اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی دونوں ٹانگوں میں دہکتے ہوئے انگارے بھر گئے ہوں۔

☆☆☆☆

جا کیپٹن محمد ساجد، اللہ تمہیں کامیاب واپس لوٹائے یہ ٹھیک ہے کہ ہر مسلمان کو شہادت کی آرزو ہوتی ہے اس لیے تمہیں میرے الفاظ کھٹکے ہوں گے، لیکن ابھی وطن کو تمہاری ضرورت ہے، ہم سب کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔
کرنل محمد شفیق نے کہا اور کیپٹن محمد ساجد چل دیا۔انھوں نے میجر جمنا داس سے ان کی چوکی پر موجود بھارتی سپاہیوں کی تعداد کا پتہ چلا لیا تھا جمنا داس نے بتایا تھا کہ وہاں پچاس بھارتی سور ما موجود ہیں، لیکن چونکہ اس چوکی پر پاک وطن کے صرف دس جیالے موجود تھے اور بھارتی چوکی پر قبضہ کرنا دفاعی لحاظ سے بہت ضروری تھا، اس لیے اس چوکی پر قبضہ کرنے کے لیے صرف کیپٹن محمد ساجد جا رہا تھا، اس کے پاس چھوٹی مشین گن کے علاوہ دستی بم بھی موجود تھے وہ پوری تیاری کے ساتھ چوکی پر قبضہ کرنے جا رہا تھا۔ چوکی قریب آ گئی تھی اس لیے کیپٹن ساجد نے رینگ کر

آ گے بڑھنا شروع کر دیا، جب وہ بالکل قریب پہنچا تو اس نے جیب سے دستی بم نکالا اور نعرہ تکبیر لگا کر پھینک دیا اس کے ساتھ ہی فضا بم کے دھماکے اور اللہ اکبر کی گرجدار آ واز سے گونج اٹھی , کئی چیخیں سنائی دیں....
اور پھر بھارتیوں کی طرف سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ کیپٹن ساجد نے ایک اور دستی بم پھینکا اور پھر مشین گن سیدھی کر کے فائرنگ شروع کر دی اور بھارتی چیخیں مارتے ہوئے گرنے لگے اس نے ایک اور دستی بم پھینکا، ایک مرتبہ پھر کئی چیخیں سنائی دیں اور فضا میں موجود تڑتڑاہٹ کم ہوگئی , اسی لمحے ایک گولی اس کے بایاں کندھے میں آ کر لگی اور مشین گن اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے جا گری، اس کے کندھے میں چنگاریاں سی بھر گئی تھیں کچھ دیر تو وہ کندھے کو دوسرے ہاتھ سے پکڑے لیٹا رہا ڈرپوک دشمن چھپ کر فائر کر رہا تھا اس نے مارٹر کے گولے بھی فائر کرنے شروع کر دیئے ان کے خیال میں شاید ان پر ٹینکوں سے حملہ ہو گیا تھا، لیکن مارٹر کے گولے اِدھر اُدھر ہی گرتے رہے، کوئی گولہ اس کے قریب نہ گرا تھا۔
جب گولوں کے برسنے میں کچھ کمی واقع ہوئی تو کیپٹن ساجد نے جیب سے آخری بم نکالا اور چوکی کی طرف پھینک دیا ،ایک زوردار دھماکہ ہوا اور بھارتیوں کی چیخیں سنائی دیں اس کے ساتھ ہی فضا میں موجود گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور بموں کے ہولناک دھماکے ختم ہوگئے۔ چار، پانچ منٹ بعد کیپٹن ساجد آ گے بڑھا اور چوکی میں داخل ہو گیا، چوکی کے اندر بہت سے بھارتیوں کی لاشیں موجود تھیں اور کئی کے تو پرخچے اڑ گئے تھے کیپٹن ساجد نے وائرلیس پر کرنل محمد شفیق کو اطلاع دی، وہ بہت خوش ہوئے اور پھر پانچ جیالے بھیجنے کا وعدہ کیا۔

☆☆☆☆☆

کیپٹن محمد ساجد ! ہم سب کی دعا تھی کہ تم زندہ واپس آ جا کیونکہ ابھی وطن کو تمہاری ضرورت تھی، اللہ نے ہماری دعا قبول فرمائی اور تم زندہ لوٹ آئے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کرنل محمد شفیق نے کہا۔
یہ آپ کی دعاں کا ہی حصار تھا جو نہیں ٹوٹا اور میں محفوظ لوٹ آیا ورنہ میرے گرد بھی اس جمنا داس کی طرح فوجیوں کا حصار ہوتا تو میں واپس نہ لوٹ پاتا یہ دعائیں ہی میرے لیے حصار بھی ثابت ہوئیں اور ہتھیار بھی۔ کیپٹن ساجد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
وہ اس وقت اسی چوکی پر موجود تھا جس سے وہ بھارتی چوکی کی طرف روانہ ہوا تھا۔
جمنا داس کے گرد موجود بھارتی سورماں کا حصار تو ٹوٹ گیا تھا لیکن کیپٹن ساجد کے گرد موجود دعاں کا حصار نہیں ٹوٹا تھا اور یہی تو ان دونوں حصاروں میں فرق تھا ایک حصار فانی تھا اور دوسرا لافانی.
کیپٹن ساجد اور اس کے ساتھیوں نے ثابت کر دیا تھا کہ ہمارے وطن کی طرف جو بھی میلی آ نکھ سے دیکھے گا......

دل مردہ دل نہیں ہے

ام حبان

امی: "پھوپھو سے ملاقات ہوئی؟ خیریت سے ہیں"

"جانتی ہوں سب چالاکیاں، پھوپھو کی آڑ لے کر پھوپھو کی بیٹی کی خیریت جاننا چاہ رہے ہونا"

"جب سب جانتی ہیں تو ستانا ضروری ہے،"

گھوم پھر کر کاشف کی بات پھوپھو کے گھرانے پر ختم ہوتی تھیں، جبکہ نفیسہ کاشف کی والدہ اس تکلیف دہ ذکر کو چھیڑنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔

کے باخبر تھیں کے نند صرف ٹال مٹول سے کام لے رہی ہیں،

پہلے یہ شرط عائد کئے رکھی کے کاشف سے رشتہ اس شرط پر کریں گی کے وہ انکی بیٹی کو ساتھ رکھے۔

جبکے کاشف کا مقدمہ بہت کمزور تھا، وہ فوج میں کسی بڑے عہدے پر فائز نہیں تھا، ایک معمولی سپاہی تھا، جسے یونٹ والے جہاں لے جائیں، چار جوڑے بیگ میں رکھ کر چل دینا تھا، ایسے حالات میں بیوی کو، ساتھ رکھنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

ہمارے معاشرے میں جب ایثار کی بات ہوتی تھی تو مثال کے لئے پاکستان فوج کے جوان کا، ذکر ہوتا تھا۔

اور جب رشتے ناطے جوڑنے کا وقت ہوتا تو والدین بیٹیوں کے لئے میجر، جرنل، کرنل وغیرہ کو ترجیح دی جاتی تھی۔

ایسے میں کاشف کی والدہ حتی الامکان اس موضوع پر بیٹے کے سامنے گفتگو سے گریزاں تھیں کیونکہ اب تو واضح انکار آ گیا تھا۔

کاشف کی پھوپھو نے صاف کہلا بھیجا تھا کے ان کے شوہر کا خاندان پرکھوں سے کاروباری ہے، کاشف کو بطور داماد دیکھنا انکی بھی خواہش ہے، اگر وہ صالحہ کے والد کے کاروبار میں شراکت کر لے۔

نفیسہ نامراد لوٹی تھیں، اب یہ بات بیٹے کو بتانا ایک اور امتحان تھا،

جانتی تھیں بیٹے کی شدید خواہش کے وہ پاک فوج کی وردی پہنے سینے پر تمغے پہنے۔

کاشف نے پورے خاندان کی مخالفت لے کر فوج کے محکمے کو چنا تھا،

جبکے اس کے گھر والوں کو کہنا تھا جو ملک کے حالات ہیں ایسے میں فوجی جوان کی زندگی بہت سخت ہے۔

خیر موسم کی سختیاں، فوج کی سخت ٹریننگ مکمل کر کے آج کل وہ چھٹی پر آیا ہوا تھا۔

اور والدہ سے ایک ہی مطالبہ تھا کے اس کا بچپن کا خواب پورا ہونے کو تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نفیسہ بیٹے سے بات کرنے کے انتظار میں ہی تھیں کے آج موقع مل گیا، جب وہ صبح کی ورزش سے گھر لوٹا ناشتے کی میز پر امی کو منتظر پایا۔

کاشف:"میری بات سنو، میں دوٹوک بات کروں گی اور تم کوئی سوال نہیں کرو گے،

اور تم نے وعدہ بھی کیا تھا کے اگر مثبت جواب نہ آیا تو میری مرضی پر سر جھکا دو گے "

تمہاری پھوپھو نے انکار کہلا بھیجا ہے"

میں کل ماہم کے گھر رشتہ ڈالنے جا رہی ہوں"

تیزی سے کہہ کر اٹھ گئیں، کے مڑ کے بیٹے کے ٹوٹے ارمان دیکھنے کا حوصلہ بھی نہ تھا۔

نفیسہ نے ماہم کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا کے اس کا گھرانہ ایک تعلیم یافتہ، رکھ رکھاوالا گھرانہ تھا، جہاں رشتے نبھانے کو اہمیت دی جاتی تھی۔

مادیت پرستی سے کوسوں دور تھے ماہم کے گھر والے۔

جشن کا سا سماں تھا جب ماہم دلہن بن کر نفیسہ کے گھر آئی۔

نفیسہ نے بھی بہت سوچ سمجھ کر ماہم کا انتخاب کیا تھا کے ان کے بیٹے کے ٹوٹے ،بکھرے وجود کو ایسی ہی مضبوط اعصاب کی مالک لڑکی سنبھال سکتی تھی۔

اور آنے والے وقت میں یہ بات درست ثابت ہوئی جب ہنستا مسکراتا شادی شدہ جوڑا دعوت پر جانے کو تیار تھا۔

ماں نے نظر اتاری اور ڈھیروں دعاں کے ساتھ بیٹا بہو کو رخصت کیا۔

گھر واپسی پر کاشف نے خبریں سننے کے لئے جیسے ہی ریڈیو آن کیا تو خبر چل رہی تھی کے ملک کے حالات خراب ہو رہے ہیں۔

سرحدوں پر کشیدگی بڑھ رہی ہے، ماہم چائے بنا کر لائی تو اپنے شوہر کو کچھ سوچتا پایا،

استفسار پر کاشف نے بس اتنا کہا:

"ماہم ! میری خواہش ہے کے میں وطن کی محبت میں سرشار، اس وطن کی حفاظت کے لئے اپنی جان جان آفرینی کے سپرد کر دوں،

اگر ایسا ہوا تو، وعدہ کرو کے میرے بیٹے کے لئے بھی یہ ہی زندگی منتخب کرو گی، جو میری والدہ نے میرے لئے کی، اور دیکھو جس طرح آج میری محبت نے تمہیں کمزور پڑنے نہیں دیا، کل بیٹے کی محبت بھی وطن کی محبت پر غالب نہ آئے،

کل مجھے چلے جانا ہے، اپنا اور میری والدہ کا بہت خیال رکھنا______"

پاک فوج کیشعبہ تعلقات عامہ سے مسلسل خبریں آ رہی تھیں کے ہمسایہ دشمن پاکستان کی محفوظ ترین چوکی پر نظریں جمائے بیٹھا ہے۔
یہ چوکی پاکستان کے لئے تجارتی لحاظ سے بہت اہم تھی کے اس کی شاہراہ کراچی کی بندرگاہ تک جاتی تھی،
ہمسایہ ملک اس چوکی تک رسائی چاہتا تھا، جو کے پاکستان کی عقابی فوج کے ہوتے ناممکن سی بات تھی۔
پس منظر یہ تھا کے پہلے تو بھارت انٹرنیشنل میڈیا کے سامنے مگر مچھ کے آنسو بہاتے رہا، جب دیکھا کے شنوائی نہیں ہو رہی
تو اندرون خانہ مکارانہ سازشیں شروع کر دیں۔
پاکستان نے اپنی چوکی پر سیکیورٹی بڑھا کر بھاری نفری تعینات کر دی،
دوسری طرف بھارت نے بھی پاکستان سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک چوکی بنالی جو، سرداد چوکی کہلائی۔
اب پاکستان کے سامنے دو اہم ٹارگٹ تھے ایک تو بھارتی چوکی کو تباہ کر کے بھارت کو پاکستان مین داخل ہونے سے روکنا،
اور دوسرے اپنی چھانی کی حفاظت اور اس پر، اپنا تسلط برقرار رکھنا۔
پاکستان اور بھارت کے درمیان سترہ دن تک جاری رہنے والی اس جنگ میں بھارت کی ایک لاکھ سے زائد فوج کا
پاکستان کی ساٹھ ہزار فوج کا مقابلہ تھا۔
کاشف
کو شادی کے آٹھویں دن ڈیوٹی پر حاضر ہونا پڑا،
کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا کے گزرے ایک ہفتے کے واقعات آنکھوں کے سامنے چلنے لگے:
جب اس نے ماہم کے ساتھ ازدواجی زندگی کا، آغاز کیا تھا۔
ماہم کی آنکھوں میں جلتے دیئے، اس کی بہتے جھرنے کی مانند ہنسی،
چوڑیوں کی جلترنگ،
اپنے ادھورے ارمان ہر بات رہ رہ کر یاد آنے لگی کے اچانک مسجد سے حی للفلاح کی آواز بلند ہوئی۔
کاشف نے وضو کیا، اور یونٹ کی مسجد کی طرف چل دیا۔
مسجد میں داخل ہوتے ہی سامنے جس آیت پر نظر پڑی وہ کچھ یوں تھی؛" جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں
اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، وہ اللہ کے ہاں بہت مرتبے والے ہیں)" سورہ توبہ آی (20
دیوار پر پمفلٹ آویزاں تھا
جس پر درج ذیل احادیث مبارکہ لکھی تھیں۔ .1 عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی:
؛" میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کے یا رسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کے

"نماز اول وقت پر پڑھنا"

میں نے عرض کیا پھر کون سا؟

فرمایا؛"والدین کی خدمت کرنا"

میں نے عرض کیا پھر کون سا؟

فرمایا:"اللہ کی راہ میں جہاد"باب جہاد (

.2؛"جب تم جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالی تم پر ایسی ذلت و مسکینی مسلط فرما دے گا جس سے تم اس وقت تک نہ نکل سکو گے جب تک اپنے دین کی طرف نہ لوٹو گے)"مسند احمد جلد 2 ص(42

.3 جنت تلوار کے سائے میں ہے۔

4۔ایک دعا جو رد نہیں ہوتی ان میں سے وہ ہے جب میدان جہاد میں فوجیں آمنے سامنے ہوں .

کاشف کو اپنی کچھ دیر پہلے کی سوچوں پر، سخت پشیمانی ہوئی۔

اس نے تصور کی آنکھ سے بدر و حنین، احزاب واحد کو سوچا،

غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ یاد آئے تو رب کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔

گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اور ایک عزم سے اٹھا۔

جب یونٹ واپس پہنچا تو ایک لفافے کو منتظر پایا جس میں موجود پرچے پر چند، سطریں درج تھیں۔جو گرے آنسوں کی وجہ سے مٹی مٹی سی تھیں۔

تحریر میں کاشف کو باپ بننے کی نوید سنائی گئی تھی

اور ساتھ طلائی کنگن تھے،

اور درج تھا میرے وطن کے نام میرا ہمسفر اور یہ زیورات۔

جنگ شروع ہو چکی تھی،

دشمن کی طرف سے گولہ باری جاری تھی۔

کاشف کو ایک افسر کے ساتھ انتہائی حساس علاقے میں تعینات کیا گیا تھا،

جہاں انھیں جب تک اگلا پیغام نہ آ جائے مسلسل جمے رہنا تھا۔

دشمن حملہ کرتے کرتے آگے بڑھ رہا تھا

جبکہ پاکستانی فوج بھی حد درجہ چوکنا تھی۔

بارودی سرنگیں بچھا دی گئی تھیں،

پاکستانی فوج کی مسلسل مزاحمت نے دشمن کے حوصلے پسپا کر دیئے تھے، اور دشمن فوج پیچھے ہٹنا شروع ہوگئی تھی۔

بس اب آخری فیصلہ کن لڑائی رہتی تھی،

اس موقع پر زرا،سی لغزش بڑے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔

پیغام آ گیا تھا،آ گے جانے کا،کاشف اپنے افسر کے ساتھ پیٹ کے بل رینگتا آ گے بڑھنے لگا،ساتھ ساتھ فائرنگ جاری تھی۔

ہمسایہ فوج نے صورت حال دیکھی تو اپنا علاقہ خالی کرنے لگے،

جانے سے پہلے ولایتی ساخت کا بم اچھال گئے،

کیونکہ کاشف اپنے دستے کے ساتھ سب سے آگے تھا تو دھماکے کی زد میں آ گیا۔

کاشف نے فرشتوں کو آسمان سے اترتے دیکھا تو مسکراتے ہوئے کلمہ پڑھا،اس کی روح قفس نفسی سے پرواز کر گئی تھی۔

بس خوشبو سے بھرا وجود رہ گیا تھا،

وردی پر لگا،سرخ خون ایسے تازہ تھا جیسے ابھی ابھی زخمی ہوا ہو،

شہادت ہے مطلوب و مقصود ممن ، نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اس اہم موقع پر پاکستان کی عوام نے جانی اور مالی قربانیاں پیش کر کے ثابت کر دیا کے ہم ایک زندہ قوم ہیں،

اپنے ملک کی طرف دیکھنے والی میلی آنکھ نکالنا جانتے ہیں۔

آئے تھے قبضہ کرنے ،دھول چاٹتے لوٹے۔

جاتے ہوئے جو،اسلحہ بارود چھوڑ کر گئے اس نے غیر ملکی میڈیا کے سامنے بھارت کے مذاق کا خوب سبب بنا،

کاشف کا جسد خاکی جب آبائی گاں پہنچا ہر آنکھ اشک بار تھی،

مگر ماہم کو لگا کاشف اس پر جھکا کان میں کہہ رہا ہے

"اگر اللہ نے مجھے بیٹا دیا تو وہ بھی،میری طرح دللہ کی راہ میں لڑتا ہوا دنیا سے جائے گا"

یہ سوچ کر وہ روتے روتے ہنس دی۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ

کے یہ ہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ،

تیرا ہجر پر سکون ہے

یہ سکوں ہے یا فسوں ہے۔

نہ نہنگ ہے نہ طوفاں نہ خرابی کنارہ۔

دھن کا پکا ہواباز

ابن ریاض

1950 کی بات ہے، پاک فضائیہ کے بھرتی آفیسر نے ایک لڑکے کو بتایا کہ اس کا بطور پائلٹ انتخاب ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ سے معمولی سی چھوٹی ہے۔ یہ بات سن کر وہ لڑکا انتہائی دلگرفتہ ہوا کیونکہ پائلٹ بننا اس کا جنون تھا۔ تاہم اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہمت نہیں ہارے گا۔ اس نے بڑے افسروں سے رابطہ کیا۔ انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اس لڑکے نے ان سے اعلیٰ افسران سے رابطہ کیا۔ اس لڑکے کا شوق اور مستقل مزاجی بلکہ ہٹ دھرمی اور جنون دیکھتے ہوئے افسران کے پاس اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ یوں بھی تقدیر نے ان کے لئے جو مرتبہ لکھ رکھا تھا وہ بھلا انھیں کیسے نہ ملتا۔ یہ لڑکا بعد ازاں پاک فضائیہ کا ایک نڈر اور بے باک جنگجو پائلٹ بنا کہ جس کی شجاعت پر پاک فضائیہ آج بھی ناز کرتی ہے۔

مشرقی پاکستان کے معروف ماہرِ طب (میڈیکل سپیشلسٹ) ڈاکٹر ٹی خان کے ہاں 1935 میں ڈھاکہ میں علا الدین احمد پیدا ہوئے۔ بچوں جیسی پرخلوص مسکراہٹ اور مضبوط مصافحہ ان کا خاصہ تھا۔ دوستوں کے ساتھ ملے گلے کے باوجود انھوں نے احترام کی حد کبھی عبور نہیں ہونے دی۔ اپنے دوستوں میں وہ بچ کہلاتے تھے۔ بچ نے 1951 میں پاک فضائیہ میں شمولیت اختیار کی اور 1953 میں اعزازی تلوار کے ساتھ فضائیہ کالج سے فارغ التحصیل ہوئے۔

پیشہ ورانہ مہارت اور حب الوطنی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ 1959 میں بھارت کا ایک طیارہ عید کے روز پاکستان میں آیا تھا اور اس نے پاکستانی علاقوں کی تصاویر لینی شروع کر دی تھیں۔ تاہم پاک فضائیہ کے ایک شاہین) محمد یونس (نے اس کو مار گرایا تھا کہا جاتا ہے کہ بھارت کی اس حرکت پر علا الدین احمد بچ کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کا بدلہ لیں گے۔ موقع ملنے پر وہ بھارتی حدود میں جا گھسے اور دور تک چلے گئے۔ بھارتی راڈاروں نے انھیں دیکھ لیا اور کئی بھارتی طیاروں نے انھیں گھیر لیا اور انھیں دہلی ائیر پورٹ پر اترنے کا کہا۔ بچ نے تسلیم کر لیا۔ بھارت نے پاکستانی ہائی کمشنر کو بھی ائیر پورٹ طلب کر لیا کہ ہم نے پاکستانی پائلٹ کو جاسوسی کرتے ہوئے پکڑ لیا ہے۔ ہائی کمشنر پریشانی میں ائیر پورٹ پہنچے اور پائلٹ سے رابطہ کروانے کا کہا۔ رابطے پر انھوں نے پائلٹ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیوں آئے ہو تو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے جواب دیا۔ میرا نام ہے بچ اور میں تلوں گا بھارتیوں کے بچ اور کہا کہ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ دیکھتے جائیں کہ میں کرتا کیا ہوں۔ جونہی جہاز دہلی ائیر پورٹ پہنچے بچ نے اپنے جہاز کی بلندی کم کر دی گویا کہ وہ اترنے لگے ہیں۔ وہ

بلندی کم کرتے رہے یہاں تک کہ وہ بالکل زمین سے کچھ فٹ رہ گئے۔ بھارتی لڑاکا طیارے بھی مطمئن ہو گئے اور اترنے لگے۔ یونہی بھی انھیں معلوم تھا کہ ان کے ساتھ کئی جہاز ہیں جبکہ پاکستانی اکیلا ہے۔مگر وہ اطمینان میں مار کھا گئے کیونکہ جیسے ہی ان کے ٹائر زمین سے ٹکرائے بچ نے جہاز ایک جھٹکے سے اوپر اٹھایا اور پاکستان روانہ ہو گئے۔

جہاز کے ٹائر زمیں سے ٹکرا جائیں تو پھر وہ فوری اڑ نہیں سکتا اور اسے رن وے پر کئی کلومیٹر دوڑ نا پڑتا ہے اور اس دوران مخالف طیارہ پہنچ سے دور ہو جاتا ہے۔یوں بھی دہلی پاکستان سے زیادہ دور نہیں تو بچ کے لئے یہ وقفہ کافی تھا اور وہ بھارت کو سبق سکھا کر بخیر وخوبی پاکستان پہنچ گئے۔

1965 کی جنگ مین علاالدین بچ سکواڈرن لیڈر تھے۔انھوں نے تقریبا بیس مشنوں میں حصہ لیا اور سبھی میں شاندار کامیابی پائی۔ 13 ستمبر کی صبح انھوں نے چونڈہ کے محاذ کو بھارتی ٹینکوں اور مشین گنوں کا قبرستان بنایا۔ابھی ہوائی اڈے پر آ کر بمشکل ناشتہ ہی کیا تھا کہ آرمی نے فضائیہ کو اطلاع دی کہ بھارت کی جدید اسلحے سے لیس ایک مال گاڑی گورداسپور کے قریب پہنچ چکی ہے۔پاک فضائیہ سیاس گاڑی کی تباہی کے لئے کہا گیا۔ ایک مرتبہ پھر قرعہ فال علاالدین اوران کے ساتھیوں کے نام نکلا۔علاالدین اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ اس مشن پر روانہ ہوئے۔ گورداسپور پہنچ کر شاہین وں نے اپنا ہدف تلاش کرنا شروع کیا۔انھیں ایک گاڑی نظر آئی۔شاہین اس پر جھپٹے۔قریب پہنچے تو دیکھا کہ اس میں نہتے مسافر ہیں تو فوراا پنے جہاز اوپر اٹھا لئے کہ پاکستانی شاہینوں کا کام نہتیشہریوں کا شکار کرنا نہیں ہے۔

ہوابازوں نے نگاہیں دوڑائیں تو انھیں ریلوے اسٹیشن پر ایک گاڑی کھڑی نظر آئی۔ بچ نے کہا کہ میں اسے چیک کرتا ہوں۔چیک کرنے کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ ڈبے کھول کر دیکھا جاتا کہ ان میں کیا ہے بلکہ طریقہ وہی تھا جو اسکواڈرن لیڈر علاالدین نے اختیار کیا۔انھوں نے جہاز کو غوطہ دیا اور گاڑی کو شست میں لیا۔جونہی گاڑی شست میں آئی انھوں نے بٹن دبایا اور جہاز کی مشین گنوں کی گولیاں ریل گاڑ یسے ٹکرائیں۔اس کے ساتھ ہی ایک زوردار دھماکا ہوا اور سیاہ دھوئیں کے بادل گورداسپور کی فضا میں پھینے لگے۔بچ نے گاری کو چیک کر لیا تھا۔ وہ جھنٹے سے اٹھا اور وائرلیس پر چلایا۔۔یہی مطلوبہ گاڑی ہے۔اسے تباہ کر دو۔پھر وہ دوسرے جھپٹے میں گیا اور بم گرائے۔وہ اوپر جاتا تو اس کے دوسرے ساتھی گاڑی پر جھپٹ پڑتے۔

کچھ ہی دیر میں پھٹتے بارود کے سیاہ دھویں میں مال گاری کے ڈبے چھپ چکے تھے تمام گاڑی اسلحہ سے بھری ہوئی تھی اور اگلے مورچوں پر روانہ ہونے والی تھی۔۔پاک فضائیہ کے یہ جانباز دھویں میں جہاز لے جا کر اور اپنی جان اور جہاز خطرے میں ڈال کر گاڑی پر فائرنگ کر رہے تھے۔اس گاڑی کا کوئی ایک ڈبہ اور اس میں اسلحے کی ایک پیٹی بھی محفوظ رہ جائے یہ علاالدین اور اس کے ساتھیوں کو گوارا نہ تھا۔۔وہ پاکستان کی تباہی کا سامان بھارت میں ہی

تباہ کردینے کا عزم رکھتے تھے۔

سارا ریلوے اسٹیشن دھویں میں چھپ چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اسٹیشن پر آگ لگی ہوئی ہو۔ یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ گاڑی کہاں ہے یا کہاں تھی؟ مگر علاالدین مطمئن نہ تھا۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے کچھ ڈبے بچ گئے ہوں۔ یہ کہہ کر علاالدین پھر غوطے میں جا کر دھویں مین روپوش ہوگیا۔ وہ انتہائی نیچی پرواز پر جا کر گاڑی کو دیکھتا رہا۔ اس نے جہاز کو قریبا عمودی کھینچا اور پھر غوطے میں چلا گیا۔ جاتے جاتے بچ نے بتایا کہ ابھی کچھ ڈبے محفوظ ہیں ۔ ہوابازوں کو یقین نہ آیا کہ وہ اس اندھیرے میں ڈبے دیکھ آیا ہے۔ وہ اس کی دیوانگی سے فکرمند ہونے لگے۔ انھوں نے تو اپنی دانست میں گاڑی کو ختم کر دیا تھا مگر علاالدین نے گہرے غوطے میں جا کر بچے کھچے تمام راکٹ فائر کر دیئے۔ وہ ٹھیک کہتا تھا کہ ابھی کچھ ڈبے باقی ہیں ان ڈبوں مین بم تھے یا بڑی توپوں کے گولے کہ راکٹ لگتے ہی ایک ہیبت ناک دھماکہ ہوا۔ اس دھماکے کی لہریں اسقدر شدید تھیں کہ دور فضا میں موجود جہاز یوں ڈولے جیسے کاغذ کے بنے ہوں۔ ریل گاڑی کا ملبہ فضا میں گولوں کی طرح آیا اور گردوپیش میں پھیل گیا۔ گہرے اندھیرے نے سارے علاقے کو لپیٹ میں لے لیا۔ اسی قیامت نے علاالدین احمد کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے جہاز کو اوپر اٹھانا چاہا مگر اڑتے ملبے کے لاتعداد ٹکڑے اس کے جہاز کو آن لگے اور اسے اٹھنے کے قابل نہ چھوڑا۔ علاالدین احمد نے اسی بلندی پر جہاز قابو کیا اور پاکستان کے لئے رختِ سفر باندھا مگر اس وقت تک کم بلندی میں دیر تک ہدف کو نشانہ بنانے کے باعث ان کی کاک پٹ بھی دھویں سے بھر چکی تھی۔ سو وہ کبھی پاکستان واپس نہ پہنچ سکے مگر انھوں نے شہادت سے قبل اس امر کو یقینی بنایا کہ پاکستان کے خلاف استعمال ہونے والا اسلحہ بھی پاکستان تک نہ پہنچے۔

علاالدین احمد کا خاص وصف ان کا ارادہ تھا۔ وہ جس بات کا ارادہ کرتے اس کے لئے وہ تن من دھن سب لگا دیتے تھے۔ وہ دھن کے پکے تھے۔ یہ وصف ہی ان کا پاک فضائیہ میں شمولیت کا باعث بنا ورنہ طبی بنیادوں پر تو وہ پہلے قدم پر فارغ ہو گئے تھے اور اسی خوبی نے انھیں شہادت جیسے اعلی وارفع مقام پر پہنچایا۔ ان کی شجاعت وجرات کے اعتراف میں انھیں بعداز شہادت ستارہ جرات سے نوازا گیا۔

عظیم قوم کی عظیم فوج

سائیں سلمان

عظیم قوم کی عظیم فوج جس کا نعم البدل نہیں کوئی، یہ ایسی عظیم فوج ہے جس کو چار سو دہشتگردی کا نشانہ بنایا گیا لیکن ان کو کوئی اپنے مشن سے روک نہیں سکا!!!

پہلا منظر۔۔۔!!!

صدام حسین کی وفات کے بعد عراق کے حالات خراب ہوتے ہیں۔ دہشتگرد تنظیمیں زور پکڑتی ہیں۔ چند مہینوں میں ہی پورا عراق دہشتگردی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ عراقی فوج دہشتگردوں کے مقابلے میں ناکام نظر آتی ہے۔ فوجیوں کی اکثریت دہشتگردوں سے لڑنے کی بجائے نوکریاں چھوڑنے یا خودکشی کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ داعش کی ہاتھوں اپنی عوام کے کٹتے ہوئے سروں کو عراقی فوج بے بسی سے دیکھتی ہے۔

نتیجہ آپ کے سامنے ہے پورا عراق آگ و خون کے سمندر میں ڈوب رہا ہے۔

دوسرا منظر۔۔۔!!!

شام میں چند لوگ حکومت مخالف نکلتے ہیں غیر ملکی طاقتوں کی حمایت سے حکومت خلاف بغاوت اٹھ جاتی ہے۔ دہشتگرد تنظیمیں اپنا آپ دیکھاتی ہیں۔ بشارالاسد کی فوج داعشی جنگجوں کے سامنے ریت کی طرح بکھر جاتی ہے۔ شام کے علاقوں پر داعش جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتی ہے ان کی نظیر نہیں ملتی۔ شامی فوج داعش کے سامنے بے بس ہو کر کیمائی ہتھیار استعمال کرتی ہے۔ معاملات مذید خراب ہوتے ہیں۔ شام ایک طاقتور فوج کے ہوتے ہوئے بھی کھنڈرات کا منظر پیش کرتا ہے۔

اب دہشتگرد شامی فوج کو تقریبا شکست دے چکے ہیں۔

تیسرا منظر۔۔۔!!!

دنیا کی سب سے مظبوط طاقت افغانستان کے پہاڑوں سے گزشتہ پندرہ سالوں سے ٹکرا رہی ہے۔ جس کا دعوی تھا کہ وہ ایک ہفتے میں افغانستان پر جھنڈا لہرا دے گی، پندرہ سالوں سے اس کی فوج طالبان سے جوتے کھا رہی ہے۔ آج حالات یہ ہیں کہ جدید ترین ٹیکنالوجی ہونے کے باوجود بھی سپر پاور کی فوج طالبان سے مذاکرات کی بھیک مانگ رہی ہے۔ ہزاروں فوجی ذہنی مریض بن کر واپس امریکہ چلے گئے۔ سینکڑوں خودکشی کر چکے ہیں۔۔ طالبان آج بھی اکثریت علاقے پر قبضہ جما کر سپر پاور کی فوج کا دنیا میں مذاق بنوا رہے ہیں

یہ تین مناظر ہمیں بتاتے ہیں ہیں کہ دہشتگردوں اور باغیوں کے سامنے دنیا کی بہترین افواج شکست تسلیم کر چکی

ہیں۔کیا یہ دہشتگرد اتنے ہی طاقتور ہیں جو بڑی بڑی طاقتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔۔۔؟؟؟

جی نہیں حضور ایک فوج اور بھی ہے جس نے اپنی قوم کو ان درندوں سے پاک کیا۔۔۔ جس نے ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے وحشیوں کو لگام ڈالی۔ان وحشیوں نے قوم کے ستر ہزار لوگوں کے گلے کاٹے مگر یہ فوج ان کے سامنے ڈٹی رہی۔اس فوج کے جوانوں کے سروں سے فٹبال کھیلا گیا،ان فوجیوں کے بچوں کے گلے کاٹے گئے۔مگر شائد یہ فوج کسی اور دنیا کی فوج تھی۔یہ ایک قدم پیچھے نہ ہٹی۔اسے کافر فوج،مرتد فوج کہا گیا مگر پھر بھی یہ قوم کی طرف بڑھتی ہوئی گولیاں اپنے سینوں سے روکتی رہی۔۔

یہ واقعی عجیب فوج تھی۔اس کے کسی فوجی نے خودکشی نہیں کی،کسی نے یہ کہتے ہوئے نوکری نہیں چھوڑی کہ میں دہشتگردوں سے نہیں لڑ سکتا۔ان فوجیوں کی مائیں بھی عجیب تھی۔بیٹے کی لاش پر آنسو بہانے کی بجائے ایک اور بیٹے کو وطن پر قربان ہونے کا کہتی۔

یہ کارنامہ صرف اس عجیب فوج کا ہی تھا کہ جو جنگ بڑی بڑی فوجیں ہار گئیں وہ جنگ اس فوج نے جیتی۔یہ دنیا کی واحد گوریلا وار کی فاتح فوج بنی۔کسی نے کہا یہ شاید مریخ سے آئی ہوئی فوج ہے جو لاشوں سے خوفزدہ نہیں ہوتی۔ کسی نے کہا یہ جنگل سے آئی ہوئی فوج ہے جو اپنے وطن کے دفاع کی خاطر اپنے بچوں کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتی۔۔۔

ہاں یہ واقعی عجیب فوج ہے۔

جس کا کوئی نعم البدل نہیں یہ ایسی عظیم فوج ہے۔

پاک فوج تیری عظمت کو سلام۔پاک فوج زندہ باد پاک فوج ہمیشہ سلامت رہے۔آمین

میرا جنون

وقاص معین

احسن ایک ننھا سا پیارا سا سات سال کا بچہ تھا جو گلیوں سے کھیلتا ہوا سیدھا اپنی ماں کی گود میں جا بیٹھا ماں نے اس کا ماتھا چوما اور ڈھیر سارا پیار کیا احسن بولا امی امی میں بھی بڑا ہو کر ابو جان کی طرح فوج کا سپاہی بنوں گا یہ سننا تھا کہ اسکی امی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے خیر احسن تو ابھی بچہ تھا تو وہ زیادہ سمجھ نہ پایا وقت کے ساتھ ساتھ احسن بڑا ہوتا گیا اور اس نے میٹرک بھی پاس کر لی اب اسے احساس ہوا کہ ماں اکیلی سارا دن گھروں میں کام کرتی ہے اور اپنا اور میرا پیٹ پالتی ہے کیوں نا اب مجھے بھی کوئی کام کرنا چاہیے اور یوں وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل پر کام کرنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ باورچی سے کھانے بنانے کے طریقے بھی سیکھنے لگ گیا یوں وہ ایک اچھا شیف بھی بن گیا

پھر اچانک یوں ہوا کہ ملک میں دشمن ممالک حملہ آور ہونے لگے کبھی فائرنگ تو کبھی کوئی گولا بارود ایسے میں پاک فوج کو نوجوانوں کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے ہر شہر گلی محلے گاں سے نوجوانوں کو اپنے دستے میں بھرتی کرنا شروع کر دیا احسن کا شوق تو بچپن ہی سے سپاہی بننے کا تھا تو وہ اس قیمتی سرمایے کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا لیکن جب اس نے اپنی ماں سے اس کے لیے اجازت مانگی تو انہوں نے انکار کر دیا اور اصرار کرنے پر اس کی ماں نے بتایا کے اس کے ابو بھی پاک فوج میں تھے ایک دن اچانک سیٹھی کے ذریعے اطلاع ہوئی کے اپنی چھٹیاں ختم کر کے ڈیوٹی پر آئے کیونکہ دشمن ممالک نے پاکستان کی سرزمین پر حملہ کر دیا ہے اس وقت پاک ہند کی جنگ کی خبریں عروج پر تھی پھر نجانے کیسا کھیل وقت نے کھیلا کہ تیرے ابو ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے دستے والوں نے بتایا کے ان کو ہندوستان کے فوجیوں نے قید کر لیا ہے

اس نے اپنی ماں کے آنسو صاف کرتے ہوئے اپنی ماں سے وعدہ کیا کہ میں لوٹ کر آوں یا نا آوں پر ابو جان کو دشمن کے پکڑ سے ضرور واپس لے کر آں گا اور دشمن کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دوں گا اور اس دھرتی کا ایک دانہ بھی دشمن کو اٹھانے نہیں دوں گا

اور پھر انہیں بڑی کوششوں کے بعد احسن کو پاک فوج میں بھرتی کیلئے اجازت مل گئی اور اسکے ٹرینگ مکمل ہوئی ٹرینگ کے دوران کبھی کبھی کھانا بنانے کی ڈیوٹی بھی سرانجام دیتا رہا جس میں وہ اپنی مثال آپ تھے

پھر یوں ہوا کہ اچانک سے سب نوجوانوں کے دس دس لوگوں کے الگ الگ سے دستے بنا کر مختلف باڈروں کی حدود سے ذرا فاصلے پر مورچے بنا کر ٹھہرا دیا گیا اور تلقین کی گئی کہ دشمن ممالک کی چھوٹی سے چھوٹی حرکت پر بھی نظر رکھی جائے

سردیوں کی لمبی کالی راتیں تھیں سب سو رہے تھے اور پہرے کی ذمہ داری احسن کی تھی اس کالی رات میں وہ الو کیسی تیز آنکھوں سے دشمن کے ٹھکانے پر نظر جمائے ہوئے تھا اچانک سے اسے کسی سرگوشی کی آواز سنائی دی تو پتہ چلا کہ یہ کسی درخت کے پتوں کے ہلنے کی ہے لیکن آواز مسلسل آنے لگے تو محسوس ہوا کہ کچھ گڑ بڑ ضرور ہے اس نے ہوا میں فائر کیا اور کچھ دیر بعد آواز آنا بند ہوگئی گولی کی آواز سے باقی ساتھی بھی جاگ گئے اس نے سارا ماجرا انہیں کہہ سنایا تو انہوں نے اردگرد کے کے علاقے کا جائزہ لیا انہوں نے دیکھا کہ جو درخت باڈر کے دوسری طرف ہے بالکل ایسا ہی درخت اس طرف بھی ہے انہوں نے ایک دوسرے کو ہوشیار رہنے کو کہا

چھان بین کرنے سے پتہ چلا کہ درخت کی جڑ میں سے ایک سرنگ نکالی گئی ہے جو شاید دشمن لوگوں نے اپنے آنے جانیکیلیے رستہ بنایا ہوا تھا جہاں سے وہ ملک پاکستان پر حملے کے لئے آتے تھے اور منہ کی کھا کر واپس جاتے تھے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ سرنگ میں جانے لگے کچھ دور جا کر انہیں خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے اپنے آپ کو خطرے کے لیے تیار کیا انھوں نے جب سامنے دیکھا تو ایک تہہ خانے میں کچھ لوگ بم بارود بنانے میں لگے ہوئے تھے اور چند لوگ ان کے سروں پر کھڑے ہو کر یہ کام لے رہے تھے اس سے ان کو یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ یہ کوئی پاکستانی لوگ ہیں جنکو انہوں نے قید کیا ہوا ہے اور زبردستی ان سے کام لے رہے ہیں انہوں نے بڑی ہمت سے آگے بڑھ کر دشمن کو للکارا اور ایک دوسرے پر گولیاں چلانے لگے بس چند ایک ضعیف العمر لوگ رہ گئے جو یہ سب کام سرانجام دے رہے تھے پہلیتو سوچا کہ ان کو بھی مار ڈالے لیکن پھر احساس ہوا کہ ان کی چھان بین تو کی جائے بعد میں پتہ چلا کہ یہ بھی پاک فوج کے جوان تھے جو ہندوستان کی فوج نے قید کر لیے تھے یو احسن نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک بہت بڑے پاکستانی گروہ کو آزادی دلوائی اور پاکستان کے خلاف بننے والی بہت بڑی سازش کو ناکام بھی بنا دیا

جاں نثارانِ وطن

رخشی قیصرانی

آج شانزل آئی ایس آئی کا ایجنٹ بن گیا تھا اور عمارہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی ان ساس بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز ھو گئیں

"***دادی جان میں بھی بابا کی طرح آئی ایس آئی میں جاں گا " دعا مانگتے ھوئے ان کو پتہ ھی نہیں چلا کہ کب ان کے دامن پہ گرتے آنسو دیکھ کر انکا پوتا ان کے آنسو پونچھنے آ گیا اور ان کے ھاتھ اپنے ھاتھوں میں لے کر ایک عزم سے کہنے لگا .ان کی آنکھوں میں وہ منظر ابھرا جب اپنے بیٹےکو آخری بار دیکھا تھا.

******دانیال کا آئی ایس آئی میں جانے کا جنون دیکھتے ھوئے اس کے ابو عظیم علوی نے جو خود بھی آرمی کے آفیسر تھے اس کو اس طرح سے ٹرینڈ کیا کہ وہ ہر خطرے سے نبٹنے کے لیے ہر دم ایسے تیار رہتا کہ جیسے یہ ایک معمولی بات ھو .پاکستان کو بنے کچھ ہی سال گزرے تھے اس لیے ملک کی بقا کے لیے آرمی ہر دم تیار رہتی تھی .انہوں نے دانیال کو ملٹری ٹریننگ کے لیے بھیجا .جب دانیال میجر بن کر لوٹا تو وہ دن ان کے لیے یادگار تھا ان کی آنکھیں اپنے جوان بیٹے کو دیکھ کر جگمگا اٹھیں تھی ماں بھی بیٹے کو لپٹا کر ماتھے پہ بوسہ لیتے ھوئے اپنے آنسو نہ روک پائی .

1965****** کی وہ رات جب بزدل دشمن اندھیرے میں وار کرنے آ گیا تو عظیم علوی بھی اس جنگ میں شریک ھوئے دشمن کی سازش کو ناکام بناتے ھوئے آگے بڑھتے گئے پھر خود بھی ایک گولے کی زد میں آ گئے .صبح جب پرچم لپیٹے اللہ کی راہ میں اپنے آخری سفر پہ گامزن ان کو تابوت میں بند کر کے گھر لایا گیا تو اپنی ماں اور دادی کا سہارا بنے دانیال علوی نے عہد کیا تھا کہ وطن کو جب بھی ضرورت پڑے گی وہ کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹیں گی .اور ان کی ماں وہ عظیم عورت تھی کہ شوہر کے بعد بیٹے کو بھی قربان کرنے کا حوصلہ ان میں جوان تھا تا کہ ان کے وطن کا دشمن کی سازشیں بال بھی بیکا نہ کر سکیں.

****دانیال علوی شادی کے حق میں نہیں تھے لیکن ماں کی خواہش پہ سر جھکا کر اپنے ماموں کی بیٹی کو شریک سفر بنا لیا .انہوں نے عمارہ کو پہلی رات ہی بتا دیا تھا کہ ان کی زندگی وطن کی امانت ھے اس لیے ان کے ایک لمحے کا بھی بھروسہ نہیں کہ جب انکو کوئی اسائمنٹ ملے گی وہ ملک سے باہر چلے جائیں گے اس لیے عمارہ نے اپنی ساس کی طرح خود کو مضبوط بنا لیا تھا دانیال زندگی کو ایسے جیتا جیسے یہ پل اسکا آخری پل ھے عمارہ جب اس کو ٹوکتی تو وہ کہتا پنچھی پہ کبھی بھروسہ نہیں کرنا ھاتھوں سے کب اڑ جائیں پتہ ہی نہیں چلتا اس پر عمارہ رخ موڑ کر بھیگی آنکھیں چھپانے کی ناکام کوشش کرتی اور دانیال اسکو خوب چھیڑتا تھا کہ ایک جانباز کی بیوی اتنی بزدل ھے.

*****آج وہ دن آن پہنچا جب وطن کو ایٹمی طاقت بنانے کے لئے کئی جان نثاران اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر پاکستان کو الوداع کہنے والے تھے کوئی زندہ لوٹ کے بھی آ سکے گا کہ نہیں کسی کو نہیں پتہ تھا دانیال علوی اپنی ماں اور بیوی کو الوداع کہنے گھر آئے تو ماں اور بیوی کو جگمگاتے چہروں کے ساتھ مٹھائی تقسیم کرتے دیکھا وجہ پوچھنے پہ پتہ چلا کہ وہ باپ بننے والے ہیں اس خبر سے وہ خوش ھو گئے اور بیوی اور ماں سے الوداعی ملاقات کی کہ اور وطن کے لیے دیار غیر ایسے گئے کہ اپنا مشن تو پورا کر دیا ایٹم کی مشینری پرزوں کی صورت میں بھیجی لیکن وہ خود واپس نہ آ سکے۔

******آج 6 ستمبر کے شہدا اور غازیوں کی یاد میں ان کے کالج میں اعزازی سیمینار تھا اور انہوں نے اپنے پوتے کو بصد اصرار اس میں شرکت کے لیے راضی کیا تھا انہوں نے اپنی تقریر میں کہا "میرا دل دکھتا ھے جب میں اپنے لوگوں کو اپنی فورسز کے خلاف بولتے دیکھتی ھوں آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے دشمن کی چالوں کو وہ آج سے نہیں اسلام کے شروع دنوں سے چالیں چل رہا ھے لیکن ھر دور میں اس کو منہ کی کھانی پڑی۔ بدر احد اور خندق سے لیکر برصغیر میں اسلام کے پھیلنے تک کبھی عمر علی اور خالد بن ولید کی وجہ سے منہ کی کھائی تو کہیں سترہ سالہ محمد بن قاسم نے ان کو منہ کے بل گرایا تو محمود غزنوی نے سومنات توڑ کر ان کے کلیجے پہ وار کیا۔ یہ جنگ آج کی نہیں ھے آج کی ھوتی تو کم سن ھوا باز راشد منہاس اپنی جان دے کر دشمن کے ارادے خاک میں نہ ملاتا۔ تم لوگ جو عیش و عشرت سے رہ رہے ھو تم کیا جانو عزیز بھٹی اور ایم ایم عالم کے جذبات کو جو جان کی پرواہ کیے بنا پاکستان کے لیے آخری سانس تک لڑے۔ کیا ان فورسز والوں کا کوئی گھر نہیں ھوتا کیا ان کے ماں باپ نہیں ھوتے کیا ان کے بیوی بچے نہیں ھوتے جو یہ بارڈر پر اور ایجنٹ بن کر تم لوگوں کو پرسکون وطن میں آزادی سے رھنے کے لیے اپنی جان ہتھیلی پہ لیے پھرتے ھیں کیا سوچ کر ان کے خلاف بولتے ھو تم لوگ ھم سے پوچھو ھم نے قربانیاں دی ھیں اس ملک کی بقا کے لیے اسے ایٹمی طاقت بنانے کے لیے کتنے ایجنٹ جان سے گئے کوئی جانتا ھے کیا ایٹم کی مشینری ایک ایک پرزے کی صورت میں ملی لیکن بھیجنے والوں کا کوئی پتہ نہیں کہ ان کو کہاں کی مٹی نصیب ھوئی.. دشمن جانتا ھے کہ آئی ایس آئی کے ھوتے وہ پاکستان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس لیے سازش کر رہا ھے تاکہ تمھارے ھی ھاتھوں سے تمکو تباہ کر سکے۔ خدارا دشمن کی مکرہ سازش کو سمجھو اور اپنی فورسز کو عزت دو کیونکہ یہ سلامت ھیں تو ھی ملک سلامت ھے۔ ملک سلامت ھے تو ھمارا فخر قائم ھے کہ ھم آزاد ھیں۔ ***ھماری مائیں وہ عظیم مائیں ھیں جو اپنے مذہب اور ملک کے لیے ایسے شیر جواں پیدا کرتی ھیں جو دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح ھیں اور ان سے ٹکرا کر ھمیشہ ھی وہ پاش پاش ھوا ھے ان کا جذبہ تو دیکھ کہ کیسے وطن کے لیے اپنے وہ جگر گوشے قربان کرتی ہیں جن کی چھوٹی سی چوٹ پہ وہ خود رونے بیٹھ جاتی تھیں۔ کیسا جذبہ ھے یہ کوئی نہیں جان سکتا اور میں فخر کرتی ھوں اپنی فورسز پر کیونکہ یہ ھمارا غرور ہیں ھمارا مان اور ھماری وہ طاقت ہیں جس سے دشمن اب تک خائف ھے اللہ کے

لیےاس کی سازش کونا کام کروا پنی فورسز کا ساتھ دو مجھے اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ ساتھ اپنے پوتے شانزل علوی پہ بھی فخر ھے جو آئی ایس آئی جوائن کر چکا ھے . یہ کہتے ھی انکا گلا رندھ گیا میجر شانزل سٹیج پہ آئے اور اپنی دادی کو شانوں سے تھاما اور کہا کہ شہید ھونے کا ولولہ وھی جانتا ھے جس میں حب الوطنی کا جنون ھوتا ھے اور غازی جانتا ھے فاتح ھوکر سر فخر سے بلند کرنا یہ وہ جذبے ھیں جہاں عام انسان کی سوچ بھی جواب دے جاتی ھے ھم جان نثاروں کے آگے جہاں ایسے آباد ھیں کہ ھم دشمن کو مٹانے کو اپنی مثالیں چھوڑ جاتے ھیں . ان شا اللہ ھم دشمن کو ایسا گھا کہ وہ بلبلا تا رہ جائے گا لیکن کچھ ھاتھ نہیں آئے گا ان شا اللہ... نازوں پلے راج دلارے ماں کی آنکھ کے تارے کیسے کرتے ھیں جاں قرباں کہ دنیا ھے اتنی حیراں ماں کی گود میں سر رکھ کر باپ سے ضد منوانے والے لاڈ اتنے اٹھوانے والے کیسے ھو گئے قرباں کہ دشمن ھو گیا پشیماں بہنوں کے ھیں یہ پیارے بات بات پہ چڑا بے والے کیسے بنے فولادی چٹان جو بنی عظمت کا نشان ہاں یہ ہیں ھمارے جوان جب داپہ لگی وطن کی آن چھپ کر کیا بزدل نے وار لیکن اسکا کاری وار کر دیا ایسے بیکار کہ مائیں ھوءاتنی شادمان فخر سے سر اونچا کیا کہ ماں ھوں میں شہیدوں کی نہیں ڈرتی میں قربانی سے میں واردوں جگر گوشے جو میرا وطن مانگے مجھ سیھیں شیر جواں پالے میں نید شمن کو پچھاڑیں وہ ایسے بلبلا اٹھیں انکی نسلیں نہ درد کبھی وہ کم ھو پائے وہ ایسے منہ کی کھائیں ہاں ہم ہیں وہ مائیں کہ دشمن کی کمر توڑنے کو ھم بھیجیں ان شاہینوں کو جو مٹائیں دشمن کو ایسے کہ نشاں نہ ان کا باقی ھو جذبہ ھے ان میں ولید سا ھمت ھے ان میں حیدر کی دبدبہ ھے ان کا عمر جیسا اور عاشق ھیں صدیق سیکوئی ان کو کیسے گرا سکیکوئی ان کو کیسے مٹا سکینہ آنکھ میں انکی موت کا ڈر کہ نذرانے دیں یہ جان کے نہ وطن پہ آنچ آنے دیں آندھی بن کے یہ جب جائیں رقیبوں سے ایسے ٹکرائیں بل کھا کے وہ ایسے رہ جائیں یہ شہید یہ غازی جو اندنیا میں بنیھمت کا نشانیہ میرے وطن کی آنیہ میرے وطن کی جانہاں پالے ایسے میری ماں نے مٹانے دشمن کی ہستی کو کہ وہ دھول نہ ان کی پا سکیں نہ ان کو کوئی مٹا سکے کہ تلواروں کے سائے میں قدم ایسے بڑھائیں کہ دل میں ھو شوق شہادت لب پہ ھو نعرہ تکبیر ہاں ھم ہیں وہ شیر جواں جو خاک میں ملائیں دشمن کو کہ سانس بھی اس پہ تنگ کر دیں روح انکی تڑپ کے کانپ اٹھے جب سوچ میں اس کے ھم آئیں ھم ایسے جاں نثار کہاں کہ دنیا ھے اتنی حیراں.....

امید سحر

امید سحر

۔آج فضا میں معمول سے زیادہ حبس تھا۔ پیڑوں کے پتے خاموش اور جامد تھے۔ "یار 6 ستمبر کو چھٹی ہو گی یا نہیں" انعم نے زویا سے پوچھا۔ "پتہ نہیں "مس امبر کہہ رہی تھی کہ چھٹی حکومت نے ختم کر دی ہے "زویا نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ " کیا ہے یار ایک چھٹی دیتے ہوئے کیا مسئلہ ہو جائے گا انہیں۔ آ ٹنگ کا پروگرام بنایا تھا سب کزنز نے ملکر "۔بچوں کا بریک ٹائم ختم ہوا تو فرحین گراونڈ اور کلاسوں کی صفائی کی صورتحال دیکھنے کے لیے راونڈ پر نکلی جب کچھ کلاس میں جاتی بچیوں کی آواز اسکے کانوں میں پڑی۔ 6 ستمبر کی بات پر انکی نظر بلا ارادہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگوٹھی پر گئی جس کے ڈیزائین اور نگینے کو دیکھ کر اکثر کولیگز اور ملنے والے بنانے والے کا پتہ پوچھتے تھے۔اور انکا ذہن بہت پیچھے اس آنگن میں چلا گیا جہاں صحن میں دادی اماں بڑے پلنگ پر تکیے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی ہیں "سن احمد نثار ! تیری ساری ماسٹری گھر سے باہر ہی چلتی ہے۔کبھی اپنی بیوی اور اولاد پر بھی کوئی حکم چلا دیا کر۔ ""اماں آپ حکم کریں"۔چچا جان نے مسکراہٹ چھپا کر فرمانبرداری سے کہا۔"جواد سے کہہ کہ فوج کی نوکری چھوڑ کر واپس آ جائے بڑی منتوں مرادوں سے لیا ہے رب سے اور تیری بیوی نے اسے جنگلوں اور صحراں کی خاک چھاننے کے لیے بھیج دیا"۔دادی جان نے نم لہجے میں کہا۔ "اماں جان آپکا پوتا اب بڑا افسر بن گیا ہے۔ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کر رہا ہے"۔ "بیس کی ہو گئی فری۔ کہہ اس نکمے افسر کو۔اب کی بار آئے تو دو بول پڑھوا کر اپنی امانت ساتھ لیکر جائے۔ پھر کرتا رہے سرحدوں کی حفاظت۔میرے احمد غفار کی فکر تو کم کرے"دادی نے بڑے بیٹے کا نام لیتے ہوئے بات مکمل کی۔

وہ بھی ایک معمول کا دن تھا جب جواد حسین نے فوج کی وردی میں گھر کی دہلیز پر قدم رکھا۔سکینہ بیٹے کو ایسے سجیلے روپ میں دیکھ کر سجدہ ریز ہوئیں اور اپنے خواب کی تعبیر پر خدا کا شکر بجا لائی۔فرحین نے اسے ایک نظر دیکھ کر نظر لگ جانے کے ڈر سے دوسری نظر نہ اٹھائی۔دادی اماں اس سے لپٹ لپٹ کر روتیں اور سکینہ کو اونچی آواز میں کوسنے دیتیں جس کی خواہش کی وجہ سے پوتا اتنی دور چلا گیا تھا۔دادی اماں کی خواہش کے مطابق ایک سادہ سی تقریب میں فرحین اور جواد کا نکاح کر دیا گیا۔اور طے پایا کہ جواد فرحین کو ساتھ لیکر جائے گا۔یہ جاتی گرمیوں کے دن تھے۔درختوں پر کوئل کوکتی

اور نئے دیس کے نغمے سناتی تھی۔ درختوں سے عمر رسیدہ پتے گر رہے تھے لیکن فرحین کے لیے یہ خوابوں کی تکمیل کا موسم تھا۔ "اپنی بھابھی سے کہو کہ جس رومال پر میرا نام دھنک رنگ کے دھاگوں سے لکھا ہے۔ وہ رومال دیدے مجھے "جواد بڑی میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ چھوٹی بہن کو مخاطب کر کہتا۔" وہ رومال ابھی مکمل نہیں ہوا روبی۔ کچھ رنگ باقی ہیں اس میں بھرنے والے"۔ فرحین اونچی آواز میں جواب دیکر مسکراتے ہوئے کمرے میں چھپ جاتی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آج جواد احمد کی روانگی تھی۔ اسے ہنگامی طور پر چھانی پر بھلا لیا گیا تھا۔ "میرا پتر اپنی امانت ساتھ لے جا"۔ دادی کی التجا پر اس نے بیبسی سے ماں اور باپ کو دیکھا۔ "دادی انشااللہ اب کی بار آں گا تو اپنی امانت لیکر جاں گا۔ "جواد احمد بوڑھی دادی کو آس کی ڈور تھما کر اپنے سفر پر روانہ ہوا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بھارت نے اپنی عیارانہ فطرت کے مطابق رات کے اندھیرے میں پاکستانی سرحدوں پر حملہ کر دیا تھا۔ پاکستانی قوم کیلیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ پاکستانی فوج کا مقصد بھارت کو ہر صورت شکست دینا تھا۔ ذرائع ابلاغ پر ایک ہی آواز تھی "اے مرد مجاہد جاگ ذرا اب وقت شہادت ہے آیا"۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے قوم سے ایمان افروز اور جذبہ خیز خطاب کے بعد ملک "اللہ اکبر پاکستان زندہ باد" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ پاکستانی فوج نے ہر محاذ پر دشمن کی جارحیت اور پیش قدمی کو پیشہ وارانہ مہارتوں سے روکا ہی نہیں بلکہ انہیں پسپا ہونے پر بھی مجبور کر دیا۔ لاہور کے سیکٹر کو میجر عزیز بھٹی جیسے سپوتوں نے سنبھالا۔ بھارتی فوج پاکستان کی پہلی دفاعی لائن بی آر بی کو عبور نہ کر سکے۔ میجر عزیز بھٹی شہید ہو گئے لیکن دشمن کو سرزمین پاک پر قدم نہ رکھنے دیا۔ چونڈہ کے سیکٹر پر پاکستانی فوج کے جوانوں نے اسلحہ بارود سے نہیں اپنے جسموں کے ساتھ بم باندھ کر ہندوستانی فوج اور ٹینکوں کا قبرستان بنا دیا۔ پاکستانی نیوی نے جنگ کے دوران تجارت کو بحال رکھنے کے لیے گہرے سمندروں میں بھی یونٹس بجھوائے گئے۔ پوری جنگ کے دوران پاکستان کا سامان تجارت لانے لیجانے والے بحری جہاز بلا روک ٹوک اپنا سفر کرتے رہے۔

حصہ دوئم۔۔۔۔۔۔فوجی جوانوں نے بہت بہادری سے بھارتی فوج کے ہر وار کو شکست میں بدل دیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شہتوت کے درخت کے نیچے دادی اماں دروازے کی طرف نظریں جمائے چارپائی پر بیٹھی ہاتھ میں تسبیح پکڑے پاک فوج کی کامیابی کے لیے دعا مانگتیں اور ہر راہگیر سے جنگ کی صورتحال پوچھتیں۔۔۔۔۔

صبح سویرے دروازے پر ہونیوالی زوردار دستک نے گھر کے مکینوں کو کسی انہونی کا احساس دلا دیا۔ دادی اماں کے تسبیح پڑھتے ہاتھ کانپے۔ کچن میں پراٹھے بناتی فرحین کے ہاتھ سے آٹے کا پیڑا زمین پر گر گیا۔ "مبارک ہو سکینہ بی بی تم آج شہید کی ماں ہونے کا درجہ پا گئیں"۔ صحن میں چچا جان کی آواز گونجی۔ فرحین سینے پر ہاتھ رکھ کر صحن میں بھاگتی آئی۔ "میں نہ کہتی تھی کہ نہ بھیج اسے گھر سے دور۔ دیکھ میں بوڑھی دادی جوان پوتے کی میت دیکھنے کے لیے

زندہ رہی"۔فرحین کو اپنے بازوں میں لیتے بلک بلک کر رو پڑیں۔۔۔۔۔۔۔۔ "دعا کرنا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاں۔انشااللہ اپنا وعدہ نبھانے آں گا لیکن اگر میں نہ آ سکا تو وعدہ کرو فری تم میرے اور اپنے بندھن کو بوجھ بنانے کی بجائے کسی دوسرے شخص کو اپنا لوگی۔ "نکاح کے بعد روانگی سے پہلے جواد حسین سے اس سے وعدہ لینا چاہا تو وہ چپ چاپ اسکے پاس سے گزر گئی۔ جواد حسین کی شہادت کے بعد سب گھر والوں نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی نئے بندھن میں بندھ جائے لیکن وہ نہ مانی۔اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنا سکول بنا کر قوم کے معمار تیار کرنے لگی۔لیکن آج اتفاقیہ طور پر بچوں کی گفتگو نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔اگلے دن اس نے اپنے سٹاف کی ہنگامی میٹنگ بھلائی اور نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ بچوں کو غیر نصابی سرگرمیوں میں مشغول رکھنے، ملک وملت کی خدمت کا جذبہ ابھارنے کے لیے عملی اقدام اور تاریخی واقعات پر مبنی کہانیاں اور ڈاکومنٹری موویز دکھانے کے لیے تجاویز پیش کیں۔اس نیسوچ لیا تھا کہ قوم کے معمار نئی نوجوان نسل کا اپنے ملک کی تاریخ سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔تاکہ اب کوئی بچہ 6 ستمبر کا دن بس سوتے یا سیر سپاٹا کرتے ہوئے نہ گزارے بلکہ جتنے بھی جواد حسین اس ملک کی سلامتی کے لیے شہادت کا درجہ پا گئے ہیں ان عظیم لوگوں کی عظیم قربانیوں کو یاد کرتے ہوئے گزارے۔

کب بھولی جاتی ہیں قربانیاں

آمنہ غفور (ڈی جی خان)

(قیدی نمبر 140 آج تیرا نام بھی 6 ستمبر کی لسٹ میں شامل ہے آج سے تو آزاد ہے ہم تجھے واہگہ بارڈر پر چھوڑ آئیں گے چلے جانا پھر تو وطن ۔۔افسر اسے بتا کر چلا گیا نا جانے وہ کتنے سالوں سے ہندوستان کے پاس قید تھا اسے اب تو یاد بھی نہیں رہا تھا کے اس کا کیا نام ہے بس یاد رہا تو قیدی نمبر 140۔۔۔اماں میں جا رہا ہوں ۔۔۔کیپٹن ظاہر اپنی والدہ کو خدا حافظ کہہ کر باہر کی طرف نکلا ہی تھا کے اسے کال آ گئی کے وہ واپس الٹے قدموں گھر میں داخل ہو گیا۔۔۔اماں میں جا رہا ہوں مجھے ایمرجنسی کال آ گئی ہے۔۔اماں جانماز اٹھا رہی تھی ۔۔۔ابھی تو آئے تھے اور واپس جا رہے ہو۔۔۔۔جی اماں جانا ضروری ہے۔۔۔باورچی خانے میں کھڑی زلیخہ سب سن رہی تھی اور اداس بھی ہو رہی تھی۔۔۔کیپٹن ظاہر کے گھر انکی والدہ انکی بیوی اور بیٹی تھے والد شہید جرنیل عبداللہ تھے جو وطن کی راہ میں قربان ہوئے اور اپنے بیٹے کو بھی آرمی بنایا۔۔۔۔۔

کیپٹن ظاہر جب وہاں پہنچے تو انہیں اندازہ ہوا کے دشمن ہمارے بہت قریب آ رہے ہیں اور یہ علاقہ آبادیوں سے بھرا ہوا ہے انہوں نے علاقہ جلد خالی کرنے کا علان کروایا ۔۔اسے پہلے کے دشمن قریب آ جائے یہ جنگ 1 ہفتے سے جاری تھی۔۔

اوے قیدی نمبر 140 چل اپنا سامان باندھ اور اپنے وطن نکل آج سے تو آزاد ہے۔۔۔وہ خاموشی سے کھڑا ہوا اور اپنے وطن جانے کے لیے بیچین ہو گیا وہ ہندوستان کی کوئی بھی چیز اپنے وطن لے کر نہیں جانا چاہتا تھا پولیس وین سے واہگہ بارڈر کا سفر اسے ایسا لگ رہا تھا جسے صدیوں لگ جائیں گے۔۔۔۔۔

اصلح ختم ہونے والا ہے کیپٹن ظاہر ۔۔ایک سپاہی نے آ کر بتایا۔کیپٹن کنٹرولز 254 ہلو ہلو 254 میری آواز آپ کو آ رہی ہے یہاں اصلح ختم ہو رہا ہے جلد سے جلد ہمیں اصلح بھجوائے۔۔۔کنٹرولر کے دوسری طرف بنگلہ دیشی افسر تھا جو سب میسج سن کر بھی انجان بنا ہوا تھا اور سکون سے پھل کھا رہا تھا۔۔۔سر ان کو اصلح کی شدید ضرورت ہے بیچارے مر رہے ہیں۔۔مرنے دے سالو کو بڑے اے پاکستان کا نام روشن کرنے والے۔۔۔ہلو ہلو 254 ۔۔۔ہاہاہاہا بولتے رہو*

*******سر دشمن قریب آ رہے ہیں اور ہمارے پاس سب سامان ختم ہو رہا ہے۔۔۔کچھ بھی ہو دشمن کو خبر بھی نہیں ہونی چاہیے کے ہم خالی ہاتھ رہ گئے ہیں۔۔کیپٹن ظاہر نے اپنے جوانوں کو حوصلہ دیا۔۔۔یا اللہ تو ہماری مدد کر ہمیں

ہمت دے کے ہم دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں۔۔۔۔۔ یہ جنگ کو چلتے ہوے 1 ماہ ہونے کو آ گیا تھا نو جوانوں نے بھر پور مقابلہ کیا تھا اور پوری کوشش تھی ان کی کے وہ دشمنوں کو ہرا دیں مگر جب اپنے آستین میں سانپ پل رہے ہوں تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا دشمن آ گے بڑھ رہا تھا پاک فوج نے ہمت نہ ہاری پر دشمن کا حملہ صرف کیپٹن ظاہر پر تھا اور اسے اٹھا کر لے گئے۔۔کیپٹن کہاں گیا کسے ہوا کیوں ہوا کچھ نہیں جانتا تھا جب ایک کال آئی ہندوستان سے کے آپ کا کپٹن ہماری گرفتاری میں ہے تو ایک حل چل مچ گئی ٹیلی ویژن چینل اخبارات ریڈیو پاکستان ۔۔۔اماں قرآن مجید پڑھ رہی تھی جب زلیخہ بھاگی آئی اماں اماں انہیں ہندوستان نے پکڑ لیا ہے اماں قرآن مجید پڑتے ہوے بولی۔۔۔گھبرا نہیں ہندوستان اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔۔۔وہ خود کو کس طرح مضبوط کر کے بولی تھی یہ وہ یا ان کا اللہ جانتا ہے۔۔۔زلیخہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگی یا اللہ میری بیٹی کے باپ کی حفاظت کرنا۔۔۔۔۔*********قیدی نمبر 140 کہاں کھو گیا ہے اب تو آزاد ہے۔۔۔۔ ہندوستان کا ایک سپاہی بولا۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے کے اب یہ گونگا ہو گیا ہے دونوں سپاہی آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ہنس نے لگے۔۔۔ اوے اٹھ کیپٹن ظاہر کو برف پر لیٹا کر ڈنڈوں سے لاتوں سے مارا گیا تھا ۔۔۔۔ بڑا ذہین کیپٹن ہے کے تیرے بڑے چرچے ہو رہے تھے تجھے ہم اس قابل چھوڑے گے ہی نہیں سمجھا۔۔ یہ سب جانتا ہے جانی پہچانی آواز کی طرف کیپٹن ظاہر نے دیکھا اور اسے شدید افسوس ہوا کے سامنے خالد کنٹرولر کھرا تھا اور اسے سب سمجھ آ گی تھی ۔۔اگلا کیا ارادا ہے۔ ہندوستان کا ایک سپاہی ارون ہمپتے ہوے بولا۔۔۔ پتا نہیں کس مٹی کا بنا ہے اتنا مارا ہے پھر بھی ایک آواز نہیں نکالی۔۔۔راہول۔۔۔یس سر۔۔۔۔اسے کوٹھری والی جیل میں بند کر دے اور نہ کھانے کو دے نہ پینے کو دے بھوکا مار اور اسے قیدیوں والا لباس پہنا۔۔۔۔دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں مہنے سالوں کی نظر ہو گئے۔۔

واہگہ بارڈر کے پاس آ کر گاڑی روک دی۔۔۔چل تیرا ٹھکانہ آ گیا قیدی نمبر 140۔۔وہ گاڑی سے اترا اور گیٹ کھلا تو سامنے اسکا استقبال کرنے کے لیے بہت سے لوگ تھے وہ سب اپنے تھے کوئی اجنبی نہ تھا اسے اپنے وطن آنے کی بڑی جلدی تھی سامنے اس کی بیوی جوان بیٹی اور عمر رسیدہ خاتون جو اس کی ماں تھی وہ ان چہروں کو کب بھولا تھا اسکی بیٹی آ ئرفوس وردی میں تھی کتنا سکون اسے میلا تھا اپنے وطن آ کے اپنوں سے مل کر اور وہ اللہ کا شکر گزار تھا۔۔۔!

جہاد

محمد شاہد اقبال:

سرسبز پتے اور ٹہنیاں زندگی اوڑھے جب لہلہاتے تو اسے یوں لگتا جیسے اسکی زندگی کا حاصل پورا ہو چلا ہے -وہ زندگی کو یوں مسکراتے دیکھنے کا عادی ہو گیا تھا -اسے خزاں کا موسم ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا جب سارے پودے اور درخت اپنی سبز پوشاک اتار کر ٹنڈ منڈ ایک اجڑے دیار کی مانند لگنا شروع ہو جاتے تھے -لیکن وہ دل کو بہلا لیتا کہ یہ ویرانی، یہ سکوت عارضی ہے -بہار کی آمد کے ساتھ ہی زندگی ایک بار پھر اپنی پوری رعنائیوں سے چہکے گی- آج صبح ٹی وی پہ جب وزیراعظم پاکستان کی طرف سے "پلانٹ فار پاکستان "اور آرمی چیف کی طرف سے "سرسبز و شاداب پاکستان "کے نام سے شجر کاری مہم جنگی بنیادوں پہ شروع کرنے کے اعلانات ہوئے تو وہ ایک رو میں بہتا ہوا 1965 میں ہوئی پاک بھارت جنگ کے دنوں میں جا پہنچا جب فوج میں بھرتی ہوئے اسے تین سال ہونے کو آئے تھے -جذبہ جہاد سے سرشار اسکی بے چین طبیعت کو اسوقت سکون ملا جب اسے دشمن کے دانت کھٹے کرنے کا بھرپور موقع ملا -اسکی ڈیوٹی سپلائی پہ تھی وہ بلا خوف وخطر اگلے مورچوں پہ بڑی مہارت اور چابکدستی سے پہنچ جایا کرتا -اسیساتھ میں کئی بار دشمن کے علاقوں میں ریکی کے لیے بھی بھیجا گیا تھا اور اسکی دی ہوئی درست اور جامع معلومات کے روشنی میں دشمن پر کئی ایسے کارگر وار کیے گئے جو اسکی کمر توڑنے میں مفید ثابت ہوئے- جنگ شروع ہونے سے بیشتر اسکی ڈیوٹی لاہور کے قریب برکی سیکٹر پہ تھی جہاں میجر عزیز بھٹی شہید کی کمان میں اسے دشمن کو سبق سکھانے اور اپنے جذبوں کے اظہار کا شاندار موقع ملا تھا -پورے چھ دن وہ بھی بغیر کسی آرام وسکون کے مسلسل ایک مشین کی طرح اپنا کام سرانجام دینے میں مگن رہا -اپنے جسم پہ لاتعداد زخم کھانے کے باوجود اسکے شوق شہادت اور دشمن کو ملیامیٹ کرنے کی کوششوں میں کوئی کمی نہیں آئی تھی -بڑی مشکل سے اسے اسوقت ریسٹ پہ مجبور کیا جا سکا جب اسے یہ خبر ملی کہ پاک فوج نے نہ صرف ہر محاذ پہ دشمن کو پیچھے دھکیل دیا ہے بلکہ بھرپور جوابی حملہ کرتے ہوئے کھیم کرن پر بھی قبضہ کر لیا ہے اور اسے دشمن کے ٹینکوں کا قبرستان بنا ڈالا ہے -پھر 1971 میں ہوئی جنگ میں وہ مغربی پاکستان میں ہونے کے باعث کئی دن تک مکار دشمن کو اسکی اوقات یاد کروانے کے لیے تلملاتا رہا تھا لیکن جنگ میں عملا شریک نہیں ہو سکا تھا -وہ اس چالبازی اور مکاری کا بدلہ لینے کو ہمہ وقت بے چین رہا کرتا- لیکن ریٹائرمنٹ تک اسے یہ موقع نہ مل پایا تھا اور فوج سے وداعی کے دن اسے لگا جیسے اسکی زندگی کا بڑا مقصد فوت ہو گیا ہو -وہ یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا تھا کہ وہ اپنی مادر وطن کی حفاظت وخدمت اب کیسے کر پائے گا کیسے وہ

قرض چکائے گا جو اسکے کندھوں پہ آن پڑے ہیں- بیکار بیٹھنا نہ اسے پسند تھا اور نہ ہی وہ کبھی رہا تھا اسلیے ریٹائرمنٹ کے بعد وہ کچھ ایسا کرنا چاہ رہا تھا جو اسکے لیے روزی کی دستیابی سے زیادہ وطن کی خدمت کے زمرے میں آتا ہو- وہ سر سے پاں تک فوجی تھا اور ایک فوجی کا کام اپنے وطن کو ہر وقت ہر طرح کے دشمن سے بچانے کے لیے چوکس رہنا پڑتا ہے- بڑی غور و خوض کے بعد اس نے 'پودوں اور پھولوں کی نرسری 'بنا کر ارض پاک کو بظاہر نظر نہ آنیوالے دشمن 'ماحولیاتی آلودگی '' سے پاک کرنے کا جہاد شروع کر دیا تھا -اور آج کی قومی مہم برائے شجر کاری کے بارے جان کر اسکا سینہ ایک بار پھر فخر سے چوڑا اور سر بلند ہو چلا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سازشی جنگ !

مبارک خان.

میں چٹا گانگ کے کالج میں بارھویں کلاس میں پڑھتا تھا . ھم 4/5 دوست تھے جو آپس میں پڑھاء میں ایکدوسرے کی مدد کیا کرتے تھے . وقت دھیمی رفتار سے اپنا سفر جاری رکھے ھوئے تھا . میرا گاں کالج سے کوء 6 کلومیٹر دور تھا میرے پاس بائسیکل تھی جس پہ میں کالج آیا جایا کرتا تھا . راستے میں ھی میراایک دوست بھی میرے ساتھ شامل ھو جاتا . ھمارا یہ روز کا معمول تھا. پھرایک دن اس دوست حبیب اللہ کے ساتھ ایک اورلڑکا تھا مکیش نام کا.ایک دو دن تو ایسے ھی گپ شپ میں گزر گئے پھر ا یکدن کالج سے واپس آتے ھوئے حبیب اللہ نے کہا کہ مکیش نے ایک تقریب میں شرکت کی دعوت دی ھے چلو چلتے ھیں. میرے دل میں کوءایسی ویسی بات نہیں تھی سو میں بھی چل دیا . وہ تقریب کیا تھی ایک چھوٹی سی میٹنگ تھی 20/25 افراد ھونگے . ایک شخص ملک کو آنے والے خطرات کے بارے میں تبلیغ کر رھا تھا. مجھے کچھ سمجھ آیا کچھ نہیں . پھر اسطرح ھوا یہ روز کا معمول بن گیا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ مکتی باھنی سے تعلق رکھتے تھے . میرے دل میں شدید کشمکش چلنے لگی وہ وطن کی آڑ میں مشرقی پاکستان کو چاھنے والوں کے خلاف تھے کہ یہ ملک دشمن ھیں . ان لوگوں کے پاس ھتھیار بھی آنے لگے . جگہہ جگہہ سے مسمانوں کے قتل کی خبریں آنے لگیں . میں پریشان ھو گیا . پھر میں نے ایک فیصلہ کیا انھی میں رہ کر اپنے لوگوں کی حفاظت کروں گا . مکتی باھنی کی کروائیاں بڑی تیزی سے جاری تھی ھمارا گروہ بھی 60/70 افراد تک پہنچ گیا . میری بےچینی بڑھتی جارھی تھی . کہ اچانک جنگ کا اعلان ھو گیا اور مجھے حیرت ھوءھندوستانی فوج ھمارے وطن میں مکتی باھنی کے ھمراہ پاکستان کے خلاف جنگ لڑ رھی تھی . ایک رات میں نے اپنے سوئے ھوئے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور وھاں سے بھاگ نکلا . اور چھپ چھپ کر مکتی باھنی اور انڈین آرمی کے اسلحہ کے گودام تباہ کرتا رھا. مکتی باھنی والوں کو مجھ پر شک ھو گیا کہ میں اکثر انکے ساتھ نہیں ھوتا تھا . دو دن حالات اسیطر ح چلتے رھے تیسرے دن مکیش نے مجھے بارود کے گودام کو آگ لگاتے دیکھ لیا . میں وھاں سے بھاگنے لگا مگر وہ میرا پیچھا کرتا رھا . ھمارے درمیاں فائیرنگ بھی ھوتی رھی . اچانک میری پیٹھ میں یوں لگا جیسے آگ لگ گ ءھو اسکی گول میری پیٹھ میں لگی تھی میں نیم بےھوش کی کیفیت میں گرا ھوا تھا وہ میرے پاس آ رھا تھا میں نے ھمت کر کے اپنی گن سیدھی کر لی اور اس پر فائر کر دیئے . وہ مر گیا. میں اپنے آپ کو گھسیٹتا ھوا کافی دور تک لے آیا نزدیک ھی ایک گھر تھا میں نیکسیطر ح کر کے دروازہ بجادیا . ایک آدمی باھر نکلا میری حالت دیکھ کر بولا یہ تمھیں کیا ھوا؟ میں نے بہانہ بنا دیا میں اپنے رستے جا

رھا تھا انجانی گولی مجھے آ کے لگی ۔ وہ مجھے گھر میں لے گیا اور ایک ڈاکٹر کو بلا لایا اس نے کہا میں مرھم پٹی کر دیتا ھوں اسکا آپریشن ھوگا اسکو آرمی ھاسپٹل لے جانا ۔ وہ شخص مجھے ھاسپٹل بھی لے آیا حالات کی سنگینی کو دیکھتے ھوئے میں نے خود کو مکتی باھنی کا کارکن ظاھر کیا ۔ کیوں کہ جنگ پاکستان کی شکست پر ختم ھو چکی تھی ۔ خیر میرا آپرشن ھو گیا اب مجھ سے بیساکھی کے بنا چلا نہیں جاتا تھا ۔ ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کے پاکستان جانے والے کیمپ میں پہنچ گیا , پاکستانیوں کی قیدیوں کی شناختی پریڈ کی دوران مجھے پہچان لیا گیا کہ میں نے تو خود کو مکتی باھنی کا رکن ظاھر کیا تھا اور میں پناہ گزینوں میں کیا کر رھا ھوں ۔ مجھے گرفتار کر لیا گیا بہت تشدد کیا کہ میں پاکستان کیلیئے جاسوسی کرتا رھا ھوں مگر میں نے زبان نہ کھولی اور آج بھی انکی قید میں ھوں ۔